

اخوان المسلمون

ترکیہ، ادب، شہادت

ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی

شعبہ اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

اخوان المسلمون

تزکیہ، ادب، شہادت

ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی

شعبہ اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی



القلم پبلی کیشنز، کشمیر

© جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	:	اخوان المسلمون: تزکیہ، ادب، شہادت
مصنف	:	ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی
ناشر	:	القلم پبلی کیشنز، بڑک یارڈ، بارہمولہ، کشمیر
اشاعت	:	اپریل 2011
صفحات	:	312 [X + 302] جلد مع گرد پوش
تعداد	:	ایک ہزار
قیمت	:	210/- روپے
پروڈکشن	:	اردو بک ریویو، نئی دہلی - ۲

ناشر

القلم پبلی کیشنز

AL-QALAM PUBLICATIONS

TRUCK YARD, BARAMULLA, KASHMIR - 193101

Ph.: +91 9906653927, +91 9797217997

Email: suhailkar123@gmail.com

Distributors

اردو بک ریویو

URDU BOOK REVIEW

1739/3 (Basement), New Kohinoor Hotel

Pataudi House, Darya Ganj, New Delhi-110002

Ph: 011-23266347 Email: urdubookreview@gmail.com

IKHWANUL MUSLIMOON

Tazkiyah, Adab, Shahadat

AUTHOR: DR. OBAIDULLAH FAHAD FALAHI

1st Edition: April 2011 Pages: 312 Price: Rs.210/-

Printed at: Classic Art Printers, New Delhi-2

انتساب مسلم سجاد

نائب مدیر، ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

کے نام

انجمن میں بھی میسر رہی خلوت اس کو
شمع محفل کی طرح، سب سے جدا سب کا رفیق

عبداللہ فہر فلاحی

فہرست

۱-۵	حرفے چند
۸۲-۶	۱۔ حسن البنا شہید سے ڈاکٹر محمد البدیع تک
۷	پس منظر
۸	امام حسن البنا (مرشد اول)
۸	تبیح بھی، تلواری بھی
۱۰	شیخ حسن بن اسماعیل الہیسی (مرشد دوم)
۱۱	داعی ہیں، داروغہ نہیں!
۱۳	خروج کی مخالفت
۱۶	پہلے اپنے دلوں میں قرآنی حکومت قائم کرو!
۱۸	السید عمر تلمسانی (مرشد سوم)
۱۹	اہل خانہ کے تئیں غیرت
۲۰	بہن کو بھائی کے سامنے برہنہ کر دیا گیا
۲۱	الجماعات الإسلامية کا قیام
۲۳	انور سادات کو دو ٹوک جواب
۲۴	کیمپ ڈیوڈ معاہدہ
۲۵	استاذ محمد حامد ابوالنصر (مرشد چہارم)
۲۷	تنظیمی شورشائیت
۲۹	حسنی مبارک کا تشدد

- ۳۲ خلیج میں امریکی مداخلت
- ۳۳ صدّام حسین کی آمریت
- ۳۴ استاذ مصطفیٰ مشہورؒ (مرشد پنجم)
- ۳۶ ملکی دستور کی مخالفت نہیں
- ۳۸ نظام خاص - قصّہ ماضی
- ۳۹ فکری انحرافات پر تنقید
- ۴۲ جمہوریت پر یقین
- ۴۳ اُمستشار محمد مامون الہیسیؒ (مرشد ششم)
- ۴۴ دستوری منہج پر اصرار
- ۴۵ نوجوانوں کا قائدانہ کردار
- ۴۸ اندرونی اختلافات کا فسانہ
- ۴۸ عرب حکومتوں سے تعلقات
- ۵۰ حماس کے تئیں موقف
- ۵۱ نائن الیون پر ردّ عمل
- ۵۴ ذرائع ابلاغ کا استعمال
- ۵۷ استاذ محمد مہدی عاکف (مرشد ہفتم)
- ۵۸ جہاد - استعمار اور یہود کے خلاف
- ۵۹ مسلم تحریکات مزاحمت کی حمایت
- ۶۰ سیاسی اصلاحات سے مفر نہیں
- ۶۱ پارلیمانی انتخابات ۲۰۰۵ء
- ۶۳ اسلام - واحد متبادل

- ۶۴ ”اسلام پسند بوگا مبو“ کی نفی
- ۶۶ اسلامی حکومت کی تشکیل
- ۶۸ ڈاکٹر محمد البدیع (مرشد ہشتم)
- ۶۹ شخصی اقتدار کی مخالفت
- ۷۲ تحریک کے اندر جمہوریت
- ۷۳ حواشی و تعلیقات
- ۸۳-۹۴ ۲۔ تصوف اور سیاست کا اجتماع (بانی تحریک کی فکر)
- ۸۴ سید مودودیؒ کا خراج عقیدت
- ۸۵ مقصدِ تحریک
- ۸۸ وسائل و ذرائع
- ۹۰ مراحلِ دعوت
- ۹۲ کوئی شارٹ کٹ نہیں!
- ۹۵-۱۱۰ ۳۔ تشدد سے گریز، مزاحمت کی تلقین (دعوت اور خدمات)
- ۹۶ عالم اسلام کا بحران
- ۹۷ اخوان المسلمون کی تائیس
- ۹۸ اخوان کی دعوت
- ۱۰۲ طریق کار اور منہج
- ۱۰۴ راستہ لمبا ہے
- ۱۰۵ تشدد اور بغاوت سے اجتناب
- ۱۰۵ خدمات
- ۱۰۶ فکری انقلاب

- ۱۰۸ میدان صحافت میں
- ۱۰۸ میدان تعلیم میں
- ۱۰۹ معاشی میدان میں
- ۱۱۰ خدمت خلق
- ۴۔ ادب کی حلاوت بھی، ایمان کی حرارت بھی
- ۱۱۱-۱۵۲ (قائدین کی خودنوشتوں کا مطالعہ)
- ۱۱۲ مُذَكَّرَات الدَّعْوَةِ وَالذَّاعِيَةِ
- ۱۱۳ حصول سند ایک فتنہ ہے!
- ۱۱۵ اسکاؤٹنگ کی تربیت
- ۱۱۶ شعر و شاعری کا ذوق
- ۱۱۸ الأَطْيَاف الأَرْبَعَةُ
- ۱۱۹ سماج سے بغاوت
- ۱۲۰ الاخوان المسلمون - أحداث صنعت التاريخ
- ۱۲۱ خود احمسابی کا عمل
- ۱۲۳ جگ بیتی بھی، آپ بیتی بھی
- ۱۲۴ یادوں کی امانت
- ۱۲۷ آسان راستہ کا انتخاب
- ۱۲۸ ظالموں کے لیے کلمہ خیر
- ۱۳۰ فنکار کے فرائض
- ۱۳۲ البوابة السوداء
- ۱۳۳ عورتیں مردوں کی پشت پر سوار

- ۱۳۶ شیخ از ہر کا شرمناک فتویٰ
- ۱۳۷ آیات مِّن حَیَاتِی
- ۱۳۸ تحریکوں کی عمر
- ۱۴۰ وقتِ نکاح کا معاہدہ جہاد
- ۱۴۳ کتے جسم سے چٹ گئے!
- ۱۴۴ اپنے دانت اس کی گردن میں گاڑ دیے!
- ۱۴۵ آیات قرآنی سے استدلال
- ۱۴۶ اشعار کا استعمال
- ۱۴۸ تعلیقات و حواشی
- ۲۰۸-۱۵۳ ۵۔ دانشوروں اور ادیبوں کی کہکشاں
- ۱۵۴ مصنفین و مفکرین کی جماعت
- ۱۵۵ سید قطبؒ
- ۱۵۸ عبدالقادر عودہؒ
- ۱۵۹ مصطفیٰ محمد الطحان
- ۱۶۱ طہ جابر العلوانی
- ۱۶۳ عماد الدین خلیل
- ۱۶۵ عبدالحمید احمد ابوسلیمان
- ۱۶۶ فتحی یکن
- ۱۶۹ سعید رمضانؒ
- ۱۷۲ محمد قطبؒ
- ۱۷۴ زینب الغزالیؒ

۱۷۸	محمد الغزالیؒ
۱۸۳	مصطفیٰ السباعیؒ
۱۸۵	عبدالبدیع صقر
۱۸۹	عبدالفتاح ابوئعدہؒ
۱۹۴	شیخ محمد محمود الصوّافؒ
۱۹۷	نجیب الکیلانیؒ
۲۰۲	حواشی و تعلیقات
۲۰۹-۲۲۸	۶۔ شہادت گہ الفت میں (نظام تربیت کے لازوال نقوش)
۲۱۰	ہدف بھی اہم ہے اور وسیلہ بھی
۲۱۱	معاشرتی روحانیت
۲۱۳	تربیتی ادبیات
۲۱۷	فرد- تربیت کا محور و مرکز
۲۱۸	اصلاح نفس پر زور
۲۱۹	اوصاف تربیت
۲۲۱	بیعت کے دس عناصر
۲۲۲	چالیس واجبات
۲۲۴	نظام تربیت
۲۲۶	قرآن و سنت کا مطالعہ
۲۲۷	تزکیہ مطلوب ہے
۲۲۸	شہادت کا نشہ
۲۳۰	علماء کی اصلاح کا ایجنڈا

حرفے چند

سالوں پہلے برادر ڈاکٹر اجمل فاروقی نے ”تر بیت، دعوت اور خدمت“ کی موضوع پر ۱۳-۱۴ جون ۱۹۹۸ء کی تاریخوں میں دہرہ دون، اتر پردیش (اور اب اتر کھنڈ) میں ایک کارگاہ منعقد کی اور ازراہ کرم راقم کو ”اسلامی تحریکوں کا نظام تربیت و تزکیہ“ کے موضوع پر اظہار خیال کی دعوت دی۔ میں نے تقریر کی جگہ کوئی مختصر تحریر پیش کرنے کا منصوبہ بنایا۔ مختلف ملکوں میں مصروف تنگ و تاز تحریکوں کے لٹریچر کے مطالعہ کا آغاز کیا۔ اسی دوران برادر خورد ڈاکٹر امان اللہ فہد کی شادی بھی طے ہو گئی اور وہ بھی اُسی ماہ کی متصل تاریخوں میں۔ گھر میں تقریب کی ہماہمی اور میرے دماغ میں مقالہ کی ترتیب کی ہلچل، عجیب کشمکش تھی۔ اُنہی دنوں سلیم منصور خالد کی ’البدر‘ نے اور اس پر مرحوم خرم مراد کی تحریر نے دل میں طوفان پیا کر رکھا تھا اور جب شیخ یوسف القرضاوی، عبدالحلیم محمود، مصطفیٰ محمد الطحان، یوسف العظم، دکتور موسیٰ الحسینی، دکتور شریف کامل، خلیل احمد الحامدی، اور اخوان المسلمون کی تاریخ مرتب کرنے والے دوسرے مورخین کا مطالعہ شروع کیا تو دل و دماغ قابو میں نہ رہے۔ رہ رہ کر یہ خیال آتا تھا کہ یہ کس گوشت پوست کے انسان تھے جنہیں اسلامی تحریکوں نے کند بنادیا تھا اور جو ہر آزمائش سے سرخرو ہو کر نکلے۔ مقالہ مکمل ہوا۔ گھر کی تقریبات بھی انجام کو پہنچیں مگر میں اس پورے عرصے میں عالم بے خودی میں رہا۔

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور کو مقالہ شائع کرنے کے لیے بھیجا تو اس کے صاحبِ دل نائب مدیر محترم مسلم سجاد نے اپنی محبتوں کی سوغات سے راقم کو نہال کر دیا۔ انہوں نے کچھ اس طرح کے جملے دردمیں ڈوبے ہوئے تحریر کیے:

عزیزی ڈاکٹر فہد

آپ نے مضمون کیا بھیجا، ہمیں بہت ستایا۔ پڑھ پڑھ کر آنکھوں سے ساون بھادوں کی برسات ہوتی رہی۔ دوران خواندگی کئی بار وضو کیا۔ وقفہ وقفہ سے کئی بار پڑھا۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ آپ نے یہ کیسا آئینہ دکھایا ہے! کیا ہم اُن امتحانات میں سرخرو ہو پائیں گے جو تحریک اسلامی کے جیالوں کے مقدر میں آئے؟!

یہ مقالہ دو قسطوں میں ترجمان القرآن جلد ۱۲۵، شمارہ ۱۲ دسمبر ۱۹۹۸ء اور جلد ۱۲۶، شمارہ ۱، جنوری ۱۹۹۹ء میں شائع ہوا، اور اب پیش نظر کتاب میں ماقبل آخر مضمون کے طور پر ایک نئے عنوان سے شامل ہے۔ محترم مسلم سجاد کی محبتوں نے چند اور مضامین اخوان پر ترتیب دینے کی ترغیب دی۔ انہوں نے بسا اوقات ترہیب سے بھی کام لیا کہ انہیں پورا حق تھا۔ اس کتاب کا پہلا مضمون ”اخوان المسلمون۔ حسن البنا سے مصطفیٰ مشہور تک“ کے عنوان سے تین قسطوں میں اسی رسالہ کی جلد ۱۲۶، شمارہ ۳، ۴، ۵ مارچ، اپریل اور مئی ۱۹۹۹ء میں شائع ہوا۔ اب ایک طویل عرصہ گزرنے کے بعد اس میں اضافہ ناگزیر ہو گیا تھا چنانچہ محمد مامون الہیسیؒ ”چھٹے مرشد عام، محمد مہدی عاکف ساتویں مرشد عام اور ڈاکٹر محمد البدیع آٹھویں مرشد عام پر کچھ صفحات بڑھ گئے اور جدید حالات و افکار اور خدمات شامل بحث ہو گئیں۔ مواد اور لوازمہ کی مناسبت سے اس کا عنوان بھی تبدیل ہوا۔

رسالہ ترجمان القرآن ہی میں جلد ۱۲۷، شمارہ ۸ اور ۹، اگست اور ستمبر ۲۰۰۰ء کی اشاعتوں میں ”چند اخوانی ادیب“ کے عنوان سے جو مضمون شائع ہوا وہ ایک نئے عنوان سے حذف و اضافہ کے بعد اس کتاب میں پانچویں مضمون کی شکل میں شامل ہوا۔ اس مضمون کی اشاعت کے بعد ایک صاحب علم نے چند تسامحات کی نشاندہی کی تھی اُن کی اس کتاب میں اصلاح کر دی گئی ہے۔ اور بعض دوسری ترمیمات بھی جگہ پا گئی ہیں۔ چوتھا مضمون ”اخوانی قائدین کی آپ بیتیاں۔ داستان عبرت و موعظت“ کے عنوان سے ماہنامہ زندگی نو، نئی دہلی کی اشاعت جنوری ۱۹۹۶ء میں شائع ہو چکا ہے۔ یہ مضمون عالمی رابطہ ادب اسلامی لکھنؤ کی دعوت پر ترتیب دیا گیا تھا اور ۱۰-۱۲

نومبر ۱۹۹۵ء کو دارالمصنفین اعظم گڑھ میں اس کے بارہویں قومی سمینار میں پڑھا گیا تھا۔ مقالہ کی خواندگی کے بعد صدر اجلاس پروفیسر عبدالحلیم ندوی مرحوم نے بعض اشکالات قائم کیے تھے جن سے راقم کو اتفاق نہ ہو سکا اس لیے ان کے ملاحظات کو شامل نہیں کیا جا سکا۔ یہ مقالہ ”ادب کی حلاوت بھی، ایمان کی حرارت بھی“ (قائدین کی خودنوشتوں کا مطالعہ) کے عنوان سے اس مجموعہ مقالات میں شامل ہے۔

کتاب کا دوسرا مضمون ”تصوف اور سیاست کا اجتماع“ (بانی تحریک کی فکر) پہلے ماہنامہ زندگی، رامپور جولائی ۱۹۸۳ء / رمضان ۱۴۰۲ء کی اشاعت کی زینت بن چکا ہے ”حسن البنائے کی فکر“ کے عنوان سے۔ تیسرا مضمون ”دعوت و خدمات“ ماہنامہ حیات نو، اعظم گڑھ نومبر اور دسمبر ۱۹۸۲ء کی اشاعتوں میں دو قسطوں میں شائع ہوا ہے ”اخوان المسلمون۔ ایک جائزہ اور مطالعہ“ کے عنوان سے۔ موخر الذکر دونوں مضامین دعوتی و تبلیغی نوعیت کے ہیں اور ان میں حوالوں کا التزام نہیں کیا گیا ہے اور ویسے بھی یہ مضامین عنفوان شباب میں ترتیب دیے گئے تھے۔

اس مجموعہ کا آخری مضمون مفت روزہ ایشیالاہور، جلد ۵۴، ۲۵-۳۱ / اگست ۲۰۰۵ء شمارہ ۳۵، ۱۸-۲۴ رجب ۱۴۲۶ھ میں شائع ہوا۔ فاضل مدیر نے اس مضمون کے ساتھ درج ذیل نوٹ تحریر کیا:

”علامہ یوسف القرضاوی تحریک اسلامی کے دور حاضر کے ترجمان مصری عالم ہیں۔ ان کی متعدد کتب کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے۔ زیر نظر مضمون ان کی معروف کتاب ”التربية الإسلامية و مدرسة حسن البنائے“ سے ماخوذ ہے۔ اس کا اردو ترجمہ علی گڑھ کے جناب عبید اللہ فہد فلاحی نے ”اخوان المسلمون کا تربیتی نظام“ کے نام سے بہت عمدگی سے کیا ہے۔ اخوان المسلمون چودہویں صدی ہجری میں نمایاں حیثیت حاصل کرنے والی تحریکوں میں سے ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ایسی تمام تحریکوں کے متحرک اور طاقتور نظریے کا اہم کردار ہے۔ پورے عالم

اسلام کو اس نظریہ کو ہمہ گیر طور پر اختیار کرنا چاہیے۔ اور یہی نظریہ اسلامی نشاہ ثانیہ کے لیے بنیاد بن سکتا ہے۔ زیر نظر مضمون اسی حقیقت کو اجاگر کرنے کے لیے پیش کیا جا رہا ہے۔“

ہفت روزہ ”ایشیا“ ہی سے معلوم ہوا کہ سہ ماہی ”تقریب المذہب“ لاہور میں بھی یہ مضمون قرطاس کی زینت بن چکا ہے۔ اس مضمون کو شامل کتاب کرتے وقت علامہ یوسف القرضاوی کی محولہ بالا کتاب سے ربانیۃ کی فصل کا ابتداء میں اضافہ کر دیا تاکہ رُحماء بینہم کی تصویر پیش کرنے والے اخوان کی ربانی و ایمانی فکر بھی سامنے آجائے کیونکہ محبت پروان چڑھتی ہے ایمان و عقیدہ کے ماحول میں۔ اگر یہ فکری ماحول میسر نہ ہو تو حلقہ یاراں بھی پراگندہ ہو جاتا ہے۔

میں شکر گزار ہوں مدیران گرامی کا جنہوں نے ان مضامین کو اپنے رسائل میں شائع کیا، خاص طور سے جناب مسلم سجاد، نائب مدیر ”ترجمان القرآن“ لاہور، محترم مرزا محمد الیاس مدیر ہفت روزہ ”ایشیا“ لاہور، ڈاکٹر فضل الرحمن فریدی، مدیر ”زندگی نو“ نئی دہلی، مولانا نور محمد فلاحی مرحوم مدیر حیات نو جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ اور سہ ماہی ”تقریب المذہب“ لاہور کے فاضل مدیر نے راقم کی تشجیع و تشویق کا سامان فراہم کیا محترم عبدالتین منیری بھٹکل، کرناٹک نے بعض غلطیوں کی نشاندہی کی اس لئے ان کے تئیں اظہار ممنونیت ضروری ہے۔ ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی رفیق ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ نے ازراہ محبت و اکرام محترم سہیل بشیر کاروان مضامین کی اشاعت ثانی کے لیے تحریک فراہم کی اور موخر الذکر کی اپنائیت اور ان کے مخلصانہ اظہار بلکہ محبت آگئیں اصرار نے اس مجموعہ مقالات کی طباعت کی تمام راہیں وا کر دیں۔ یہ ناچیز ان تمام بزرگوں اور دوستوں کی قدر محسوس کرتا، ان کے تئیں ممنونیت کا اظہار کرتا اور بارگاہ رب العزت میں ان کے لئے دعائے خیر کرتا ہے۔

یہ مضامین مختلف اوقات میں ترتیب دیئے گئے ہیں اس لئے ان میں واقعات و حقائق اور

افکار کی تکرار سے انکار نہیں کیا جاسکتا تاہم کوشش کی گئی ہے کہ اس سے کوئی ذہنی اکتاہٹ اور توحش نہ پیدا ہو۔ اللہ سے دعا ہے کہ اس مجموعہ کو باعث خیر بنائے اور ہم سب کو دعوت و عزیمت کی راہ پر گامزن رکھے۔ آمین!

ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی

۱۷ ستمبر ۲۰۱۰ء

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز

علیگزہ مسلم یونیورسٹی، انڈیا

E-mail: drfahad.amu@yahoo.com

قصر فہد

یونیورسٹی فورٹ انکلیو

بروہلی روڈ

علی گڑھ - 202002



حسن البنا شہید
 سے
 ڈاکٹر محمد البدیع تک

پس منظر

آج عالم عرب میں عوامی بیداری اور احیائے شریعت کی جو ہم زوروں پر ہے اور اسلام کی بالادستی و اقامت کی جو کشمکش عروج پر نظر آرہی ہے وہ مصر میں ابتدائی طور سے تشکیل شدہ اور پھر شام، سوڈان، اردن، فلسطین، کویت، یمن اور شمالی افریقہ میں توسیع پذیر اسلامی تحریک الاخوان المسلمون کی عظیم الشان جدوجہد، بے پناہ قربانی و ایثار اور بے بدل رفاہی و فلاحی خدمات کا ثمرہ ہے۔ یہ تحریک مارچ ۱۹۲۸ء میں مصر کے ایک قصبہ اسماعیلیہ میں شیخ حسن البنا (۱۹۰۶-۱۹۴۹ء) کی ولولہ انگیز قیادت میں قائم ہوئی اور دیکھتے دیکھتے مصری نوجوانوں کے دلوں کی دھڑکن بن گئی۔

الاخوان المسلمون کی تشکیل ایسے دور میں ہوئی جبکہ مصر میں وطنیت، قومیت، الحاد و زندہ اور مغرب پرستی نے اپنے اثرات قائم کرنے کا آغاز کر دیا تھا اور روایتی اسلام اور تہذیب کے مابین تصادم شروع ہو گیا تھا۔ ایک طرف شیخ علی عبدالرازق^۱ (۱۸۸۱-۱۹۶۶ء) کی کتاب ”الاسلام و اصول الحکم“ نے اسلام کے سیاسی نظام اور اداروں پر شب خون مارا تھا اور خلافت کو سیاسی قوت سے بے دخل کر کے اسے مفلوج بنا دینے کی سازش کی تھی تو دوسری طرف ڈاکٹر طہ حسین^۲ (۱۸۸۹-۱۹۷۱ء) نے ”الشعر الجاہلی“ لکھ کر خود قرآن پاک کے بارے میں شکوک و شبہات کا ماحول بنا دیا تھا۔ قاسم امین^۳ (۱۸۶۳-۱۹۰۸ء) ”تحریر المرأة“ اور ”المرأة الحديدہ“ جیسی کتابوں کے ذریعہ عرب خواتین کو اسلام سے بغاوت اور غداري پر اکسا رہے تھے۔ ان چوہر فہ حملوں کے جواب میں اسلام پسندوں کا محاذ بڑا ہوا، کمزور اور پھسپھسا ثابت ہو رہا تھا۔ سید جمال الدین افغانی^۴ (۱۸۳۸-۱۸۹۷ء) مفتی محمد عبده^۵ (۱۸۳۹-۱۹۰۵ء) اور سید رشید رضا^۶ کے بعد مصطفیٰ صادق الرافعی^۷ (۱۸۸۱-۱۹۳۷ء) محمد فرید وجدی^۸ (۱۸۷۸-۱۹۵۴ء) اور محبت الدین الخطیب^۹ (۱۸۸۶-۱۹۶۹ء) جیسے اسلامی اصلاح کے علم

برداروں کی آواز نقار خانے میں طوطی کی صدا سے زیادہ اہمیت نہ رکھتی تھی۔

امام حسن البنا شہید (۱۹۰۶-۱۹۴۹ء)

شیخ حسن البنا نے مصری بستی محمودیہ میں ایک علم دوست اور مذہبی گھرانے میں آنکھ کھولی۔ ان کے والد شیخ احمد عبدالرحمن البنا (م ۱۹۶۰ء) کا پیشہ گھڑی سازی کا تھا مگر وہ حدیث و فقہ کے بڑے عالم تھے۔ انہوں نے امام احمد بن حنبلؒ کی المسند کو فقہی ابواب کے تحت مرتب کر کے مذکورہ احادیث پر تشریح و تفسیر کا فریضہ بھی انجام دیا تھا۔ آپ کی تصانیف میں ”الفتح الربانی فی ترتیب مسند الامام احمد الشیبانی“، ”بلوغ الامانی من اسرار الفتح الربانی“، ابو داؤد طیالسیؒ کی مسند کی تشریح ”منحة المعبود“ اور امام شافعیؒ کی مسند اور سنن کی تبویب نو ”بدائع المسند“، وہ عظیم علمی خدمات ہیں جو بڑی بڑی اکیڈمیاں و فروسائل کی مدد سے بھی انجام نہیں دے پاتیں۔ سولہ سال کی عمر میں ہونہار حسن البنا نے قاہرہ کے دارالعلوم میں داخلہ لیا جہاں سے ۱۹۲۷ء میں گریجویشن کا سرٹیفکیٹ حاصل کیا۔ فراغت کے بعد وزارت تعلیم نے آپ کو اسماعیلیہ کا مدرس مقرر کر دیا۔ ۱۹۳۳ء میں وہ قاہرہ منتقل کیے گئے تو اخوان کا صدر دفتر بھی وہیں پہنچ گیا۔ ۱۹۴۶ء میں وہ سرکاری ملازمت سے مستعفی ہو کر اخوان کی توسیع و استحکام کے لئے یکسو ہو گئے۔

تبسج بھی تلوار بھی

حسن البنا تجدید و اصلاح کے داعی تھے۔ وہ اسلامی تہذیب کی بالائری پر یقین محکم رکھتے اور اسلامی شریعت کو معاشرہ میں نافذ دیکھنا چاہتے تھے۔ اسلام کے مکمل نظام کی اقامت اور طوفان الحاد و ہریت کا مکمل استیصال اُن کا نصب العین تھا انہوں نے طبع بلند، نگاہ پاک ہیں، جان بے تاب اور قلب پُر سوز کا استعمال کر کے مصری معاشرہ میں ہلچل مچادی۔ ۱۹۳۳ء سے ۱۹۳۹ء کے مرحلہ میں اخوان ایک ہمہ گیر نظریہ اور جامع تحریک کے قالب میں ابھرے۔ بڑی

خاموشی سے مسجدوں میں وعظ و تذکیر کی محفلیں برپا ہوئیں، قصبوں اور شہروں کے دورے ہوئے، شاخوں کا قیام عمل میں آیا اور نو جوان مردوں اور عورتوں کو اسلامی تہذیب کی مکمل پیروی کی دعوت دی گئی۔ دوسرا مرحلہ ۱۹۳۹ء سے لے کر ۱۹۴۵ء تک پر محیط ہے اس میں اخوان نے بر ملا سیاسی میدان میں قدم رکھا اور ایک مضبوط عوامی طاقت بن کر منصفہ شہود پر آئے اور حکومت وقت کی نظروں میں کھٹکنے لگے اور جبر و تشدد کا نشانہ بنے۔ اس مرحلہ میں فوآد الاول یونیورسٹی اور الازہر یونیورسٹی کے طلبہ و اساتذہ اور دوسرے پیشوں سے تعلق رکھنے والے تاجر، صنعت کار، انجینئر، ڈاکٹر، وکیل، غرضیکہ ہر طبقہ کے لوگ تحریک میں جوق در جوق داخل ہوئے۔ اخوان نے سماجی اور اقتصادی پروگراموں میں توسیع کی۔ ثقافتی اور جسمانی تربیت کا اہتمام کیا اور نہایت منظم اور منصوبہ بند طریقے سے پورے ملک میں آزادی اور اسلام کا غلغلہ بلند کیا۔ انگریزوں نے اخوان کے بڑھتے ہوئے اثرات پر بندش لگانے کا فیصلہ کیا اور حسین سری پاشا کی حکومت پر دباؤ ڈالا۔ نتیجہ کے طور پر اخوان کے آرگن ہفتہ وار التعارف، الشعاع اور ماہنامہ المنار پر پابندی لگادی گئی۔ ان کا پریس مقفل کر دیا گیا اور امام حسن البنا کو قاہرہ سے قنا اور ان کے نائب احمد السکری کو دمیاٹ بھیج دیا گیا پھر مصری پارلیمنٹ کے احتجاج پر انہیں واپس آنے کی اجازت مل گئی مگر امام کو اور اخوان کے جنرل سکریٹری کو گرفتار کر لیا گیا۔ اخوانی حلقوں کے شدید احتجاج کو دیکھتے ہوئے حکومت نے انہیں جلد ہی رہا کر دیا۔^{۱۵}

امام حسن البنا کی قیادت میں اخوان کا تیسرا مرحلہ ۱۹۴۵ء سے ۱۹۴۸ء پر مشتمل ہے جس میں تحریک اپنے پورے عروج پر پہنچی اور مصر سے باہر عالم عرب میں اپنی شاخیں قائم کیں۔ ۱۵ مئی ۱۹۴۶ء کو ”الاخوان المسلمون“ کے نام سے پہلی بار تحریک نے ایک روزنامہ بھی جاری کیا جس نے استعماری حلقوں میں تہلکہ برپا کر دیا۔ اسی مرحلہ میں اخوان نے معاشی کمپنیوں کا جال پورے ملک میں پھیلایا۔ انگریزوں کے مکمل انخلا کا مطالبہ ہوا اور ان سے براہ راست تصادم ہوا۔ ۱۵ مئی ۱۹۴۸ء کو عرب لیگ کے زیر اہتمام فلسطین میں عرب فوجیں اتریں اور یہودیوں کے

خلاف جہاد شروع ہو گیا۔ اخوان رضا کاروں نے اس جنگ میں شجاعت و بہادری اور فداکاری کی وہ روشن مثالیں قائم کیں کہ امریکہ و برطانیہ کا یہودی پریس بلبلا اٹھا۔ وزیراعظم نقراشی پاشا نے اپنے غیر ملکی آقاؤں کے دباؤ میں ۸ دسمبر ۱۹۴۸ء کو مارشل لا آرڈینس نمبر ۶۳ کے ذریعہ اخوان کو خلاف قانون قرار دے دیا اور پورے ملک میں دارو گیر اور جبر و تشدد کا بازار گرم کر دیا۔ وہ خود ایک نوجوان کی گولی کا نشانہ بن گیا۔ نئے وزیراعظم عبدالہادی پاشا کے دور میں اخوان کے ہزاروں کارکن گرفتار کر لیے گئے اور امام حسن البنا کو ۱۲ فروری ۱۹۴۹ء کو خفیہ پولیس نے شبان المسلمین کے دفتر کے سامنے سر بازار شہید کر دیا۔^{۱۱}

شیخ حسن بن اسماعیل الہیسیؒ (۱۸۹۱-۱۹۷۲ء)

امام حسن البنا کی شہادت کے ساتھ اخوان کے ہزاروں کارکن ڈیڑھ سال تک قید و بند کی سختیاں اٹھاتے رہے اس کے بعد ۱۹۵۱ء میں وفد پارٹی برسر اقتدار آئی تو انہیں رہائی نصیب ہوئی۔ چنانچہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو اخوان نے شیخ حسن بن اسماعیل الہیسی کو اپنا دوسرا مرشد عام منتخب کیا^{۱۲}۔ شیخ الہیسی عربی و اسلامی علوم کے ساتھ جدید تعلیم کے رمز آشنا اور ماہر تھے انہوں نے ۱۹۱۵ء میں مصری کالج سے قانون کی ڈگری حاصل کی تھی۔ مارچ ۱۹۲۴ء تک وہ وکالت بھی کر چکے تھے اس کے بعد انہوں نے ۲۷ سالوں تک حج کے فرائض بھی انجام دیے۔ وہ عدالت عالیہ کے قانونی مشیر بھی رہے۔ انہیں شیخ حسن البنا کی شہادت کے بعد اخوان کا سربراہ بنایا گیا تو ان کی عمر ساٹھ سال تھی۔

شیخ الہیسی نے قیادت کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد شاہ فاروق اور جمال عبدالناصر (۱۹۱۸-۱۹۷۰ء) دونوں کے دور میں کوشش کی کہ اخوان تمام قوانین و ضوابط کی پوری پابندی کریں اور حکومت سے کوئی تصادم مول نہ لیں۔ فروری ۱۹۵۰ء سے اکتوبر ۱۹۵۱ء تک وفد پارٹی نے مصطفیٰ نحاس پاشا کی وزارت عظمیٰ میں ملک کی باگ ڈور سنبھالی۔ اس عرصہ میں اس نے

برطانیہ سے ۱۹۳۶ء میں کیے گئے اس معاہدہ کی تین سو سالہ تاریخ کا اعلان کیا جس کی رؤ سے مصر برطانیہ کی فوجی چھاؤنی بنا ہوا تھا اور سویز پر برطانیہ اور فرانس نے مشترکہ اجارہ داری قائم کر رکھی تھی۔ اخوان نے اس اعلان کا زبردست خیر مقدم کیا اور اس گوریلا فوج میں شامل ہو گئے جس نے سویز کے علاقہ میں آزادی کی جنگ لڑی۔ اخوان اور مصری حکومت کے درمیان یہ تعاون اچھے اثرات پر منتج ہوا اور طرفین کے درمیان شکوک و شبہات کے بادل کم ہوئے۔

۲۳ جولائی ۱۹۵۲ء کو مصر میں شاہ فاروق کا تختہ پلٹ کر گیارہ افسروں کی خفیہ فوجی تنظیم نے، جو آزاد افسروں کی سوسائٹی کہلاتی تھی، انقلاب برپا کر دیا اور بادشاہت کو ختم کر کے مصر کو جمہوری قرار دیا۔ ۷ ستمبر کو نئے کمانڈر انچیف جنرل نجیب وزیر اعظم مقرر ہوئے۔ جنہیں جمال عبدالناصر (۱۹۱۸ء-۱۹۷۰ء) نے ۱۸ اپریل ۱۹۵۴ء کو برطرف کر کے خود وزارت عظمیٰ کا عہدہ سنبھال لیا اور انہیں صدر مملکت بنا دیا۔ پھر ۱۴ نومبر ۱۹۵۴ء کو جنرل نجیب کو صدارت کے عہدے سے ہٹا دیا اور اس طرح پورے ملک کے مالک و مختار بن گئے۔ ناصر آمریت کے دلدادہ اور عوامی شراکت کے خلاف تھے۔ وہ ملک میں جمہوریت اور سیاسی اصلاحات کے دشمن تھے۔ بس یہیں سے اخوان اُن کی نگاہوں میں خار بن کر کھٹکنے لگے۔

داعی ہیں، داروغہ نہیں

شیخ الہیسی نے قائد اخوان کی حیثیت میں پوری کوشش کی کہ تحریک اسلامی جبر و تشدد اور ہنگامہ دار و گیر سے محفوظ رہے۔ اس سلسلہ میں انہیں اخوانی نوجوانوں کے ایک انتہا پسند گروہ کی سخت مخالفت کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ انہوں نے قرآن و سنت سے دلائل فراہم کیے کہ ہمارا فریضہ دعوت و اصلاح کی انتھک کوشش کرنا ہے۔ افراد و اقوام کو زبردستی اور قوت کے استعمال کے ذریعہ راہ راست پر لانا ہماری ذمہ داری نہیں ہے نیز غیر اسلامی معاشرہ میں رہنے والے مسلمان اپنی نیت اور عمل کے مطابق اللہ کے سامنے جواب دہ ہیں ان کے خلاف تکفیر و تفسیق ہمارے دائرہ کار

سے باہر ہے۔ قوت کے استعمال پر آمادہ ان نوجوانوں کی تفہیم کے لیے آپ نے معروف زمانہ کتاب تصنیف کی دُعاۃ لا قُضاۃ (ہم داعی ہیں، داروغہ نہیں)۔ کتاب کے مقدمہ میں ناشر نے وضاحت کی ہے کہ:

”اخوان داروگیر اور قید و بند کے جاں گسل مراحل سے گزرے۔ اس کے ردِ عمل میں بعض لوگوں نے (مخالفِ اخوان) مسلمانوں کی تکفیر کا نعرہ دیا اور ان کے اسلام و ایمان کے تئیں شکوک پیدا کر دیے۔ اخوان نے جیلوں کے مصائب و شدائد کے باوجود اس غلط فہمی کو رفع کرنے اور اس نکتہ نظر کو تبدیل کرنے کی فوری کوشش کی اور یہ اقدام کسی خوف یا ترغیب کی خاطر نہیں بلکہ محض اللہ کی رضا جوئی کے لیے کیا گیا۔ اُس وقت ان کے مرشدِ استاذِ حسن اسماعیل الہیسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس دعویٰ کی تردید میں اپنا جامع و مانع کلمہ بلند کیا جس نے اخوان المسلمون کے طریقِ راہ کی تعیین کر دی، ان کے منہاجِ عمل کی صراحت کر دی اور ان کے نصب العین کو متعین اور مشخص کر دیا کہ ”ہم داعی ہیں، داروغہ نہیں۔“

بظاہر اس فتنہ کا سد باب ہو گیا تھا مگر دشمنانِ حق کہاں سپر ڈالنے والے تھے۔ وہ خالص اسلامی تحریکوں کی تصویرِ مسخ کرنے کے اپنے ناپاک ارادوں سے کیسے دست بردار ہو سکتے تھے حالانکہ انہوں نے پچشم خود دیکھ لیا تھا کہ عوامِ دعوتِ اسلامی کے لیے سراپا انتظار ہیں۔ انہیں یقین تھا کہ امتِ مسلمہ کے ذوق و وجدان پر غیر اسلامی تحریکوں کا کھوٹ اور مصنوعی ملمع سازی بے نقاب ہو چکی ہے اور وہ پورے اخلاص، یکسوئی اور جذبہ کے ساتھ اپنے رب کی طرف پلٹنے اور شریعتِ اسلامی کو دستور و قانون اور زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط اخلاقی و سیاسی اور اقتصادی و معاشرتی نظام کے طور پر اپنانے کے لیے آمادہ ہے۔ یکا یک ہم نے اخبارات میں ”جماعة الهجرة“، ”سلسلہ گونج سنی جوان افکار و عقائد کے تئیں انتہا پسندی، جذباتیت

اور اشتعال کا مظاہرہ کر رہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کینہ پروری اور مکاری کی ایک نئی

چال ہوتا کہ عوام الناس داعیانِ دین سے وحشت زدہ اور متفرق ہوں۔“^{۱۲}

فکرِ اسلامی میں سرایت کرنے والی انتہا پسندی اور تشدد کا شیخ حسن الہیسی نے بروقت نوٹس لیا اور ان تمام عقائد و افکار سے بحث کر کے قرآن و سنت اور علماء اہل سنت کے دلائل کی روشنی میں معتدل اور صاف و شفاف منہاجِ فکر و عمل کی تائید کی۔ کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس کی فصلوں کی سرخیوں سے لگایا جاسکتا ہے:

- فصل (۱) : مقدمہ بعض اصولی مباحث
- فصل (۲) : کلمہ شہادت کا معنی اور مفہوم اور فقہی مباحث
- فصل (۳) : جود، کفر، شرک، ارتداد اور نفاق کا مفہوم
- فصل (۴) : حاکمیت اللہ کا مفہوم اور اس کے مضمرات
- فصل (۵) : حکومت و تشریع اور قانون سازی کے سلسلہ میں اخوان کا عقیدہ
- فصل (۶) : عقیدہ میں جہل و خطا کے احکام
- فصل (۷) : بعض نظریات کی تردید
- فصل (۸) : اطاعت و اتباع کا شرعی مفہوم اور اعتراضات کا جائزہ
- فصل (۹) : اسلامی حکومت - تعریف و تعیین
- فصل (۱۰) : کفر بالظاہر و غوث کا مفہوم
- فصل (۱۱) : قرآن کریم سے براہ راست تعامل اور اجتہاد کی شرائط

خروج کی مخالفت

کتاب کے آخر میں ناشر نے بعض سوالات اور ان کے جوابات کا اضافہ کر دیا ہے۔ یہ سوالات اخوانی حلقوں کی جانب سے قائم کیے گئے تھے جن کے جواب میں شیخ الہیسی نے فقہ

اسلامی کے موقف کی وضاحت کی تھی۔ سوالات یہ تھے:

سوال ۱: کلمہ شہادت کے اقرار کے ساتھ صحابہ کرام کو خالص اسلامی ماحول میسر آ جاتا تھا۔ اگر وہ اسلامی ماحول آج فراہم نہ ہو سکے تو ضروری ہے کہ اس معاشرہ سے آدمی ہجرت کر جائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہ بن الیمانؓ سے فرمایا تھا کہ ”تم مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کی پیروی کرو۔“ پوچھا: اگر کوئی جماعت اور امام نہ ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تو تمام فرقوں سے الگ تھلگ رہو خواہ تمہیں کسی درخت کی جڑ میں پناہ ملنی پڑے یہاں تک کہ تمہیں موت آ جائے اور تم اسی موقف پر قائم رہو۔“ اس کی کیا توجیہ ہو سکتی ہے؟

سوال ۲: کلمہ شہادت کا اقرار کرنے والا کافر نہیں قرار دیا جاسکتا مگر نام نہاد مسلمانوں کے معاشرہ کو اسلامی معاشرہ بھی نہیں کہا جاسکتا اس لیے کہ اس کے بیشتر افعال اسلام کے خلاف ہوتے ہیں۔ ایسے معاشرہ کا شرعی حکم کیا ہوگا؟

سوال ۳: قرآن و سنت میں لفظ جاہلیت کا استعمال کن متعین معنوں میں ہوا ہے؟ کیا آج کے نام نہاد مسلم معاشرہ کو جاہلی معاشرہ کہا جاسکتا ہے؟

سوال ۴: اگر اسلام کا نام لینے والی حکومت ہو تو الجماعۃ کا کردار کیا ہوگا اور اس کے وجود کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟

سوال ۵: دین میں اکراہ کے رول کی مزید وضاحت درکار ہے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ داعیان دین کے لیے بحیثیت جماعت رخصت پر عمل کرنا درست نہیں ہے؟

سوال ۶: کیا بغیر جماعت سے وابستگی اختیار کیے زندگی گزارنا جائز ہے؟ اور کیا جماعت سے خروج ملت سے خروج کے ہم معنی ہوگا؟ اگر کوئی شخص کسی ایسی تنظیم سے وابستہ ہے جو اپنے پروگراموں میں اسلام سے ہم آہنگی نہیں رکھتی یا وہ تنظیم جماعت اسلام کے خلاف برسرِ پیکار ہے تو تنظیم سے وابستہ مسلمان کو کیا مسلمان تصور کیا جائے گا؟

سوال ۷: اگر کسی مسلمان کا ظاہری اور عملی رویہ تمام تر شریعت سے دوری پر منتج ہو رہا ہو تو کیا

اس کا یہ مطلب لینا درست نہ ہوگا کہ اس کے عقیدہ میں خرابی موجود ہے؟^{۱۵}

اخوانی نوجوانوں کی مبنی بر اعتدال و توازن تفہیم و تعامل کے ساتھ شیخ الہیسی نے تنظیم کے اسلامی تشخص پر آج نہ آنے دی اور رنج و محن کے تمام مرحلوں سے گزرنے کے باوجود ملک میں اسلامی اور جمہوری اقدار کی بحالی کے مطالبے پر وہ ڈٹے رہے۔ ۹ ستمبر ۱۹۵۲ء کو وزیراعظم جنرل محمد نجیب نے نئی وزارت کی تشکیل کی تو اخوان کے تین وزیروں کو اس میں شامل کرنے کی پیش کش کی۔ مکتب الارشاد (اخوان کی مجلس شوریٰ) نے اسے مسترد کر دیا۔ دراصل شیخ الہیسی ایسی حکومت میں شامل ہونے کے لیے تیار نہ تھے جس میں اصل اختیارات حکومت کو نہیں بلکہ فوجی انقلابی قیادت کو حاصل ہوں۔ اخوان نے حکومت سے باہر رہ کر تمام اچھے کاموں میں اس کی تائید کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے ملک میں اسلامی نظام کے احیاء کا مطالبہ بھی دوہرانا شروع کر دیا۔ اخوان کے اخبار الإخوان المسلمون نے اگست ۱۹۵۲ء کے شمارہ میں احکام اسلامی کی تکفیز اور پورے ملک میں اسلامی ثقافت کی ترویج پر ایک زبردست مضمون شائع کیا۔ ۱۶ جنوری ۱۹۵۳ء کو انقلابی کونسل نے تمام سیاسی پارٹیوں پر پابندی لگائی تو شیخ الہیسی نے دوراندیشی سے کام لے کر اس کے خلاف سخت احتجاج کیا اور فوج کا ساتھ دینا مناسب نہ سمجھا۔ ۲۳ جنوری ۱۹۵۳ء کو سرکاری پارٹی 'ہیئة التحرير' کے قیام کا اعلان کیا گیا اور تمام سیاسی پارٹیوں بشمول اخوان کو اس میں ضم ہو جانے کی دعوت دی گئی تو اخوان نے ادغام سے انکار کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اخوان اور جمال عبدالناصر کی انقلابی کونسل میں اختلافات شدید ہو گئے۔ ۱۲ جنوری ۱۹۵۴ء کو ایک اور واقعہ پیش آ گیا۔ یونیورسٹی میں اخوانی طلبہ کی ایک تقریب پر ہیئة التحرير کے مسلح سواروں نے فائرنگ کر دی جس کا جواب طلبہ نے بھی ترکی بہ ترکی دیا پھر کیا تھا اسے بہانہ بنا کر ۱۳ جنوری ۱۹۵۴ء کو اخوان المسلمون کو خلاف قانون قرار دے دیا گیا، یکم ستمبر ۱۹۵۴ء کو برطانیہ سے 'عائدہ انخلاء' پر دستخط ہوئے تو اخوان نے اسے مسترد کر دیا۔ ۲۶ اکتوبر ۱۹۵۴ء کو جمال عبدالناصر پر قاتلانہ حملہ ہوا جس کا الزام اخوان پر لگایا گیا اور اس کے کارکن گرفتار کر لیے گئے مصر کے مشہور اخبار المصری

کے مدیر احمد ابوالفتح کا بیان ہے کہ چند ہفتوں کے اندر اندر گرفتار ہونے والوں کی تعداد پچاس ہزار تک پہنچ گئی۔ بالآخر ۷ نومبر ۱۹۵۴ء کو فوجی عدالت نے چھ ممتاز اخوانی رہنماؤں کو صفائی کی سہولت مہیا کیے بغیر سزائے موت دے دی۔ وہ چھ رہنما یہ تھے:

- ۱۔ عبدالقادر عودہ، نائب مرشد عام
 - ۲۔ شیخ محمد فرغلی، مکتب الارشاد کے رکن رکیں، ۱۹۵۱ء میں معرکہ سویز میں اخوانی دستوں کے کمانڈر، جن کے سر کی قیمت انگریزی فوج کی ہائی کمان نے ۵ ہزار پونڈ مقرر کی تھی۔
 - ۳۔ یوسف طلعت، شام کی تنظیم کے نگران اعلیٰ
 - ۴۔ ابراہیم الطیب، قاہرہ زون کی خفیہ تنظیم کے سربراہ
 - ۵۔ ہنداوی دویرائیڈو کیٹ
 - ۶۔ عبداللطیف
- سزا پانے والے ان مجرموں میں مرشد عام شیخ اہضیٰ کا نام بھی شامل تھا مگر ان کی درازی عمر کی وجہ سے یہ سزا عرقید میں تبدیل ہو گئی۔

پہلے اپنے دلوں میں قرآنی حکومت قائم کرو!

مارچ ۱۹۶۴ء میں مصر میں ہنگامی حالت کے خاتمہ کا اعلان ہوا تو تمام سیاسی قیدی رہا کر دیے جن میں اخوان بھی شامل تھے مگر جمال عبدالناصر نے ایک ہی سال کے بعد پھر دارو گیر کا سلسلہ شروع کر دیا۔ جولائی ۱۹۶۵ء میں حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش کے الزام میں تقریباً بیس ہزار سے پچاس ہزار تک اخوان جیلوں میں ٹھونس دیے گئے جن میں سات سو سے آٹھ سو تک خواتین بھی شامل تھیں۔ ان گرفتار شدگان میں مرشد عام کے علاوہ سید قطب ان کے بڑے بھائی محمد قطب اور دو بہنیں حمیدہ قطب اور امینہ قطب بھی اس اعزاز کی مستحق قرار پائیں۔ مرشد عام کو تین سال کی قید با مشقت کی سزا سنائی گئی جبکہ سید قطب کو ۲۵ اگست ۱۹۶۶ء کو پھانسی کی سزا دے

دی گئی۔ خود مرشد کی صحت اب کافی خراب رہنے لگی تھی۔ قید سے رہا ہونے کے بعد وہ اپنی توانائی اور قوت بحال نہ کر سکے آخر کار ۱۹۷۲ء میں وہ بھی شہیدانِ راہِ وفا میں شامل ہو گئے۔^{۱۶}

شیخ اہلبیسی کی زندگی میں اخوان المسلمون بڑے نازک اور زہرہ گداز مرحلوں سے دوچار ہوئی مگر مرشد عام کی فراست، بصیرت، ایمانی استقامت اور صبر و رضا کی خصوصیات نے تنظیم کے پائے ثبات میں لغزش نہ آنے دی۔ انہی صبر آزمائحات میں سے ایک تاریخ ساز لمحہ وہ بھی تھا جب قیادت کی ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے کے بعد آپ نے مکتب الارشاد (مجلس شوریٰ) کا انتخاب کرایا اور بعض ارکان کے طرز عمل سے آپ کو شکایت ہوئی مگر آپ نے اظہارِ تکبر نہ کیا۔ جمال عبدالناصر کی شہ پا کر ایک رکن عبدالرحمن سندی نے بغاوت کا طبل بجا دیا اور تحریک کو دو ٹکڑوں میں بانٹنے کی سازش کی مگر اس کی دال نہ گلی تو اس نے فوجی نوجوانوں کی مدد سے رات کو مرشد عام کے گھر پر ہلہ بول دیا۔ ٹیلی فون کے تار کاٹ دیے اور شیخ کو زبردستی گاڑی میں بٹھا کر لے گئے۔ کسی دور دراز مقام پر لے جا کر بنوک بندوق آپ سے مطالبہ کیا کہ اخوان کی قیادت سے استعفا دے دیں۔ ان کم عقلوں کو پتہ نہ تھا کہ اس اچھی حرکت سے مرشد عام دباؤ میں آنے والے نہیں۔ اس چال میں ناکامی کے بعد عبدالرحمن سندی نے چالیس مسلح افراد کے ذریعہ مرکزی دفتر پر قبضہ جمالیا اور رات بھر وہاں براجمان رہے۔ مقصد اشتعال پیدا کر کے باہمی تصادم کے لیے راہ ہموار کرنا تھا مگر مرشد عام کی فراست اور ایمانی ذکاوت نے ایک بہت بڑے بحران کو نال دیا۔^{۱۷}

سچی بات یہ ہے کہ شیخ اہلبیسی کی پوری زندگی ان کے اس معروف قول کی ترجمان تھی:

أَقِمُوا دَوْلَةَ الْقُرْآنِ فِي أَنْفُسِكُمْ تَقُمْ فِي أَرْضِكُمْ

(قرآن کی حکومت اپنے دلوں میں قائم کر لو زمین پر یہ خود بخود قائم ہو جائے

گی۔)^{۱۸}

السید عمر تلمسانیؒ (۱۹۰۴-۱۹۸۶ء)

شیخ الہیسی کے انتقال پر ملال کے بعد اخوان نے باہم غور و خوض کے بعد فیصلہ کیا کہ تنظیم خلاف قانون ہے تو کیا ہوائے مرشد عام کا انتخاب ضروری ہے انہوں نے مکتب الارشاد کے سب سے بزرگ رکن کو مرشد عام بنانے کا تہیہ کیا اور اس طرح السید عمر تلمسانی تیسرے مرشد عام مقرر ہوئے۔

سید عمر تلمسانی ۴ نومبر ۱۹۰۴ء کو قاہرہ کے علاقہ غوریہ میں خوش قدم محلہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا آبائی وطن اصلًا الجزار تھا جہاں ان کے آباء و اجداد قصبہ تلمسان میں رہائش پذیر تھے۔ ۱۸۳۰ء میں فرانسیسیوں نے جب اس قصبہ پر بھی قبضہ کر لیا تو آپ کے پردادا اپنے اہل و عیال کے ساتھ ہجرت کر کے مصر آ گئے اور تجارت شروع کر دی۔ سید عمر تلمسانی کے ابتدائی تین سال ہی گزرے تھے کہ والد نے شہر چھوڑ کر مرکز شین القناطر کے گاؤں نوئی میں واقع اپنے فارم پر سکونت اختیار کر لی۔ یہیں مدرسہ سیدی علی میں شیخ عبدالعزیز القلماوی اور شیخ احمد الرفاعی جیسے اساتذہ سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ عمر کے دسویں سال ہی میں اخبار المقطم کا مطالعہ شروع کر دیا۔ دادا کی وفات ہوئی تو والد اپنے بچوں کو لے کر قاہرہ پھر منتقل ہو گئے وہاں جمعیۃ الخیریہ کے مدرسہ میں آپ نے ثانوی تعلیم مکمل کی۔ ۱۹۲۳ء میں یہیں سے آپ نے آرٹس میں بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی اور یونیورسٹی لاکالج میں داخل ہو گئے۔ کئی بار امتحان میں ناکام ہوئے ۱۹۳۱ء میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد عقبہ خضر میں ایک وکیل ابراہیم بک ذکی کے دفتر میں اپرنٹس شپ سے آپ نے باقاعدہ عملی زندگی شروع کی۔ اس دور کی تکمیل کے بعد شین القناطر ہی میں اپنا ذاتی دفتر قائم کر کے وکالت کا آغاز کر دیا۔ یہی دور تھا جب ۱۹۳۳ء میں آپ نے شیخ حسن البنا سے ملاقات کی اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے باقاعدہ اخوان المسلمون میں شرکت اختیار کی۔

وکالت کا پیشہ جاری رکھتے ہوئے سید عمر تلمسانی نے اخوان المسلمون کی تمام دعوتی اور سیاسی

سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اخوان سے مکمل وابستگی اور وفاداری کو دیکھتے ہوئے شیخ حسن البنا نے آپ کو ایک بار بیت المال کا ناظم بھی مقرر کیا۔ کچھ سالوں کے بعد مرشد نے تنظیم کا نائب مرشد عام بننے کی پیش کش بھی کی مگر یہ کہہ کر آپ نے معذرت کر لی کہ میں اس منصب کا اہل نہیں لہذا اسے قبول کرنا بددیانتی ہوگی۔ کئی بار اخوان کے امیدوار کی حیثیت میں ملکی انتخابات میں بھی حصہ لیا مگر ایک بار بھی کامیاب نہ ہو سکے کیوں کہ انتخابات کے طور طریقوں اور الیکشن جیتنے کے ظاہری اور خفیہ ڈھنگوں سے بالکل نا بلند تھے۔^{۱۹}

اہل خانہ کے تئیں غیرت

سید عمر تلمسانی دوسرے اخوانی کارکنوں کے ساتھ ۱۹۵۴ء میں گرفتار کیے گئے۔ ان میں سے بعض شہادت کے مرتبے پر فائز ہوئے آپ کو پندرہ سال قید با مشقت کی سزا سنائی گئی بعد میں دو سال کی مزید توسیع کر دی گئی اس طرح سترہ سال تک مسلسل پابجولاں سنت یوسفی ادا کرتے رہے۔ جیل میں کس قدر پامردی و ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا اور ان کی مثالی شریک حیات نے گھر میں بند ہو کر شوہر کے جیتے جی کس طرح بیوگی کے دن کاٹے، اسے خود سید صاحب ہی کی زبانی سنئے:

”میں اپنی بیوی کے بارے میں اپنی غیرت کا ایک واقعہ عرض کرتا ہوں جو ابھی مجھے یاد آیا ہے۔ جمال عبدالناصر کی جیلوں میں میں نے سترہ سال کا عرصہ گزارا۔ اکتوبر ۱۹۵۴ء سے لے کر جولائی ۱۹۷۱ء تک۔ اس عرصہ میں مرحومہ نے ایک مثالی بیوی کا کردار نہایت صبر و استقامت اور نیک روی سے پیش کیا۔ جیل میں مجھے مسلسل دس سال بیت گئے اور اس عرصہ میں میری اہلیہ ایک بار بھی ملاقات کے لیے نہ آئی کیوں کہ مجھے اس بات سے غیرت تھی کہ کارندے اور میرے قیدی بھائی میری بیوی کو دیکھ پائیں۔ اخوانی بھائیوں نے مجھ سے اصرار کیا کہ یہ روش قطع رحمی کی روش ہے اور قابل ملامت ہے۔ ان کے شدید اصرار پر میں نے بیوی کو جیل میں ملاقات کی اجازت

دے دی۔ وہ مجھ سے ملنے جیل آئی اور میں نے پرسکون انداز میں اس کا استقبال کیا گویا ہم ایک دوسرے سے ایک دن یا دن کا کچھ حصہ جدا رہے تھے۔ میری طویل قید اور گھر سے غیر حاضری کے اس دور میں اللہ کی بندی نے کبھی میرے سامنے کوئی پریشانی پیش نہ کی نہ میرے اہل و اقارب کے لیے کبھی کوئی مسئلہ کھڑا کیا اگرچہ کبھی کبھار میری والدہ یا بھائی بہنوں کی طرف سے اس کے ساتھ سختی بھی ہو جاتی۔“

بہن کو بھائی کے سامنے برہنہ کیا گیا

سید عمر تلمسانی نے اپنے ایک انٹرویو میں جیل کے اُن دلدوز حادثوں میں سے بعض کا ذکر کیا ہے جو اُن کے ساتھ روار کھے گئے۔ الوطن العربی کو دیے گئے اس انٹرویو کو المجتمع کویت نے ۱۲ فروری ۱۹۸۵ء کی اشاعت میں نقل کیا ہے۔ اخباری نمائندے نے مصر میں مسلم انتہا پسندی کے بارے میں سوال کیا تو مرشد عام نے جواب میں فرمایا:

”تم لوگ ان انسانیت سوز مظالم سے کیوں صرف نظر کر لیتے ہو جو ان نوجوانوں کے ساتھ مصری جیلوں میں روار کھے جاتے ہیں؟ مصر کی جیلوں میں قید اسلامی فکر رکھنے والے نوجوانوں کو ایسی بھیمت کا نشانہ بنایا جاتا ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ایسے غیر انسانی رویے کے رد عمل کے طور پر اگر یہ نوجوان بھی سخت رویہ اختیار کر لیتے ہیں تو اس پر حکومتی ذرائع ابلاغ وہ شور مچاتے ہیں کہ لا امان والحفیظ!

مصری جیلوں میں ۱۹۵۴ء اور ۱۹۶۵ء میں خود ہمارے ساتھ جو سلوک روار کھا گیا وہ ابلیس لعین کے حافیہ خیال میں کبھی نہ آیا ہوگا۔ میں تمہیں صرف ایک بات بتاتا ہوں جس سے تم سمجھ جاؤ گئے کہ اس دھرتی کے سینے پر کیسے کیسے شنیع واقعات رونما ہوتے رہے ہیں۔ جیل میں ایک مرتبہ میری حقیقی ہمشیرہ کو میری کوٹھری کے سامنے لایا گیا میں کوٹھری کے اندر بند تھا اور میرے پاؤں بیڑیوں میں جکڑے ہوئے تھے، جیل

حکام کے مجمع عام کے سامنے میری بہن کو مادر زاد جنگا کر دیا گیا۔ یہ منظر میری کوٹھری کے عین سامنے تھا.....!،،،^{۱۲}

جمال عبدالناصر کے بعد محمد انور السادات (۱۹۱۸-۱۹۸۱ء) کا دور مصر میں انفتاح اور جمہوریت کا دور قرار دیا جاتا ہے۔ انہوں نے ناصری دور کی دہشت گردی اور بربریت کا خاتمہ کیا۔ کسی حد تک قانون کی بالادستی قائم کی اور اخوانی رہنماؤں اور دوسرے قیدیوں کو بتدریج جیل خانوں سے رہا کیا۔ خارجہ پالیسی میں یہ تبدیلی آئی کہ ابتدا میں روس سے ۱۵ سالہ دوستی کا معاہدہ کیا مگر ۱۹۷۲ء میں روس کی منافقانہ سیاست کی وجہ سے امریکہ سے مفاہمت کر لی۔ اسرائیل کی طرف بھی دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور ستمبر ۱۹۷۸ء میں امریکہ میں کمپ ڈیوڈ کے مقام پر اسرائیل کے ساتھ ایک سمجھوتہ پر دستخط کر دیے جس سے عالم اسلام میں سادات کی زبردست مخالفت ہوئی مگر اس مفاہمت کے نتیجہ میں بتدریج ۱۹۸۲ء تک ۴۲ ہزار مربع میل پر پھیلے ہوئے جزیرہ نمائینا کو اسرائیل نے مصر کے لیے خالی کر دیا۔ ۱۸ فروری ۱۹۸۰ء کو قاہرہ میں اسرائیل کا سفارت خانہ بھی قائم ہو گیا۔

الجماعات الإسلامية کا قیام

اس دور میں مسلسل اخوان المسلمون پر بندش عائد رہی۔ البتہ اس کا رسالہ الدعوة جولائی ۱۹۷۶ء سے دوبارہ جاری ہوا اور دعوتی و دینی سرگرمیاں تنظیم کا نام استعمال کیے بغیر مسلسل انجام دی جاتی رہیں۔ مرشد عام تلمسانی کو غیر سرکاری سطح پر تسلیم بھی کیا گیا اور حکومت نے مختلف مواقع پر انہیں افہام و تفہیم کی دعوت بھی دی۔ سید تلمسانی نے اس پورے دور میں تعلیمی اور تربیتی امور پر توجہ مرکوز رکھی۔ یونیورسٹیوں اور کالجوں میں طلبہ الجماعات الإسلامية کے نام سے منظم ہوئے اور طلبہ انتخابات میں اسلام پسند پھر فتح یاب ہونے لگے اور اسلامی قانون کے نفاذ کا غلغلہ بلند ہونے لگا۔^{۱۳}

الجماعات الإسلامية در اصل مختلف اسلام پسند تنظیموں کا ایک ڈھیلا ڈھالا وفاق تھا جس نے انور السادات کی لبرل پالیسی سے فائدہ اٹھا کر کام کرنا شروع کیا یہ ساری تنظیمیں شیخ حسن البنا اور ان کی الإخوان المسلمون سے متاثر تھیں مگر اس پر قانونی بندش سے فائدہ اٹھا کر انہوں نے علیحدہ کام کرنا شروع کیا۔ الجماعات الإسلامية کے رہنما شیخ عمر عبدالرحمن تھے جو قصبہ قیوم کے ایک نابینا خطیب اور مبلغ تھے۔ اس وفاق نے پورے ملک میں مساجد کے ذریعہ اسلامی شریعت کی تنفیذ کی مہم چلائی۔ قاہرہ، اسکندریہ، پورٹ سعید، علاقہ سویز اور بالائے مصر میں اسیوط، قیوم اور المینا خاص طور پر اس کی سرگرمیوں کے مرکز تھے ان شہروں کی تمام مسجدوں میں درس قرآن کے منظم حلقے قائم کیے گئے اور ضرورت مندوں کو کھانا اور کپڑا بھی فراہم کیا گیا۔ ساتویں دہائی میں المینا، قیوم، قنا اور اسوان میں مختلف کالجوں اور یونیورسٹیوں کی تاسیس سے اس وفاق کو استحکام ملا کیوں کہ وہاں کے طلبہ میں اسے بڑی مقبولیت حاصل ہوئی کیمپ ڈیوڈ معاہدہ کے خلاف رائے عامہ ہموار کرنے میں بھی ان مسجدوں کے خطباء نے کلیدی کردار ادا کیا۔ ان میں قائد ابراہیم مسجد اسکندریہ کے خطیب شیخ احمد المحلاوی اور قاہرہ کی مسجد النور اور سویز کی مسجد الشہداء کے خطیب شیخ حافظ سلامہ نے اپنی پرجوش اور جذبہ و ولولہ سے بھرپور تقریروں کے ذریعہ اسرائیل کے خلاف جہاد و شہادت کا ماحول گرم کیا۔ شیخ عمر عبدالرحمن نے بھی اپنی پرشور اور شعلہ بار تنقیدوں کا سلسلہ جاری رکھا یہاں تک کہ ۶ اکتوبر ۱۹۸۱ء کو ایک فوجی پریڈ کے درمیان صدر انور السادات کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔^{۲۳}

الجماعات الإسلامية کے خطیبوں اور رہنماؤں نے ملک میں اسلامی شریعت کو نافذ کرنے کی تحریک چلائی۔ انہوں نے شیخ الازہر اور وزارت اوقاف کے ذریعہ ملک کی مسجدوں اور مذہبی سرگرمیوں کی حکومتی تنظیم کی بھی مخالفت کی اور مذہب کو حکومتی مشنری کے دائرہ اثر سے آزاد رکھنے اور عام مسلمانوں کی دینی و معاشرتی سرگرمیوں میں مداخلت نہ کرنے پر زور دیا۔ شیخ عمر عبدالرحمن نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور انہوں نے سیاسی انتخابات میں حصہ لینے اور ملکی نظام کے جمہوری

اداروں کی بقا و ترقی میں شرکت کرنے پر اخوان کو بھی آڑے ہاتھوں لیا۔ شیخ نے جمہوری نظام سے قطع تعلق کرنے کی اپیل کی۔ ۱۹۸۸ء کے اواخر میں قیوم، مینا اور سیوط کے متعدد دشمنوں میں خوں ریز تصادم کے المناک واقعات پیش آئے۔ یہ جھڑپیں شیخ کے متبعین اور مقامی پولیس کے دستوں کے درمیان ہوئیں۔ چنانچہ حکومت نے الجماعات الاسلامیہ کی تمام سرگرمیوں پر پابندی لگادی۔ ان کی مساجد مقفل کر دیں اور طلبہ یونین کے تمام انتخابات معطل کر دیے۔ ہزاروں کارکنوں کو قید کر لیا گیا اور گھروں کی تلاشیاں لی گئیں۔ شیخ عمر عبدالرحمن بھی گرفتار کر لیے گئے۔ بالآخر انہیں ملک بدر ہونا پڑا اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں پناہ لینی پڑی۔^{۲۴}

انور سادات کو دو ٹوک جواب

صدر انور السادات نے اخوانی رہنماؤں اور کارکنوں کو آغاز حکومت میں کچھ مراعات فراہم کیں مگر اس فراخ دلی اور وسیع الظرفی کا اصل محرک کمیونسٹوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو متوازن کرنا تھا ایک مخصوص دائرہ سے آگے وہ اخوان کی پیش قدمی اور مقبولیت کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھے یہی وجہ تھی کہ وقتاً فوقتاً وہ اخوانی رہنماؤں کو اپنی طاقت اور برتری کا احساس دلاتے رہتے تھے۔ ۱۹۷۹ء میں اسماعیلیہ میں الفکر الاسلامی کے موضوع پر سمینار منعقد ہوا تو تمام دینی جماعتوں کو شرکت کی دعوت دی گئی۔ سید عمر تلمسانی نے شرکت سے معذوری ظاہر کی کیوں کہ انہیں یہ گوارا نہ تھا کہ صدر مملکت ان پر اپنی دھونس جمائیں مگر وزیر ثقافت و اطلاعات سید منصور حسن نے اصرار کر کے انہیں راضی کر لیا۔ وہ الحاج مصطفیٰ مشہور اور ڈاکٹر عبدالعظیم المطعنی کے ساتھ سمینار میں شریک ہوئے۔ اس میں صدر مملکت نے اپنی پوری تقریر میں اخوان ہی کو مختلف بے سروپا اعتراضات و الزامات کا نشانہ بنائے رکھا اور انہیں تخریب کاری اور فرقہ وارانہ فسادات کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ بہر حال سید تلمسانی نے صدر کے تمام الزامات کا ترکی بہ ترکی جواب دیا۔^{۲۵}

۱۹۸۱ء میں عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان فرقہ وارانہ فسادات ہوئے تو دوسری سیاسی

پارٹیوں کے ساتھ اخوان بھی مبتلائے عذاب ہوئے۔ ۳ ستمبر ۱۹۸۱ء کو بڑے پیمانہ پر گرفتاریاں عمل میں آئیں اور اخوانی کارکنوں کو جیلوں میں زد و کوب کیا گیا۔ بہر حال یہ ایک دور تھا جو گزر گیا اور اس پورے دور میں اخوان عوامی طاقت بنے رہے۔ صدر سادات کے قتل کے بعد ملک کی زمام کار محمد حسنی مبارک کے ہاتھوں میں آئی اور وہی صدر مملکت کے عہدہ پر فائز ہوئے۔

صدر محمد حسنی مبارک نے آغاز حکومت میں اچھے اقدامات کیے۔ سیاسی قیدیوں اور نظر بندوں کو رہا کیا۔ اخبارات و رسائل کو تنقید کی آزادی دی اور انہیں تاکید کی کہ ممالک عربیہ کے سربراہوں پر دشنام طرازی نہ کریں۔ مگر اخوان المسلمون آج بھی خلافِ قانون ہے۔ اس کی سیاسی اور قانونی حیثیت کو حکومت تسلیم کرنے کے لیے نہیں ہے۔ ۱۹۸۶ء میں مرشد عام، کبریٰ، عدالت اور مسلسل نقاہت کے باعث جو ارجمت الہی میں چلے گئے۔

کیمپ ڈیوڈ معاہدہ

سید عمر تلمسانی زندگی بھر اسرائیلی ریاست کے قیام کے مخالف رہے۔ انہوں نے کیمپ ڈیوڈ معاہدہ کی مخالفت خالص دینی اور اسلامی جذبہ سے کی تھی وہ یہودیوں سے دوستی اور تعلقات کو سعی لا حاصل قرار دیتے تھے۔ ان کا نقطہ نظر اس معاملہ میں بالکل واضح تھا:

”اخوان المسلمون جن کے دل اسلام کی رحمت اور آشتی سے پُر ہیں کبھی یہ نہیں کہتے کہ اسرائیل کو سمندر میں غرق کر دیا جائے نہ وہ یہ نعرہ لگاتے ہیں کہ آخری یہودی کو آخری کمیونسٹ کی آنتوں سے پھانسی پر لٹکا یا جائے۔ خوں ریزی اسلام کے مزاج کے منافی ہے۔ ہمارا کہنا یہ ہے کہ یہودی ارضِ فلسطین پر عام شہریوں کی حیثیت سے رہ سکتے ہیں۔ رہا یہ معاملہ کہ ہم انہیں علاقے پر حکمرانی اور خوف و ہراس کے ذریعہ تسلط کی اجازت دے دیں تو یہ کبھی نہیں ہوگا۔ اقلیت دنیا بھر میں اکثریت کے ساتھ اطمینان و سکون سے زندگی گزارتی ہے مگر یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ اہل ایمان کے

کھلے اور بدترین دشمن مسلم رعایا پر عدل و انصاف سے حکومت کریں گے (پھر ان کو اقلیت میں رہتے ہوئے حکمرانی کا کیا حق حاصل ہے) ان سے انصاف کی توقع عبث اور غیر ممکن ہے۔

و مکلف الايام ضدّ طباعها متطلب في الماء جذوة نار
(جو شخص قوانین طبعی کو ان کے نظام کے خلاف چلانا چاہتا ہے وہ گویا پانی کے اندر آگ کا انگارہ دیکھنے کا خواہش مند ہے۔) ^{۲۶}

سید عمر تلمسانی کو ام کلثوم کے نغمے بہت پسند تھے۔ وہ اُن نعتیہ اشعار سے عشق کی حد تک لگاؤ رکھتے تھے جو امیر الشعراء شوقی ^{۲۷} (۱۸۶۸-۱۹۳۲ء) نے رسول اللہ ﷺ کی مدح میں لکھے تھے اور ام کلثوم نے پر سوز آواز میں ان کو گایا تھا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ام کلثوم مرحومہ اپنے فن میں لا جواب تھی مگر افسوس کہ اس نے ظلم اور ظالموں کے قافلہ میں شمولیت اختیار کر لی۔ فن کار اگر اپنے فن میں مخلص ہو تو اسے ظلم کا ساتھ کبھی نہیں دینا چاہیے۔ فن تو ادب لطیف اور حسن رقیق کا نام ہے اور فن کار اخلاق عالیہ کا نمائندہ ہوتا ہے۔ اسے نرم دلی، رحم، شعور اور ہمدردی کا مظاہرہ کرنا چاہیے نہ کہ وہ سنگ دلی اور ظلم کا مجسمہ بن جائے۔ ^{۲۸}

استاذ محمد حامد ابوالنصر (۱۹۱۳-۱۹۹۶ء)

السید عمر تلمسانی کے حادثہ وفات کے بعد اخوان نے استاذ محمد حامد ابوالنصر کو چوتھا مرشد عام منتخب کیا۔ یہ عظیم ذمہ داری آپ کو مئی ۱۹۸۶ء میں سونپی گئی۔ آپ بہت کم گوار اور خطابت و تحریر سے گریزاں رہتے تھے یہی وجہ ہے کہ آپ کی صرف ایک کتاب منظر عام پر آئی۔ اس کا نام تھا 'حقیقۃ الخلاف بین الإخوان المسلمین و عبدالناصر'۔

استاذ ابوالنصر فروری ۱۹۱۳ء میں مصر کے مردم خیز خطے اسیوط کے شہر منقلوط میں پیدا ہوئے۔ خاندان علم دوست اور محب وطن تھا۔ دادا شیخ علی ابوالنصر اپنے دور کے معروف علماء ازہر

میں سے تھے۔ ثانوی تعلیم کے بعد والد کی جائیداد کی حفاظت اور نگرانی کے لیے یکسو ہو گئے کیوں کہ لمبی چوڑی زراعتی زمین کے وارث تھے۔ ۱۹۳۳ء کے اواخر میں شیخ حسن البنا سے ملاقات ہو گئی اور ان کی دعوت اور جدوجہد سے ایسے متاثر ہوئے کہ پوری زندگی داؤں پر لگا دی۔ مصر کی سطح مرتفع کے علاقہ میں اخوان میں سب سے پہلے آپ ہی نے شمولیت اختیار کی۔ منفلوط کی شاخ کے ایک ذمہ دار کے منصب سے بتدریج ترقی کرتے ہوئے ہیئت تاسیسی کی رکنیت سے سرفراز ہوئے پھر جماعت کی اعلیٰ ترین باڈی مکتب الإرشاد کے رکن منتخب ہوئے۔ قید و بند کے تمام جاں گسل مراحل سے دوسرے اخوانی رہنماؤں کی طرح شیخ ابوالنصر بھی گزرے۔ ۱۹۵۴ء کے حادثہ میں گرفتار کیے گئے تو پچیس سال قید بامشقت کی سزا دی گئی۔ بعض مبصرین کا خیال ہے کہ شاہ فاروق کے اُس دور میں حکومت کو اگر جمال عبدالناصر کا خوف نہ ہوتا جو اسیوط سے منسوب ہونے کی وجہ سے شیخ کو جانتا تھا، تو انہیں پھانسی پر لٹکا دیا گیا ہوتا۔ پچیس سال کی یہ مدت جیل میں اُن کی ثبات واستقامت اور صبر و رضا، مقصد سے کامل شیفتگی اور اس کی راہ میں مکمل جاں سپاری کا درخشاں اور تابناک دور ہے۔ ۱۹۷۴ء میں انہیں جیل کے مظالم سے رہائی نصیب ہوئی۔

استاذ محمد حامد ابوالنصر کے دس سالہ دور قیادت میں اخوان نے سیاسی سطح پر غیر معمولی کامیابیاں حاصل کیں۔ گرچہ تنظیمی سطح پر وہ اب بھی خلاف قانون رہی مگر عوام میں اس کی جڑیں پھر گہری ہوئیں اور اس کے وجود کو برابر تسلیم کیا گیا۔ ملک کی پیشہ وارانہ تنظیموں اور کالجوں اور یونیورسٹیوں کی تدریسی انجمنوں پر اخوان کے کارکن اور رہنما حاوی رہے ان کے تمام انتخابات میں اسلام پسندوں کو فتح حاصل ہوئی۔ اپریل ۱۹۸۷ء کے پارلیمانی انتخابات میں حزب العمل اور حزب الاررار سے مفاہمت کر کے اخوانی کارکنوں نے حصہ لیا اور پہلی بار جماعت کی تاریخ میں مصری پارلیمنٹ میں ۱۳۶ اخوان امیدوار کامیاب ہو کر پہنچے اور کامیاب حزب اختلاف کا کردار ادا کیا۔ ۱۹۸۹ء کی مجلس شوریٰ کے وسط مدتی انتخابات میں بھی اخوان نے حصہ لیا۔ ۱۹۹۰ء کے پارلیمانی انتخابات کے مقاطعہ میں بھی اخوانی کارکنوں نے قائدانہ کردار ادا کیا بعد میں دوسری

سیاسی پارٹیوں کو بھی اس مقاطعہ میں شامل ہونا پڑا۔ اخوان نے بائیکاٹ کا یہ فیصلہ ایمر جنسی کے قانون کی توسیع کے خلاف کیا تھا۔ ۱۹۹۲ء کے مقامی انتخابات میں بھی اخوان شامل رہے۔ ۱۹۹۳ء میں صدر حسنی مبارک کی مدت صدارت کی تیسری بار توسیع کی اخوانیوں نے مخالفت کی جس کی وجہ سے اُن کے ۸۲ قائدین کو ۱۹۹۵ء میں فوجی عدالتوں میں جھوٹے مقدمات کا سامنا پڑا۔ ان میں سے ۵۴ کو جیل کی ہوا کھانی پڑی۔

تنظیمی شوریئت

چوتھے مرشد عام کے دور میں تنظیم الإخوان المسلمون داخلی استحکام اور تربیتی استقرار سے بھی ہم کنار ہوئی۔ مقامی شاخوں سے لے کر مکتب الإرشاد کے اراکین اور سربراہوں تک کے انتخابات میں شوریئت اور جمہوریت کی روح کو جاری و ساری کیا گیا اس طرح عام اراکین میں خود اعتمادی، احساس ذمہ داری اور شراکت کی قدروں کو فروغ ملا۔ یہ ابتلا و آزمائش کے دور کے آغاز کے بعد سے جماعت میں پہلی بار ممکن ہو سکا۔^{۲۹}

۱۹۹۱ء میں اخبار الأهرام کے ایک ذیلی ادارہ سنٹر فار پولیٹیکل اینڈ اسٹریٹیجک اسٹڈیز (مرکز برائے سیاسی و استراتیجی مطالعات) نے مصر کے سیاسی و سماجی حالات پر ایک معروضی تجزیہ پیش کیا ہے۔ اس رپورٹ میں ملک میں بڑھتے ہوئے رجحانات تشدد، دودھشت گردی پر بے چینی ظاہر کی گئی ہے اور اسلام پسندوں کی روز افزوں مقبولیت اور اخوانی کارکنوں کے عوامی اثرات پر اضطراب کا اظہار کیا گیا ہے۔ رپورٹ سے اندازہ ہوتا ہے کہ استاذ ابوالنصر کے دور میں اخوان پھر مرجع خلاق بننے لگے۔ رپورٹ نے انجمن أطباء، انجمن سوسی ایشن، طلبہ یونینز اور تنظیم اساتذہ جیسی پیشہ ورانہ تنظیموں اور انجمنوں کے انتخابات میں اخوانیوں کی کامیابی کا جائزہ لیا ہے۔ آٹھویں دہائی کے نصف آخر سے انجمن اطباء مصری معاشرہ میں سب سے متحرک اور فعال انجمن باور کی جاتی ہے۔ اس کی وجہ ایک تو ملک میں سیاسی، معاشی اور معاشرتی ارتقا ہے اور دوسری

وجہ تحریک اسلامی کے بڑھتے ہوئے اثرات ہیں۔ ۷۸-۷۹ء میں تحریک اسلامی کے جن طلبہ نے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں قیادت کی اور پیشہ ورانہ کالجوں میں اپنے اثرات قائم کیے وہی طلبہ آج تمام پیشہ ورانہ انجمنوں میں قائدانہ کردار نبھا رہے ہیں۔ آج معاشرہ کے تمام ادارے قانون کے دائرہ میں رہ کر کام کر رہے ہیں اور ملکی دستور کی حدود میں اپنی سرگرمیاں انجام دے رہے ہیں۔ ان تمام پیشہ ورانہ انجمنوں کو قانون نے تحفظ فراہم کیا ہے۔ وہ ڈاکٹروں کے درمیان مشترک افکار و اقدار کی اشاعت و استحکام اور ممالک عربیہ کی دوسری طبّی انجمنوں سے تعاون کے لیے مصروف تگ و تازہ رہ سکتی ہیں تاکہ صحت کا معیار بلند ہو اور آزادی وطن، ترقی معاشرت اور وحدت عربیہ کے مقاصد کا حصول ہو، اور مصری ڈاکٹروں کا دنیا کے دوسرے ڈاکٹروں سے رابطہ بہتر اور اور مضبوط ہو۔ یہ قانون ۱۹۶۹ء میں بنایا گیا تھا اور اشتر کی عناصر نے اس سے بڑا فائدہ اٹھایا تھا۔ انجمن اطباء پر اسلامی عناصر کے غلبہ کی وجہ سے بڑے دور رس اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ انجمن اطباء کے انتخابات میں اراکین کی دلچسپی کافی بڑھی ہے۔ ۱۹۸۲ء میں ووٹ دینے والوں کا تناسب ۲٪ اور ۱۹۸۶ء میں ۱۷٪ تھا۔ بعد کے انتخابات میں ۱۹۸۸ء اور ۱۹۹۰ء میں یہ تناسب بڑھ کر ۲۵٪ اور ۵۲٪ ہو گیا۔

انجمن اطباء کے منتخب اراکین کی غالب اکثریت اسلامی رجحان رکھتی ہے اور وہ اس کی تمام ذیلی کمیٹیوں پر حاوی اور غالب ہیں جیسے معاشرتی کمیٹی، تمام یونٹوں کی کمیٹی، مصر کے باہر اطباء کی کمیٹی، حفظان صحت کمیٹی، کمیٹی برائے نشر و اشاعت، امانتہ کمیٹی، ہیلتھ انشورنس کمیٹی وغیرہ۔

رپورٹ کے مطابق انجینئر اسوسی ایشن کا بھی وہی حال ہے۔ اس کی تمام ذیلی کمیٹیوں پر اسلام پسند قابض ہیں، سکریٹریٹ، انتظامیہ، اور دوسری مرکزی یونٹوں کے علاوہ صوبوں اور شہروں کی سطح پر ۲۳ کمیٹیوں میں وہی لوگ برتری حاصل کیے ہوئے ہیں۔

رپورٹ کہتی ہے کہ بیشتر مصری یونیورسٹیوں کی طلبہ یونینز میں اسلامی رجحان کا غلبہ ہے۔ یہ تمام طلبہ ۱۹۷۹ء کے دستور العمل کی منسوخی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ وہ ۱۹۷۶ء کا دستور العمل بحال

کرنا چاہتے ہیں جو خود طلبہ یونیوں کا تشکیل کردہ ہے۔ ۱۹۹۱ء کے انتخابات میں قاہرہ یونیورسٹی کی سائنس کالج، میڈیکل کالج، انجینئرنگ کالج اور معاشرتی منصوبہ بندی کالج کی تمام سیٹوں پر اسلام پسند کامیاب ہوئے جبکہ ویٹرنری کالج، کالج آف ایگریکلچر، کالج آف آرکیالوجی اور آرٹس کالج میں بھاری اکثریت سے اور کالج آف اکنامکس، کالج آف پولیٹیکل سائنس، کالج آف فارمیسی، ڈینیٹل کالج اور کالج آف کمیونی کیشن میں ایک تہائی یا دو تہائی نشستوں کے حصول کے ساتھ وہ فحیاب رہے۔ جامعہ الازہر میں تو اسلام پسندوں کے تمام امیدوار فاتح نکلے اور الحزب الوطنی کے امیدوار ان کی حمایت حاصل کر کے ہی کامیاب ہو سکے۔

ماضی قریب میں، رپورٹ کے مطابق، یونیورسٹیوں کی تنظیمات اساتذہ کی سرگرمیاں کافی وسیع ہوئی ہیں۔ انہوں نے اساتذہ کے مسائل کے ساتھ معاشرہ کے امور و معاملات میں بھی بڑی دلچسپی لی ہے۔ تقریباً ڈھائی سالوں سے ان تنظیموں کی عام کانفرنس منعقد ہو رہی ہے اور ہر دو ماہ پر قاہرہ، ازہر، عین شمس، حلوان، بنھا، طنطا، المنصورہ، الزقازیق، قنا، السویس (نہر سویز)، المدینا، اسیوط، الاسکندریہ اور المنوفیہ کی یونیورسٹیاں باری باری یہ کانفرنس منعقد کرتی ہیں۔ بیشتر یونیورسٹیوں کی تنظیم اساتذہ میں مختلف عہدوں پر اسلام پسند ہی فائز ہیں۔^{۳۳}

حسنی مبارک کا تشدد

۱۹۹۵ء میں پارلیمانی انتخابات سے قبل ہی صدر حسنی مبارک نے اخوان کے ساتھ پھر دارو گیر کا معاملہ کیا اور تمام دستوری و قانونی تقاضوں کو بالائے طاق رکھ کر بیشتر اخوانی رہنماؤں کے خلاف فوجی عدالت میں مقدمہ چلایا۔ ۵۴ قائدین کو ان مقدموں کا سامنا کرنا پڑا۔ ان میں سے پانچ افراد کو ۵ سال قید با مشقت کی سزا سنائی گئی اور ۴۹ اخوانیوں کو تین تین سال قید کی سزا دی گئی جبکہ ۱۲۷ افراد کو بری کر دیا گیا۔ مرکز کی عمارت کو اٹھارہ سالوں سے مسلسل سرگرم عمل اور آباد رہنے کے بعد مقفل کر دیا گیا اور تمام مقبوضہ اشیاء کو ضبط کر لیا گیا۔ یہ اہم واقعہ بھی تاریخ مصر اور تاریخ

اخوان دونوں میں محفوظ کیے جانے کے قابل ہے کہ پہلی بار اس کیس میں ملک کے مختلف طبقوں اور تمام احزاب اختلاف سے تعلق رکھنے والے ۳۵۰ کیلوں نے دفاع اخوان کے لیے اپنے کو پیش کیا۔ فوجی عدالت کے اس فیصلہ کے بعد مرشد عام نے ایک انٹرویو میں صورت حال کی وضاحت کی اور صدر حسنی مبارک کے اس اقدام کو تحریک اسلامی مصر کے لیے ابتلا اور آزمائش کے تسلسل سے تعبیر کیا۔ یہاں اس انٹرویو کے بعض حصے افادہ عام کے لیے درج کیے جا رہے ہیں:

المجتمع: کیا حکومت سے بات چیت کا دروازہ بند ہو چکا ہے یا حالات کو معمول پر لانے کے لیے ابھی کوئی اس قسم کی گنجائش موجود ہے؟

مرشد عام: سیاسی سطح پر ہمارے اور حکومت کے درمیان ابھی کوئی گفتگو نہیں ہوئی ہے البتہ ہماری خواہش ہے کہ باہمی گفت و شنید ہو۔ پولیس کے بعض ذمہ داروں سے گفتگو ہوتی رہی ہے۔ وہ اچھی طرح واقف ہیں کہ ہم تشدد اور دہشت گردی سے بہت دور ہیں اور ہم کسی قیمت پر اسے پسند نہیں کریں گے کہ ہماری طرف سے حکومت کو امن عامہ کے مسائل درپیش ہوں البتہ ارباب حکومت نے اس یلغار کے بعد ہم پر دہشت گردی اور انتہا پسندوں سے ساز باز رکھنے کا الزام عائد کرنا شروع کر دیا ہے یہ انداز گفتگو حکومت کا بدلتا محسوس ہو رہا ہے جبکہ خود صدر مملکت حسنی مبارک نومبر ۱۹۹۳ء میں فرانسیسی اخبار لوموند کو دیے گئے انٹرویو میں اعتراف کر چکے ہیں کہ ”اخوان سیاسی جنگ کو ترجیح دیتے ہیں اور انہوں نے ٹریڈ یونینوں کے انتخابات میں حصہ لیا اور کامیاب ہوئے۔“ اُس وقت کے وزیر داخلہ حسن اُلفی نے بھی اپریل ۱۹۹۴ء میں تشدد اور دہشت پسندی سے اخوان کے تعلق پر پوچھے گئے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ ”اخوان کا تشدد سے کوئی تعلق نہیں ہے“ مگر اب حکومت اخوان اور دہشت پسند جماعتوں کے درمیان رابطہ کا سراغ لگانے کی کوشش کر رہی ہے۔

المجتمع: حکومت کی اس الزام تراشی کو اور اخوان اور دہشت پسندانہ سرگرمیوں میں ملوث جماعتوں کو ایک ہی صف میں کھڑا کرنے کی حکومتی پالیسی کو آپ کس تناظر میں دیکھتے ہیں؟

مرشد عام: میرا خیال ہے کہ اسلامی بنیاد پرستی، اسلامی تشدد پسندوں اور اسلامی انتہا پسندوں وغیرہ اصطلاحات کے پس پردہ یہودیوں کا ہاتھ ہے کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ اخوان اور عام طور سے تمام اسلام پسند امام حسن البنا کے زمانہ سے ہی فلسطین پر یہودی تسلط کے خلاف ہیں۔ اس مبالغہ آرائی اور افسانہ تراشی کے ذریعہ یہودی امریکہ، یورپی ممالک اور بعض عرب ممالک کے حکمرانوں کو مطمئن کر دیتے ہیں۔ وہ خلاف واقعہ باتوں کو نمک مرچ لگا کر بیان کرتے ہیں اور اخوان جیسی اعتدال پسند جماعتوں اور انتہا پسند تنظیموں کو ایک دوسرے سے خلط ملط کر دیتے ہیں اور مصر اور دوسرے علاقے میں اخوانیوں کو کچلنے لگتے ہیں۔

المجتمع: اخوان اور مصری حکومت کے درمیان تعلقات کی نوعیت مستقبل میں کیا ہوگی اور آپ اس سلسلہ میں کیا حکمت عملی اختیار کریں گے؟

مرشد عام: پارلیمانی انتخابات کے بعد حکومت کی پالیسی واضح ہو سکے گی۔ اگر حکومت مستحکم ہوئی اور اسے حزب اختلاف کی موجودگی سے کوئی پریشانی محسوس نہ ہوئی تو ممکن ہے کہ حکومت کچھ نرم پڑے ورنہ وہ اخوان کو تنگ کرے گی۔ حکومت سے تصادم کی صورت میں ہم اپنی طرف سے پوری صراحت کرنا چاہتے ہیں کہ ہم تصادم اور معرکہ آرائی کا راستہ اختیار نہیں کریں گے۔ ہماری طرف سے کسی تشدد کا استعمال نہیں ہوگا مگر ہم دستور کی حدود میں رہ کر اور قوانین حکومت کا لحاظ کرتے ہوئے تمام وسائل و ذرائع کے ساتھ دعوت الی اللہ کا فریضہ انجام دیتے رہیں گے۔ ہم دعوت دین کا کام کریں گے۔ اسلامی تعلیمات کی طرف لوگوں کو بلائیں گے اور جس قدر مواقع ہمیں میسر ہیں نفاذ شریعت کی مہم جاری رکھیں گے مگر دہشت اور قوت کے استعمال اور افواہوں کی گرم بازاری سے پرہیز کریں گے اگر حکومت ان چیزوں میں دلچسپی لے گی تو اس کی خود ذمہ دار ہوگی:

آخر میں ہم یہ واضح کرنا چاہیں گے کہ ہماری تمام تر جدوجہد اس بات کے لیے ہوگی کہ عالمی معاشرہ اسلام کی حقیقت سے واقف ہو۔ اُسے معلوم ہو جائے کہ یہ سلامتی کا

مذہب ہے یہ عدل و انصاف اور رحمت و حریت کا دین ہے اور یہ کہ اخوان اسلام کے علم بردار ہیں اور وہ چھوٹے بڑے تمام معاملات میں اسلام کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔ ہم اس تصویر کو مزید نکھارنے کی کوشش کریں گے جبکہ ہمیں معلوم ہے کہ صہیونیوں نے عالم مغرب میں اسلام اور مسلمانوں کی تصویر منہج کر کے پیش کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ صہیونیت کے علم برداروں نے اسلام کو دہشت اور تشدد کے مذہب کے طور پر پیش کیا ہے جبکہ سب جانتے ہیں کہ صہیونیت ہی تشدد اور دہشت کی بنیاد ہے۔ ہماری کوشش ہوگی کہ ذرائع ابلاغ صحیح تصویر کشی کریں وَحَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ۔^{۱۳}

خلیج میں امریکی مداخلت

استاذ محمد حامد ابوالنصرؒ کے دور میں اخوان نے خلیجی ممالک اور عالم اسلام کے مسائل پر بڑا بے لاگ اور جرأت مندانہ موقف اختیار کیا اور تحریک اسلامی کا نقطہ نظر بے کم و کاست بیان کیا۔ عراق کویت جنگ اور امریکہ کی فوجی مداخلت کے خلاف عالم اسلام میں بڑا ہنگامہ برپا ہوا۔ بعض اسلامی تحریکوں نے امریکہ دشمنی میں عراق کے جارحانہ اقدام کو نظر انداز کر دیا بلکہ بعض اسلام پسند رہنماؤں نے تو صدر عراق صدام حسین کو مبارک باد بھی دی۔ اخوان کا موقف بڑا معتدل اور باوقار تھا۔ انہوں نے تمام حالات کا گہرا اور سنجیدہ تجزیہ کر کے اپنے نقطہ نظر کا اظہار کیا۔

استاذ ابوالنصرؒ کا پہلا بیان کویت پر عراق حملہ کے دن ۲ اگست ۱۹۹۰ء کو ہی شائع ہوا جس میں عراقی جارحیت کی مذمت اور جان و مال کی بڑے پیمانے پر تباہی پر اظہارِ افسوس کیا گیا تھا۔ بیان میں کہا گیا کہ عراقی فوجیں فوراً کویت کی سرحدوں سے نکل جائیں ورنہ اس کے دور رس اثرات عالم اسلام پر مرتب ہوں گے اور مقبوضہ فلسطین میں جاری اسلامی مزاحمت بہت کمزور ہو جائے گی۔ امت اسلامیہ کے سربراہوں سے اپیل کی گئی کہ عراق کو پسپائی پر آمادہ کرنے کے

لیے تمام ممکنہ وسائل اور اثر و رسوخ کا استعمال کریں، اور دونوں پڑوسی ملک مل بیٹھ کر اختلافات کا تصفیہ کر لیں۔

استاذ ابوالنصرؒ نے ہر قسم کی غیر ملکی مداخلت کا جس میں سرفہرست امریکی مداخلت تھی مقاطعہ کیا اور تمام غیر ملکی طاقتوں کو اس سے باز آنے کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے زور دیا کہ اس خلیجی بحران کا تصفیہ عرب اسلامی تناظر میں کیا جائے۔ اس سیاق میں اخوان نے عالم اسلام کی مختلف اسلامی تحریکوں کے نمائندوں پر مشتمل ایک وفد تشکیل دیا جس کی قیادت مرشد عام اور ان کے مشیر قانونی مامون الہیسی نے کی اور اس بحران کو حل کرانے کی کوشش کی۔

دوسرے مرحلہ میں ۲۰ جنوری ۱۹۹۱ء کو مرشد عام نے ایک اور بیان جاری کیا یعنی عراق پر امریکی حملہ کے تیسرے دن، آپ نے امریکی حملہ اور متحدہ فوجی قوتوں کی مذمت کرنے کے ساتھ امت مسلمہ کے اس بحران کے لیے عرب حکام کو ذمہ دار قرار دیا۔ انہوں نے صراحت کی کہ حاکم عراق اور اس کے بدترین آمرانہ نظام حکومت کو تمام تر قصور وار مان لیا جائے تب بھی یہ حقیقت تبدیل نہیں ہو سکتی کہ عراقی قوم امت مسلمہ و عربیہ ہی کا ایک حصہ ہے۔

صدّام حسین کی آمریت

اس مرحلہ میں اخوان برابر عراقی نظام حکومت اور صدّام حسین کے آمرانہ مزاج کی مخالفت کرتے رہے اور یہ اعلان کرتے رہے کہ عراق نے غلبت میں حماقت کا مظاہرہ کیا ہے اور اس کے تمام اقدامات سے اسلام دشمنوں کو ہی فائدہ پہنچا ہے یہاں تک کہ اخوان کا کہنا تھا کہ اسرائیل پر عراق نے جو میزائل چھوڑے ہیں ان سے صہیونیت ہی کا فائدہ ہوا ہے کیوں کہ وہ مملکت اسرائیل کا کچھ نہ بگاڑ سکا البتہ اسے باہر سے اربوں اور کھربوں ڈالر کی امداد ضرور مل گئی ہے۔

تیسرے مرحلہ میں اخوان نے جنگ کے خاتمہ اور اقوام متحدہ کی قراردادوں کو عراق کی جانب سے تسلیم کیے جانے پر خوشی و مسرت کا اظہار کیا اور عرب حکومتوں سے درخواست کی کہ وہ

اس بحران سے سبق حاصل کریں۔ اپنے یہاں عوام کو آزادی رائے اور حریت فکر سے ہمکنار کر کے صحت مند شورائی نظام قائم کریں۔ مرشد عام نے اس بیان میں زور دیا کہ خلیجی بحران کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہاں حکام آمر اور مستبد تھے۔ جمہوریت اور شورائی مفقود تھی اور عوام کی قسمت کا فیصلہ کرنے میں انہیں شریک نہیں کیا گیا تھا۔^{۳۲}

چوتھے مرشد عام استاذ محمد حامد ابوالنصرؒ نے دس سال اخوان المسلمون کی بھرپور قیادت کر کے ۲۹ شعبان ۱۴۱۶ھ مطابق ۲۰ جنوری ۱۹۹۶ء کو عالم آخرت کی راہ لی اور قاہرہ کے علاقہ نصر میں قظامیہ قبرستان میں مدفون ہوئے۔ جنازہ میں لاکھوں انسانوں، سیاسی رہنماؤں، عالمی اسلامی تحریکات کے نمائندوں اور غیر مسلم قبیضوں نے شرکت کی اور اس طرح صلابت و استقامت، ایثار و قربانی اور استحکام و جہاد و مزاحمت کی ۸۳ سالہ تاریخ خاموش ہو گئی۔^{۳۳} تجہیز و تکفین سے فراغت کے بعد لاکھوں کے مجمع عام میں مشیر تانونی اخوان المسلمون استاذ مامون الہیسی نے مرحوم کی خدمات اور مجاہدانہ سرگرمیوں پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ اعلان کیا کہ مرشد عام نے اپنے مرض وفات سے کچھ پہلے اپنے نائب اول استاذ مصطفیٰ مشہور کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا اور تمام اخوانی رہنماؤں نے مصر کے اندر اور باہر اس نامزدگی سے اتفاق کر لیا ہے اب ہماری ذمہ داری ہے کہ پانچویں مرشد عام کی قیادت و معیت میں ثبات و استقامت کی نئی تاریخ رقم کریں۔^{۳۴}

استاذ مصطفیٰ مشہور (۱۹۲۱-۲۰۰۲ء)

اخوان المسلمون کے پانچویں مرشد عام استاذ مصطفیٰ مشہور نے اپنے پیش رو کے جنازہ میں شرکت کرنے والوں اور تفریاتی کلمات کہنے والوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ۲۱ جنوری ۱۹۹۶ء کو مسجد رابعہ العدویہ کے قریب پولین میں مختصر خطاب بھی کیا۔ آپ نے جماعت اخوان کے طریق اور دستور العمل پر زور دیا اور یہ کہ جماعت اسلام کامل کی دعوت دیتی ہے۔ عالمگیر اسلامی حکومت کا قیام اس کا نصب العین ہے اور وہ ہر طرح کے تشدد اور دہشت

گردی کو مسترد کرتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ امام حسن البنا شہید کا مقصد وطن اسلامی کو ہر غیر ملکی اقتدار سے آزاد کرانا اور اس وطن میں اسلام کی حکومت قائم کرنا تھا۔ آپ نے مزید فرمایا کہ اس جدوجہد میں افراد کی عمریں نہیں بلکہ دعوتوں اور تحریکوں کی عمریں دیکھی جاتی ہیں۔ ہم زمانہ کی طوالت سے نہیں گھبراتے، ہمارے نزدیک اہم بات یہ ہے کہ ہم راہِ حق پر گامزن رہیں، رفتار کو تیز تر کر دیں اور ایک نسل سے دوسری نسل تک یہ امانت منتقل کرتے رہیں تا آنکہ حق و باطل کا فیصلہ ہو جائے۔ آپ نے تاکید کے ساتھ فرمایا کہ ہمیں خدائی محرک کو بہر حال سامنے رکھنا ہے اور محض مادی معیارات ہمارے پیما نہ نہیں ہو سکتے۔ آپ نے اس عزم کا اظہار کیا کہ ہم بغیر کسی انحراف کے اسی راہ پر چلتے رہیں گے جو ہمیں حسن البنا شہید نے دکھائی تھی اور اُن کے بعد استاذ حسن البھیمی نے اُسی راہ پر ہماری رہبری کی تھی اور اُن کے بعد استاذ عمر التمسانی اور استاذ محمد حامد ابو النصر نے بالترتیب اُس پر گامزن رکھا تھا۔ انشاء اللہ وہی نقوش راہ ہمارے لیے مشعل راہ ہوں گے اور ہم سب پر امید ہیں کہ مستقبل اسلام کا ہوگا۔^{۳۵}

استاذ مصطفیٰ مشہور پانچویں مرشد عام ڈیلٹا مصر کے مشرقی خطہ نیا القمح کے گاؤں السعد بین میں ۱۹۲۱ء میں پیدا ہوئے۔ سترہ سال کے ہوئے تو ۱۹۳۸ء میں اخوان المسلمون میں شامل ہوئے۔ ثانوی تعلیم کی تکمیل کے بعد قاہرہ منتقل ہو گئے اور کلیۃ العلوم میں داخلہ لے لیا۔ وہاں سے ۱۹۴۳ء میں فلکیات اور رصدکاری میں گریجویشن کیا۔ اس کے بعد ملک کی رصدکاری کی فضا یہ میں ایک فضائی رصدکار کی حیثیت میں ملازمت کر لی۔ ۱۹۴۶ء میں فلکیات اور رصدکاری ہی میں اعلیٰ ترین ڈپلوما بھی حاصل کر لیا۔

مصطفیٰ مشہور نے بھی سنت یوسفیؑ کی پیروی میں اخوان المسلمون کے دوسرے رہنماؤں اور مرشدین کی طرح قید و بند کی طویل زندگی گزاری۔ چار مرتبہ آپ کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈھکیلا گیا۔ پہلی بار ۱۹۴۸ء میں 'السیارة الحیب' کے معروف کیس میں مقدمہ چلا اور تین سالوں تک آپ زنداں میں بند رہے۔ ۱۹۵۱ء میں آپ کو رہائی ملی۔ ناصری دور میں جنوری ۱۹۵۴ء میں

دوبارہ قید کر لیے گئے مگر جلد ہی رہا کر دیے گئے۔ اسی سال اگست میں پھر انہیں محبوس کر لیا گیا اور دس سال قید کی سزا دی گئی۔ ۱۹۶۴ء میں جیل سے باہر آئے مگر ۱۹۶۵ء میں پھر ایک بار اقتدار وقت کی پیشانی شکن آلود ہوئی اور شیخ کو پھر چھ سالوں کی قید کا انعام ملا۔ ۱۹۷۱ء میں تمام مراحل ابتلا سے کامیابی سے گزر کر آپ نے جیل سے باہر قدم نکالا۔ اس طرح شیخ مصطفیٰ مشہور نے شاہ فاروق اور جمال عبدالناصر کے دور میں مجموعی طور پر انیس سال اسیری کے بسر کیے۔ ۱۹۸۱ء میں جب اخوانی قائدین ایک بار پھر دارو گیر کی آزمائشوں سے دوچار ہوئے تو آپ اُس وقت مصر سے باہر تھے چنانچہ کئی سال تک آپ کو جلا وطنی اور ملک بدری کی زندگی گزارنی پڑی یہاں تک کہ ۱۹۸۶ء میں وطن واپس ہوئے۔ اسی سال استاذ محمد حامد ابوالنصرؒ اخوان کے چوتھے مرشد منتخب ہوئے تھے۔ مصطفیٰ مشہور مرشد عام کے نائب اول مقرر ہوئے اور اُن کی پوری مدت امارت میں یہ ذمہ داری پورے اخلاص اور یکسوئی سے نبھائی۔ آخر کار ۱۹۹۶ء میں پانچویں مرشد عام کی حیثیت میں اخوان نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔^{۳۶}

ملکی دستور کی مخالفت نہیں

پانچویں مرشد عام کی حیثیت میں استاذ مصطفیٰ مشہور سے محلة المجتمع کے نمائندے نے ایک طویل انٹرویو لیا۔ اس کے بعض حصے یہاں نقل کیے جا رہے ہیں جس سے اخوانی مرشد کے خیالات اور آئندہ کی تحریکی حکمت عملی پر روشنی پڑتی ہے۔

احمد منصور: قانونی پابندی اور رنج و محن کے جاں گسل دور سے نکلنے کے لیے اخوان نے کیا

کیا؟

مصطفیٰ مشہور: ہم کوشش کر رہے ہیں کہ کوئی ایسا دروازہ وا ہو جائے جس سے ہم اپنی دعوت اور نظریہ کی علانیہ تشہیر کر سکیں۔ یہاں میں یہ صراحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہم ملکی دستور کے مخالف نہیں ہیں۔ جب ہم صحیح اسلام کی اور شریعت اسلامیہ کی تنفیذ کی دعوت دیتے ہیں تو اس سے

دستور کی خلاف ورزی نہیں ہوتی کیوں کہ مصری دستور اسلام کو ملک کا سرکاری مذہب قرار دیتا اور اسلامی شریعت کو قانون سازی کا ماخذ تصور کرتا ہے۔ یہ محض اخوان کی ذمہ داری نہیں ہے یہ تو ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اسلامی مقاصد کو بروئے کار لائے۔ اسلام صرف عبادت کا نام نہیں۔ یہ مذہب بھی ہے اور حکومت بھی۔ اس مذہب کے لیے ایک ایسی مملکت ناگزیر ہے جو اسلام کو نافذ کرے، دشمنان خدا سے مسلمانوں کا تحفظ کرے اور اغیار کی ہر چال کو ناکام بنائے۔ یہ ایک فریضہ ہے لیکن بیشتر مسلمان اس سے غافل ہیں۔ اخوان انہیں اس فریضہ کی ادائیگی اور اسلامی شریعت کی تنفیذ کی دعوت دیتے ہیں۔ اگر حکومتیں شریعت کو نافذ کرنے لگیں تو اخوان ان کے مددگار اور سپاہی ہوں گے۔ (ولو أن الحكومات قامت بتطبيق الشريعة فإن كل الإخوان سيكونون عوناً و جنداً لله۔)

احمد منصور: کیا اخوان سیاسی اور قانونی سطح پر اپنا وجود منوانے کے لیے کچھ اقدام کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ۱۹۵۴ء سے جماعت خلاف قانون چلی آرہی ہے کیا اس کی کوئی متبادل قانونی شکل سوچی جا رہی ہے؟

مصطفیٰ مشہور: ہم نے سرکاری سطح پر اخوان کے وجود کو تسلیم کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ اخوان کو خلاف قانون قرار دینے کا کوئی فیصلہ نہیں ہے ہم نے اس مسئلہ کو پارلیمنٹ میں رکھا ہے اور یہ زیر غور ہے۔ ۱۹۸۴ء کے انتخابات میں ہم نے ایک پارٹی کے قیام پر گفتگو کی تو ہم سے کہا گیا کہ کسی مذہبی سیاسی پارٹی کے قیام کی اجازت نہیں دی جاسکتی کیوں کہ اس سے فرقہ وارانہ فساد بھڑک اٹھے گا حالانکہ یہ خلاف واقعہ ہے۔ مسیحیوں سے ابتدا سے ہمارے تعلقات اچھے چلے آ رہے ہیں امام حسن البنا، استاذ حسن اسماعیل، لہیسی، سید عمر تلمسانی، استاذ محمد ابوالنصر ہر ایک کے دور میں عیسائیوں سے بہترین روابط رہے ہیں اس کی گواہی خود قبلی دیتے ہیں مگر اس کے باوجود حکومت فرقہ وارانہ فساد کا موہوم اندیشہ ظاہر کرتی ہے۔ تاہم بعض اخوانی نوجوانوں نے ’الوسط‘ پارٹی تشکیل دی اور اس کا پروگرام بنایا اور پولیٹیکل پارٹیز انفیر ز کمیٹی کے سامنے اپنی

درخواست پیش کی جسے وہ لازماً منظور کر دے گی، مگر ہماری خواہش ہے کہ حکومت سے گفت و شنید کریں اور کوئی راہ نکلے جبکہ ہم تشدد اور دہشت گردی سے دور ہیں اور قوانین ملکی کے خلاف کوئی کام نہیں کرتے، اس کے باوجود ہم قید و بند اور مختلف مظالم و مقدمات کا سامنا کرتے رہتے ہیں اور الیکشن میں امیدواری کے ہمارے کاغذات رد کر دیے جاتے ہیں۔

نظام خاص - قصہ ماضی

احمد منصور: بعض اخبارات اور میڈیا میں یہ تاثر دیا گیا ہے کہ نئے مرشد عام کا اخوان کے نظام خاص میں کلیدی کردار تھا، اب اُن کے انتخاب سے اخوان کے نظام عمل اور طریقہ کار میں نیا تغیر آئے گا اور ہو سکتا ہے کہ جماعت اگلے مرحلہ میں تشدد آمیز راہ عمل اختیار کرے؟

مصطفیٰ مشہور: اخوان کا پروگرام، ان کا منہاج اور اسلوب قیادت کی تبدیلی سے نہیں بدلا کرتا۔ اخوان کے سابقہ نظام خاص سے میرا ربط تھا مگر وہ فلسطین میں یہودیوں کے خلاف جنگ و قتال اور مصر میں انگریزی تسلط کے خاتمہ کے لیے تیار کیا گیا تھا۔ ان دونوں محاذوں پر نظام خاص نے کلیدی رول ادا کیا۔ اب وہ دور گزر چکا ہے۔ اس کا یہ مطلب نکالنا غلط ہوگا کہ تشدد، طاقت یا اس طرح کی کسی چیز پر یقین رکھتا ہوں۔ اللہ جانتا ہے کہ میں ان طریقوں اور منہاجوں سے یکسر دور رہا ہوں مگر وہ اُس وقت کے مخصوص حالات تھے۔ اب یہ پروپیگنڈہ اس لیے کیا جا رہا ہے تاکہ تصویر گھناؤنی بن جائے اور لوگ متنفر ہو جائیں ساتویں دہائی میں جیل سے نکلنے کے بعد ملک میں بڑے حادثات ہوئے مگر کوئی ایک اخوانی بھی الحمد للہ اس میں شامل نہ ہوا۔ ان حقائق کے باوجود ارباب حکومت ہم پر یہ الزامات لگاتے رہتے ہیں کہ الجماعات الإسلامية اور تنظیم الجہاد سے ہمارا رابطہ ہے مگر یہ الزامات کبھی ثابت نہیں ہوئے اور فی الحقیقت ہمارا ان سے کوئی تعلق ہے بھی نہیں بلکہ ہم نے ان تمام حادثوں میں تشدد پر تنقید کی ہے۔^۳

فکری انحرافات پر تنقید

استاذ مصطفیٰ مشہور ایک کہنہ مشق ادیب و مصنف، صحافی اور خطیب بھی ہیں۔ دسیوں کتابیں تحریک اور داعیان اسلام کے مسائل پر تحریر کی ہیں اخبارات و جرائد میں آپ کے سینکڑوں مقالات شائع ہو چکے ہیں۔ مصر اور بیرون مصر اسلامی کانفرنسوں اور سمیناروں میں اسلام کی بے باک ترجمانی کرتے رہے ہیں 'طریق الدعوۃ' اور 'آذ علی' طریق 'میں تحریک اسلامی کے اندر فکری انحرافات اور عملی ابتلاؤں پر بڑا بابر بصیرت تبصرہ کیا ہے۔ استاذ کے نزدیک:

”راہ دعوت کے انحرافات داعیان دین کے لیے آزمائشی گھاٹیوں سے زیادہ خطرناک ہیں بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ فکری انحراف حرکی و عملی انحراف سے زیادہ خطرہ ہے کیوں کہ فکر صحیح کے سایہ میں اس بات کا امکان ہے کہ حرکت اور عمل کو صحیح رخ پر گامزن کر سکیں اور خطا سے دست کش ہو جائیں لیکن اگر یہ انحراف فکر میں ہو تو اس فکر سے جنم لینے والی ہر حرکت ضرر رساں ہوگی۔ وہ قطعی مفید نہیں ہوگی۔“ ۳۸

استاذ مصطفیٰ مشہور نے دعوت دین کی راہ میں جن فکری انحرافات کی طرف اشارہ کیا ہے ان میں سب سے اہم قضیہ تکفیر ہے یعنی اسلام کے حرکی و انقلابی تصور کو نہ ماننے والوں اور اس کے تقاضوں کی تکمیل سے غفلت کرنے والوں کو کافر، جاہلی یا مشرک قرار دینا۔ اس مسئلہ پر اخوان کے دوسرے مرشد عام حسن اسماعیل لہجہ سخی نے تفصیل سے کلام کیا تھا مگر ان کی پوری گفتگو فقہی اور قانونی پس منظر میں تھی۔ پانچویں مرشد عام نے اس مسئلہ پر دعوتی اور سماجی تناظر میں تفصیل سے بات کی اور اس کے دلائل دیے۔ ان کی یہ طویل بحث مندرجہ ذیل نکات میں سمیٹی جاسکتی ہے:

- ۱۔ دوسروں کے ایمان و اسلام کے بارے میں فیصلہ دینا کسی مسلمان پر واجب نہیں ہے۔ ۳۹
- ۲۔ ہر مسلمان کی جان و مال اور عزت و آبرو محترم ہے اسے تارتار کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔ ۴۰
- ۳۔ راہ حق کی آزمائشیں انسانی غلطیوں کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ سنت الہی کا حصہ ہیں۔ ۴۱

کفر کے فتوؤں سے عام مسلمانوں میں تنفر اور وحشت پیدا ہوتی ہے اور وہ دعوت کے دشمن بن جاتے ہیں۔^{۴۲}

فاضل مصنف نے اس فکری انحراف کے اسباب و عوامل اور مظاہر بھی گنائے ہیں اور ان پر مفصل گفتگو کی ہے۔ وہ اہم عوامل مندرجہ ذیل ہیں:

(الف) علم اور اس کے خطرات

بسا اوقات سطحی اور سرسری علم حاصل کر کے داعی مفتی بن بیٹھتا ہے۔ محض چند نصوص کو دانتوں سے پکڑ لیتا ہے اور ان کے ظاہری مفہوم سے اس طرح چمٹ جاتا ہے کہ اُن نصوص کی تعبیر و تشریح کرنے والے علماء و فقہاء اور اُن کے ادراکات و استنباطات کو بے معنی قرار دے دیتا ہے۔

(ب) اصول اور فروع میں عدم امتیاز

کبھی کبھی سالک دعوت روح اور جوہر سے بے نیاز ہو کر ہیکل اور شکل سے ہی لپٹ جاتا ہے یا جوہر سے پہلے شکل و صورت پر زور دیتا ہے اسی طرح اصول کے بجائے فروع کی دعوت دینا بھی بڑا مہلک ثابت ہوتا ہے۔

(ج) تفریط اور تشدد

عبادات و طاعات میں ضرورت سے زیادہ انہماک اور دوسرے فرائض سے غفلت انسان کو یک رخا، مردم بیزار اور متوحش بنا دیتی ہے اور وہ نوافل و سنن کی خاطر فرائض و واجبات کو ترک کرنے لگتا ہے۔

(د) عجلت اور بے صبری

راہِ حق کے شہداء و مصائب سے گھبرا کر داعی دین کبھی شارٹ کٹ ڈھونڈنے لگتا ہے اور

قوت و ہتھیار کے استعمال پر آمادہ ہو جاتا ہے جس سے تحریک اسلامی کی راہ کھوٹی ہو جاتی ہے۔

(ہ) تربیت کے بجائے سیاسی طریقہ پر زور

یعنی تربیت و تزکیہ کی مشکل راہ کو چھوڑ کر سیاسی پارٹیوں کی راہ پر داعی گامزن ہو جائے اور ایمان و اسلام کے اصولوں کو بالائے طاق رکھ دے اور غلبہ و فتح کے لیے تمام اوجھے ہتھکنڈے استعمال کرنے لگے۔

(و) اشخاص اور قائدین پر انحصار

تحریک میں اصل اہمیت اصولوں اور عقائد و نظریات کی نہ رہ جائے بلکہ تحریک افراد کے گرد گھومنے لگے اور سارے پروگراموں کی کامیابی کا انحصار شخصیات پر ہو جائے۔^{۴۳}
ان فکری انحرافات اور عملی آزمائشوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے فاضل مرشد عام نے صحیح راہ کی تعیین بھی کی ہے:

”اگر ہم واقعی یہ چاہتے ہیں کہ اسلام کے لیے خیر و امن اور سعادت کی تحصیل کریں اور اس سرزمین پر دین الہی کو غلبہ و تمکین سے ہم کنار کریں تو ہمارے لیے لازم ہے کہ اسی راہ پر گامزن ہوں جس پر اللہ کے رسول چلے تھے یعنی ایمان و عمل اور محبت و اخوت کی راہ۔ اس میں کوئی تبدیلی و تغیر نہ ہو اور نہ کوئی افراط و تفریط ہو۔“^{۴۴}

استاذ مصطفیٰ مشہورؒ کی ہوش مند قیادت، باوقار حکمت عملی اور متین و سنجیدہ افکار و نظریات کے اثرات و نتائج کو عالم اسلام اور مصر کے مورخین ضرور محسوس کریں گے۔ اُن کے نظریات کی پختگی اور تحریروں کے رسوخ و استحکام پر تیسرے مرشد عام اخوان المسلمون نے بڑا جامع تبصرہ کیا ہے:

”ہر علم کا ایک فہم اور فقہ ہے جس کا حامل و طالب اس علم کے ناگزیر عناصر کا ادراک

کرتا ہے۔

احکام القرآن کی ایک فقہ ہے۔ سنت مطہرہ کی اپنی فقہ ہے اور سیرت نبوی کی اپنی فقہ ہے۔

اسی طرح دین کی دعوت اور اصلاح کی ایک فقہ ہے اور اس علم کی گہرائیوں اور ناگزیر عناصر کا وہی ادراک کر سکتا ہے جسے

اللہ نے دین، علم اور اخلاص کی دولت سے نوازا ہو۔ دین سے ایمان آتا ہے، علم سے وضاحت و صراحت کی تکمیل ہوتی ہے اور اخلاص سے عمل کو کامیابی ملتی ہے۔

اللہ کی مشیت ہوئی کہ بھائی مصطفیٰ مشہور پر احسان کرے۔ اس نے انہیں دعوت الی اللہ اور آزمائش میں ثبات علی الحق کے لیے منتخب کر لیا۔ وہ اپنے احباب کے ساتھ ان آزمائشوں سے نکلے تو ثابت قدم، ٹھوس، پاکیزہ و مطہر اور مخلص و متجر دلائل تھے۔“ ۴۵

جمہوریت پر یقین

مصطفیٰ مشہورؐ کی خدمات کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ پروفیسر خورشید احمد کی رائے میں اُن کے تین کارنامے ایسے ہیں جو بیسویں صدی میں تحریک اسلامی کی، خصوصیت سے عرب دنیا میں تحریک کی تاریخ میں نمایاں ہیں:

۱۔ انہوں نے بڑے پُر آشوب دور میں تحریک کے پیغام ہی نہیں اس کے نظام کو عالمی بنیادوں پر استوار کیا اور وہ ہزاروں اخوان جو ہجرت کر کے دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچ گئے تھے ان کو پھر تحریک کے شیرازے میں منسلک کیا۔ یورپ، امریکہ، افریقہ، جنوب مشرقی ایشیا غرض ہر جگہ وہ گئے، لوگوں کو منظم و مجتمع کیا اور عالمی تحریک سے وابستہ کیا۔ ربط و اتصال کا مستقل نظام بنایا اور اس طرح عالمی اسلامی احیا کے موجودہ دور کی شیرازہ بندی کی۔

۲۔ دوسری عظیم خدمت وہ حکمت عملی اور طریق کار کی تبدیلی ہے جو ان کی قیادت میں

مصر میں تحریک اخوان المسلمون میں آخری ۳۰ سال میں واقع ہوئی۔ بلاشبہ اس میں وہ اکیلے نہیں تھے لیکن اس زمانے میں انہوں نے تحریک کو دعوت و تربیت کے ساتھ اجتماعی نظام میں جمہوری ذرائع سے تبدیلی اور دوسری سیاسی و اجتماعی قوتوں کے ساتھ تعاون اور الحاق کے ذریعہ تحریک کے لیے راستہ بنانے کی کوشش کی۔

۳۔ نوجوانوں سے ان کی محبت اور انہیں اپنی طرف کھینچنے اور تحریک میں سمو دینے کی ان کے اندر بھرپور صلاحیت تھی۔ آج اخوان کی قیادت ۶۰ اور ۷۰ سال سے بلکہ اس سے بھی زیادہ عمر کے لوگوں کے ہاتھ میں ہے مگر اخوان کی قوت وہ ہزاروں لاکھوں نوجوان ہیں جو تحریک کے دست و بازو ہیں۔^{۲۶}

۸/ رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ مطابق ۱۴ نومبر ۲۰۰۲ء کو دل کے حملے میں انتقال کیا۔ ان کے جنازے میں لاکھوں انسانوں نے شرکت کی اور ان کی اکثریت ۱۵ سے ۲۵ سال کے نوجوانوں پر مشتمل تھی۔ اس پر مغربی میڈیا نے بڑی حیرت کا اظہار کیا۔ اسے یہ ادراک نہیں ہو سکا کہ احیائے اسلام کی یہ آواز قاہرہ اور اسکندریہ کے ہر نوجوان کی آواز ہے۔ استاذ مصطفیٰ مشہور کی وفات کے بعد ان کے نائب مرشد عام محمد مامون الہیسی چھٹے مرشد عام منتخب ہوئے۔

المستشار محمد مامون الہیسی (۱۹۲۱-۲۰۰۴ء)

آپ نے علم و فضل اور زہد و اتقا کے ماحول میں آنکھیں کھولی تھیں۔ والد حسن اسماعیل الہیسی ایک نامور قانون داں اور اخوان المسلمون کے دوسرے مرشد عام تھے جنہوں نے حسن البنا شہید کی رفاقت اور ان کی جانشینی کا حق ادا کیا تھا اور تحریک کے مشکل ترین دور میں اس کی قیادت کی تھی۔ اس گھرانے میں محمد مامون الہیسی کی ولادت ۲۸ مئی ۱۹۲۱ء کو ہوئی۔ ۱۹۴۱ء میں کلیۃ الحقوق سے گریجویشن کرنے کے بعد پبلک سروس کمیشن کے امتحان میں امتیازی کامیابی حاصل کر کے مصر کی عدالت استعاشہ (Appellate Court) میں بحیثیت جج تقرر حاصل کیا اور

۱۹۶۵ء تک اس خدمت پر مامور رہے۔ ۱۹۶۵ء میں اخوان المسلمون سے رسمی تعلق نہ رکھنے کے باوجود گرفتار کیے گئے اور چھ سال تک قید و بند اور ظلم و تشدد کی سزائیں برداشت کیں۔ پس دیوار زنداں وہ تحریکی شعور سے مالا مال ہوئے اور انہوں نے تقویٰ و تزکیہ کے بڑے مراحل طے کیے۔ ۱۹۷۱ء میں رہا ہوئے اور جلد ہی اخوان المسلمون کی باقاعدہ رکنیت اختیار کر لی، اور پھر دعوت و تحریک میں ایسے گرم ہوئے اور اعلیٰ مناصب پر اتنی جلدی فائز ہوئے کہ استاذ عمر تلمسانی، استاذ محمد حامد ابونصر اور استاذ مصطفیٰ مشہور بالترتیب تیسرے، چوتھے اور پانچویں مرشد عام کے زمانے میں اخوان کے ترجمان بنے اور اس کے بعد نائب مرشد عام کی ذمہ داریاں بھی ادا کیں۔ ۱۹۷۱ء میں جیل سے رہائی کے بعد مامون الہیسی کو ان کے عہدہ قضا پر بحال نہیں کیا گیا۔ تقریباً دس سال انہوں نے سعودی عرب میں بحیثیت قانونی مشیر صرف کیے اور ۱۹۸۷ء میں سرکاری مخالفت کے باوجود مصر کی پارلیمنٹ میں آزاد امیدوار مگر عملاً اخوان کے نمائندے کے طور پر منتخب ہو کر قائد حزب اختلاف کا کردار ادا کیا۔ ۲۰۰۰ء کے انتخابات میں پھر منتخب ہوئے اور وفات کے وقت تک یعنی ۹ جنوری ۲۰۰۴ء تک اس ۸۳ سالہ مرد مجاہد نے حزب اختلاف کے قائد کا رول نبھایا۔

پروفیسر خورشید احمد اپنے مشاہدات بیان کرتے ہیں کہ محمد مامون الہیسی بڑے دھیمے مگر موثر انداز میں اپنی بات پیش کرتے تھے۔ انگریزی میں بھی اپنا مافی الضمیر خوش اسلوبی سے ادا کر لیتے تھے۔ سیاسی اور تحریکی معاملات پر ان کی فکر بہت واضح، پختہ اور مستحکم تھی۔ وہ جمہوری ذرائع سے تبدیلی کے سختی سے حامی تھے اور سیاسی نظام اور عمل کو تحریک اسلامی کے ایک اہم موثر میدان کار کے طور پر استعمال کرنے کو ضروری سمجھتے تھے۔ ان کی تقریر میں منطقی ربط اور ٹھوس مواد ہوتا تھا اور وہ دلیل سے قائل کرنے اور قائل ہونے کی روایت کو مستحکم کرنے پر ہمیشہ کاربند رہے۔

دستوری منہج پر اصرار

اخوان المسلمون کا ابتدائی دور برطانوی استعمار سے کشمکش کا دور ہے اور اس میں دعوت

وتبلغ کے ساتھ کش مکش اور جہاد (خصوصیت سے فلسطین کے محاذ پر) کا بھی بڑا نمایاں دخل ہے۔ حسن الہیسیؒ کا دور ابتلا و آزمائش کا دور ہے، جو کسی نہ کسی صورت میں اب تک چل رہا ہے، لیکن شیخ عمر تلمسانیؒ کے دور سے سیاسی نظام کے اندر دستوری اور جمہوری ذرائع سے تبدیلی کا منہج آہستہ آہستہ نمایاں ہوتا گیا اور تقویت پاتا رہا ہے۔ حتیٰ کہ مصطفیٰ مشہورؒ کے دور میں وہ تبدیلی کا ماڈل بن گیا۔ اس منہج کو فکری اور عملی دونوں محاذوں پر تقویت اور رواج دینے میں محمد مامون الہیسیؒ کا بڑا نمایاں حصہ ہے۔ مُرشد عام منتخب ہونے کے بعد وہ ہر ہفتہ اخوان کے ہفت روزہ بلیٹن میں مضمون لکھتے تھے اور اُن کی ان تحریروں کا نمایاں پہلو اُن کا دین کے گہرے منہج کے ساتھ مصر اور دنیا کے حالات اور تحریک اسلامی کو درپیش مسائل اور معاملات کا حقیقت پسندانہ ادراک تھا۔

محمد مامون الہیسیؒ کے مُرشد عام منتخب ہونے کے بعد اخوان کے ترجمان رسالۃ الإخوان کی اشاعت ۱۳ دسمبر ۲۰۰۲ء میں ایک طویل انٹرویو شائع ہوا جس کا اردو ترجمہ برادرِ مکرم حافظ محمد عبداللہ (راولپنڈی) نے ماہنامہ ترجمان القرآن میں شائع کرایا۔ یہاں ہم اس انٹرویو کو نقل کر رہے ہیں۔ اس سے عالمی اور تحریکی مسائل پر مستشار محمد مامون الہیسیؒ کے نقطہ نظر کی صراحت ہوتی ہے۔

نوجوانوں کا قائدانہ کردار

سوال: کیا نائب مُرشد عام نوجوان نسل سے لینے کی بات بھی ہو رہی ہے؟

مرشد عام: ہمارے دستور کے مطابق نائب چننے کا اختیار مُرشد کو حاصل ہے، وہ جسے چاہے اپنا نائب منتخب کر لے۔ اب جب کہ ہم مُرشد عام کے انتخاب سے فارغ ہو چکے ہیں عنقریب نائب کے نام کا اعلان بھی کر دیا جائے گا۔ جہاں تک اخوان المسلمون میں نئی نسل کے کردار کی بات ہے تو میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اخوان کی قیادت حتیٰ کہ فیصلہ ساز ادارے مکتب

الارشاد میں بھی نوجوان موجود ہیں اور فعال کردار ادا کر رہے ہیں۔ میں یہاں ڈاکٹر عبدالمنعم عبدالفتاح کی مثال دوں گا۔ انہیں تقریباً سات سال قبل ۱۹۹۵ء میں قاہرہ میں ہونے والے مجلس شوریٰ کے اجلاس میں مکتب الارشاد کا رکن منتخب کیا گیا تھا۔ اس وقت ان کی عمر صرف ۴۳ برس تھی۔ مکتب الارشاد کی ساری قیادت باقاعدہ جمہوری طریقے سے منتخب شدہ ہے۔

سوال: کہا جا رہا ہے کہ جماعت کے اندر مختلف پالیسیوں پر اختلاف موجود ہے، اور جماعت کی صفوں میں نئی اور پرانی نسل کے درمیان کشمکش جاری ہے؟

مرشد عام: اختلافات کی سب خبریں بالکل بے بنیاد اور اس بڑے منصوبے کا حصہ ہیں جو ہمارے خلاف جاری پروپیگنڈا اور نفسیاتی جنگ کا باقاعدہ حصہ ہیں۔ ہم دنیا کے طالب نہیں ہیں اور نہ کوئی ایسی جماعت ہیں جس میں مناصب کے لیے لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں۔ جو لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں وہ اخوان کی سوچ اور طریقہ کار سے واقف نہیں ہیں۔ یہ لوگ ایک اور اہم حقیقت کو بھی نظر انداز کر جاتے ہیں کہ ملک کے عام شہریوں کو حاصل آزادیاں اور حقوق بھی ہم سے چھین لیے گئے ہیں۔ وہ بھول جاتے ہیں یا جان بوجھ کر بھولنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اخوان المسلمون اس وقت بے پناہ دباؤ، انتہائی رکاوٹوں اور دھونس دھاندلی کی فضا میں کام کر رہی ہے۔ کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ ہم اخوان پر عائد پابندیوں کو تو بھول جائیں اور مرشد اور نائب مرشد عام کے انتخاب اور کردار پر بات شروع کر دیں؟ تاہم اخوان المسلمون نے اپنے بہترین نوجوانوں کو بڑی بڑی ذمہ داریوں پر فائز کیا ہے تاکہ وہ بھی کام کا وسیع تجربہ حاصل کر سکیں۔

نوجوان مکتب الارشاد میں بھی موجود ہیں اور پیشہ ور تنظیموں اور پارلیمانی پارٹی میں بھی۔ بطور مثال میں میڈیکل ایسوسی ایشن کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر عصام العریان کا نام لوں گا۔ انہیں اخوان المسلمون نے سیشن ۱۹۸۷ء کے لیے پارلیمنٹ میں اپنا امیدوار نامزد کیا تھا۔ اللہ کے فضل و کرم سے وہ کامیاب ہو کر پارلیمنٹ کے افتتاحی اجلاس میں شریک ہوئے۔ کیا آپ جانتے ہیں

ان کی عمر اس وقت کیا تھی؟ صرف ۳۱ برس۔ یہ مثال ان لوگوں کے اعتراضات کا شافی جواب ہے جو کہتے ہیں کہ اخوان نوجوانوں کے فعال کردار کے مخالف اور ان کے آگے آنے میں حائل ہیں۔

سوال: کیا جماعت کے باقاعدہ ترجمان کا نام بھی طے ہو چکا ہے؟

مرشد عام: حقیقت یہ ہے کہ اخوان المسلمون میں اس نام کا کوئی منصب نہیں ہے۔ مرشد عام ہی معاملات سے بہتر انداز میں واقف ہوتے ہیں اس لیے دستور اور ضابطے کے مطابق جماعت اور اس کی پالیسیوں کے ترجمان بھی وہی ہوتے ہیں۔ اسی طریقہ کار پر امام حسن البنا شہید، محترم حسن الہضیمی اور استاذ عمر التمسانی رحمہم اللہ کے ادوار میں عمل ہوتا رہا ہے۔

سوال: لیکن ۱۰ برس تک ذرائع ابلاغ پر آپ کا نام بطور ترجمان لیا جاتا رہا ہے؟

مرشد عام: جی ہاں ہمارا دستور مرشد عام کو یہ اختیار بھی دیتا ہے کہ وہ کسی کو اپنا جماعت کا ترجمان مقرر کریں۔ میں یہ بتانا چلوں کہ باقاعدہ ترجمان مقرر کرنے کی روایت استاذ حامد ابو النصر کے دور میں پڑی۔ اس کا بھی ایک عجیب قصہ ہے۔ جنگ خلیج کے دوران جب عالمی ذرائع ابلاغ نے اخوان المسلمون کے موقف سے آگاہ رہنے کا خصوصی اہتمام کیا تو خبر رساں ایجنسیوں، اخبارات اور عالمی ریڈیو، ٹی۔وی کے نمائندوں کا مرکزی دفتر میں تانتا بندھ گیا۔ جسے دیکھو مرشد عام کا بیان یا انٹرویو لینا چاہتا ہے۔ مرشد عام اس سے بڑی تھکاوٹ اور بوجھ محسوس کرتے۔ ایک دن ایک نیوز ایجنسی کا نمائندہ مرشد سے ملنے کے لیے دفتر میں آیا۔ جب وہ مجھ تک پہنچا تو پوچھنے لگا: کیا جماعت میں نمبر ایک آپ ہی ہیں؟ میں نے کہا: اول تو کیا میری حیثیت تو ثانوی بھی نہیں ہے۔ نمائندہ کہنے لگا: میں تو صف اول کے قائد سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ اس پر میں نے ناظم دفتر مرحوم ابراہیم شرف کو مہمان کی رہنمائی کرنے اور استاذ حامد ابو النصر سے ملوانے کے لیے کہا۔ تھوڑی دیر بعد کیا دیکھتا ہوں کہ صحافی پھر میرے سامنے کھڑا ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ بھائی کیا معاملہ ہوا ہے؟ اخباری نمائندے نے بتایا کہ مرشد عام کہتے ہیں کہ ہضیمی سے انٹرویو کرو، وہی نمبر ایک ہے۔ انٹرویو کی تکمیل کے بعد استاذ ابو النصر نے اپنی اور

جماعت کی ترجمانی کا فریضہ مستقل طور پر مجھے سونپ دیا۔ اس دن سے لے کر پانچویں مرشد عام استاذ مصطفیٰ مشہورؒ کی وفات تک میں ہی جماعت کا باقاعدہ ترجمان رہا ہوں۔

اندرونی اختلافات کا افسانہ

سوال: آپ جماعتی ڈھانچے میں پڑنے والی دراڑوں کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔ خاص طور پر جماعت کے اندر سے جو نئی فکری لہریں اٹھ رہی ہیں اور نئی نئی تنظیمیں وجود میں آرہی ہیں، ان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا اس کا یہ مطلب لیا جاسکتا ہے کہ جماعت ان لہروں کو اپنے اندر سمونے کی استطاعت نہیں رکھتی؟

مرشد عام: جس دعوت سے لاکھوں افراد وابستہ ہوں اور جسے دعوتی کام کرتے ہوئے ایک طویل عرصہ بیت چکا ہو اس کے اتنے طویل سفر میں اس کے حامیوں کے درمیان اختلاف پیدا ہو جانا ایک فطری امر ہے۔ دوران سفر بعض مقامات ایسے بھی آتے ہیں جب چند رفقا اصل دھارے کو چھوڑ کر منزل تک پہنچنے کے لیے نیا راستہ اور نیا منہج اختیار کر لیتے ہیں اور اسی کی طرف لوگوں کو دعوت بھی دیتے ہیں۔ اس فطری عمل کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی کوشش کسی طور پر بھی درست نہیں، اور ان اختلافات کو جماعت کے وجود کے لیے عظیم خطرات سے تعبیر کرنا خام خیالی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ جہاں تک جماعتی نظم و ضبط کا تعلق ہے تو اسے آپ پوری دنیا میں اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔ اخوان المسلمون کے دنیا بھر میں پھیلے ہوئے یونٹس وہاں کے عوام کو متحرک کرنے والی واحد حقیقی، اور فعال سیاسی قوت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ عناصر جنہیں اپنا اور اپنی کرسی اقتدار کا خوف لاحق ہے اس منظم قوت کو کنٹرول کرنے اور عامۃ الناس کو اس سے دور رکھنے کی کوششوں میں مصروف رہتے ہیں۔

عرب حکومتوں سے تعلقات

سوال: اخوان المسلمون اور عرب ممالک کی حکومتوں کے درمیان تعلقات کا مستقبل

آپ کی نظر میں کیا ہے؟ کیا شام اور تیونس کی مانند تعلقات میں تصادم اور جمود کی موجودہ کیفیت برقرار رہے گی؟ یا آنے والے چند برسوں میں آپ کی حکمت عملی میں بنیادی فرق آئے گا؟

مرشد عام: میں دوبارہ کہوں گا کہ ہم کسی سے تصادم نہیں چاہتے، خاص طور پر اپنے ممالک کی حکومتوں سے تو بالکل بھی نہیں۔ ہم بھی اور دنیا بھر میں موجود اخوان المسلمون کی تمام یونٹس بھی اسی اصول پر عمل پیرا ہیں۔ حکومتوں کے ساتھ ہمارے تعلقات کا انحصار بڑی حد تک ان ممالک کی حکومتوں پر ہے۔ ہم دنیا بھر کی اسلامی اور عرب حکومتوں کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ اپنے اپنے عوام کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کریں، اور اپنے عوام کو منصفانہ ترقی، حقیقی آزادی اور حریت کے یکساں مواقع فراہم کریں۔

سوال: اخوان المسلمون کو کئی عرب ممالک میں اب تک قانونی حیثیت کیوں حاصل نہیں ہو پائی؟

مرشد عام: یہ سوال تو ان ممالک پر مسلط حکومتوں سے کرنے کا ہے جن کا بدنما چہرہ پکار پکار کر ان کے ظلم و ستم کا اعلان کر رہا ہے یا جو ظلم و ستم سے داغ دار چہرے کو نام نہاد جمہوری پردے میں چھپانے کی کوشش کرتی ہیں۔ بارہا اعلان کیا جا چکا ہے کہ ہم ۲۴ گھنٹے کے مختصر نوٹس پر قانونی اور دستوری تقاضوں پر پورا اترنے والی سیاسی جماعت بن سکتے ہیں اور اگر موقع ملے تو مصر ہی نہیں بلکہ الجزائر، سوڈان، یمن، اردن، لبنان اور کویت میں بھی قانونی تقاضوں پر پورا اترنے والی پہلی جماعت ہم ہی ہوں گے۔

سوال: ایک ایسے وقت میں، جب کہ امریکہ اسلام اور اسلامی تحریکوں کے گرد دائرہ تنگ کر رہا ہے الجزائر، بحرین، پاکستان اور مراکش میں اسلام پسندوں کی نمایاں کامیابی اور ترکی میں تقریباً دو تہائی اکثریت سے برسرِ اقتدار آنے کی آپ کیا توجیہ کریں گے؟

مرشد عام: اسلام پسندوں کی یہ کامیابیاں اس بات کی دلیل ہیں کہ امت میں بیداری کا عمل جاری و ساری ہے اور یہ کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ خود اپنے دین کا محافظ ہے۔ جان لینا چاہیے کہ

اقوام عالم کی ضرورت صرف اور صرف اسلام ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور ورلڈ آرڈر دنیا کے مسائل کا حل نہیں۔ جبر و قہر کا ہر ہتھیار اور عقیدہ اسلامی کو مٹانے، مغربیت زدگی کو عام کرنے اور مسلمانوں کو افتراق و انتشار سے دوچار کرنے کی ہر کوشش کا انجام مکمل ناکامی کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ مسلم حکومتوں کو چاہیے کہ اپنے رویے پر نظر ثانی کریں اور اپنی صفوں میں انتشار اور افتراق کے بیج بونے اور اپنے اور حاکمین دعوت اسلامی کے مابین فاصلوں کو ہرگز نہ بڑھنے دیں۔ ہمارا پختہ خیال ہے کہ انتخابات خواہ دنیا میں کہیں پر بھی ہوں اگر منصفانہ ہوئے تو انشاء اللہ اسلام پسند ہی کامیاب ہوں گے۔ اپنے حکمرانوں کو چننے کا اصل حق عوام کو ہی حاصل ہے۔ اگر عوام ہی اپنے حکام کے انتخاب کا حق رکھتے ہیں اور عوام اور حکام کے درمیان تعاون ضروری ہے تو پھر باہم اتحاد و یک جہتی کا مظاہرہ کرنا چاہیے نہ کہ ایسی ہٹ دھرمی اور ڈھنائی کا جس سے قوتیں ضائع جائیں اور ملک ترقی کی بجائے تنزل کی طرف بڑھنے لگے۔

عبداللہ گل کی حکومت ہمارے لیے خوشخبری ہے۔ انصاف و ترقی پارٹی کو استنبول جیسے بڑے شہر کی مالی حالت سدھارنے کا کامیاب تجربہ بھی حاصل ہے اور پارٹی کے پاس مختلف علوم کے بہت سے ماہرین بھی موجود ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے ان کی ثابت قدمی کے لیے دعا گو ہیں۔

حماس کے تین موقف

سوال: آپ کی جماعت کا فلسطین کی تحریک مزاحمت کے بارے میں کیا موقف ہے؟ اور فلسطینی عوام کی مدد کے لیے اب تک آپ نے کیا خدمات سرانجام دی ہیں؟

مرشد عام: ذرائع ابلاغ ہم سے ایسا معاملہ کرتے ہیں جیسے ہم کوئی حزب اقتدار ہوں اور سیاسی قوت کی باگیں بھی ہمارے ہی پاس ہوں، اور ہم سے اس طرح کے سوالات شروع کر دیتے ہیں کہ آپ نے اس مسئلے کے حل کے لیے کیا خدمات سرانجام دی ہیں؟ ذرائع ابلاغ اس حقیقت کو کیوں فراموش کر دیتے ہیں کہ ہمیں ہر قسم کے سیاسی حقوق سے محروم کر دیا گیا ہے۔ جہاں تک

مسئلہ فلسطین کا تعلق ہے، ہمارے نزدیک اس مسئلے کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ یہ ہمارے دین کا جز بھی ہے اور اس کے لیے مذہبی ہم پر فرض ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ قیامت کے روز ہم سے اس بارے میں پوچھا جاتا ہے، اور قیامت کے دن یقیناً تمام حکمرانوں سے بھی ضرور پوچھا جائے گا کہ اس معاملے میں کیوں کوتاہی کی اور فلسطینیوں کو دشمن کا ترنوالہ بننے کے لیے کیوں تنہا چھوڑ دیا کہ شارون اور اس کے حواری جب چاہیں انہیں گرفتار اور قتل کرتے پھریں۔

سوال: اگر فلسطینی مسلمانوں کی مدد کے لیے جہاد کی کوئی عملی صورت سامنے آئے تو آپ کا اقدام کیا ہوگا؟

مرشد عام: اگر جہاد کا موقع آیا اور فلسطینی مسلمانوں کو نو جوانوں کی ضرورت پڑی تو ہم اپنے بہترین بیٹے اس راہ میں قربان کر دیں گے۔ میرے خیال کے مطابق فلسطینی مسلمانوں کو اس وقت نو جوانوں کی نہیں بلکہ طبی، مالی اور فوجی اسلحے کی صورت میں مدد کی زیادہ ضرورت ہے تاکہ وہ زندہ رہ سکیں اور یہودیوں کی طرف سے اجاڑے گئے گھر، کھیت و کھلیان کو نئے سرے سے آباد کر سکیں۔ انہیں میڈیا کی اور عامۃ الناس کی تائید و حمایت کی بھی ضرورت ہے، اس لیے کہ یہ بھی ایک طرح کا ہتھیار ہیں۔ فلسطینیوں کی حمایت میں نکلنے والے یہ مظاہرے اور ریلیاں بالواسطہ طور پر حکمرانوں کو مجبور کرتی ہیں کہ وہ اس مسئلے کے حل کے لیے عملی اقدامات کریں۔ اگر ہمیں سیاسی آزادیاں میسر ہوں تو ہم ایک جگہ اکٹھے ہو کر اپنے بھائیوں کی حقیقی ضروریات سے آگاہ ہو سکتے ہیں اور ان کی اہم ضروریات کو پورا کرنے کے لیے پیش رفت بھی کر سکتے ہیں۔ اگر مصری قوم کو موقع دیا جائے تو وہ اس خطے کی تمام اقوام کی رہنمائی کر سکتی ہے۔

نائن الیون پر ردِ عمل

سوال: امریکہ کی طرف سے عراق کے خلاف جنگ کی دھمکی کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟

مرشد عام: ہم عراق کے مظلوم عوام کے شانہ بشانہ ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس حملے کا اصل

ہدف عراقی عوام کو امریکہ کی طاقت و جبر کے سامنے جھکنے پر مجبور کر دینا ہے۔ عراق کی تباہی دراصل اسرائیلی طاقت میں اضافے کے مترادف ہے۔ بار بار کی ہمہ پہلو تفتیش کے بعد بھی امریکہ اب تک ایسے ٹھوس شواہد اکٹھا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا کہ جنہیں عراق پر حملے کے جواز میں پیش کیا جاسکے۔

سوال: ۱۱ ستمبر کے حادثے کے بعد ایک بڑی اسلامی پارٹی ہونے کی حیثیت سے عالمی سطح پر آپ اپنے کو کس سیاسی مقام کا حامل پاتے ہیں؟

مرشد عام: امریکہ نے ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کے حادثے کو اسلامی نظریہ حیات و عقائد، اسلام، مسلمان اقوام اور ان کی ریاستوں پر حملے کے لیے بدترین طریقے سے استعمال کیا ہے۔ ان امریکی اقدامات سے بدینیتی، تعصب اور پہلے سے طے شدہ منصوبہ بندی واضح طور پر جھلکتی نظر آتی ہے۔ اس کی یہ نفرت آمیز کارروائیاں مسلمانوں کی غالب اکثریت میں امریکہ اور اس کی ظالمانہ پالیسیوں کے خلاف شدید رد عمل کا باعث بن رہی ہیں۔

امریکہ کے ان تمام اقدامات کے برعکس اسلام کی دعوت بڑھتی اور ترقی ہی کرتی جا رہی ہے۔ دعوت کے پھیلاؤ کا یہ سلسلہ اب کسی حال میں بھی رک نہیں سکتا۔ امریکہ کی ظالمانہ روش کے خلاف تحریک اسلامی اور ساری امت کی جدوجہد میں دن بدن تیزی ہی آتی جائے گی۔

مسلمانوں کی غالب اکثریت کا ایمان ہے کہ مادی قوت، ایمانی قوت کا کبھی مقابلہ نہیں کر سکتی۔ امریکہ اور اس کے حواری خاص طور پر وہ لوگ جنہیں امریکہ نے مسلم ممالک میں اقتدار پر مسلط کیا ہوا ہے، جو کچھ بھی کر لیں ان کی ہر کوشش کا انجام بالآخر ناکامی ہے۔ یہ لوگ اسلامی احکام و مبادی کی تبدیلی میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ خود ہی اپنے دین کی حفاظت کے لیے کافی ہے۔ اس کا فرمان ہے: **إِنَّا نَحْنُ الذَّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ** الحجر: ۱۵۔ اس کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔“ گذشتہ کئی صدیوں سے قرآنی نصوص اور صحیح احادیث نبویہ سے کھیلنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے۔ ان کوششوں کا انجام ہمیشہ ناکامی کی صورت

میں نکلا ہے:

وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَى أَمْرِهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (یوسف ۲۱:۱۲)

”اللہ اپنا کام کر کے رہتا ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔“

سوال: اگر امریکہ اخوان المسلمون کو بھی دہشت گرد جماعتوں کی فہرست میں شامل کر لے اور آپ کی جماعت سے وہی سلوک شروع کر دے جو وہ مختلف جہادی تنظیموں سے کر رہا ہے تو آپ کا کیا رد عمل ہوگا؟

مرشد عام: ہم مقابلہ اور جنگ نہیں چاہتے۔ فرمان نبوی ﷺ ہے کہ لا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ فَإِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فَانْبِتُوا (دشمن سے ملنے سے بچ کر ہواش نہ کیا کرو لیکن سامنا ہو تو ثابت قدمی دکھاؤ)۔ اللہ پر ہمارا ایمان کبھی متزلزل نہیں ہوگا انشاء اللہ۔ امریکہ کو چاہیے کہ عدل و انصاف کی روش اختیار کرے اور ملت اسلامیہ سے مکالمے کا آغاز کرے اور اپنی وحشیانہ طاقت کے بل بوتے پر دنیا بھر میں اپنی ظالمانہ پالیسیاں نافذ کرنا چھوڑ دے۔ امریکی قوم کو بھی چاہیے کہ اپنی انتظامیہ کی پالیسیوں پر کڑی نظر رکھے۔ انہی پالیسیوں نے پوری دنیا میں ان کے خلاف نفرت و عداوت کے بیج بوئے ہیں۔

سوال: سابقہ ادوار میں کئی بار یہ بات سامنے آئی ہے کہ آپ کی جماعت امریکہ سے روابط بڑھانے پر غور کر رہی ہے تاکہ کچھ عرب تنظیموں کے متبادل کے طور پر اپنے آپ کو پیش کر سکے۔ کیا یہ اطلاعات درست ہیں؟ کیا آپ کے اور امریکی انتظامیہ کے مابین گذشتہ ۳۰ برس میں کوئی رابطہ ہوا ہے؟ کیا واقعی آپ اپنے آپ کو ان عرب تنظیموں کا متبادل سمجھتے ہیں؟

مرشد عام: اس سوال کا ہر جز ایک طبقے کی بیمار ذہنیت کی عکاسی کرتا ہے۔ اس خبر میں کسی قسم کی کوئی صداقت موجود نہیں ہے۔ ہماری تمام سرگرمیاں معلوم و معروف اور سب لوگوں کی دیکھی بھالی ہیں۔ ہم سب امریکی حملے کی زد میں ہیں اور اس حملے سے بچاؤ کے لیے ہم سب لوگوں کو ایک وسیع تر پلیٹ فارم کی تشکیل کی دعوت دیتے ہیں۔

سوال: ایک طرف تو آپ کا دعویٰ ہے کہ آپ عالمی تحریک ہیں، جب کہ دوسری جانب آپ کا کہنا یہ ہے کہ دیگر ممالک میں موجود اخوان المسلمون کی جماعتوں کے معاملات میں ہم دخل نہیں دیتے اس طرح آپ کا عالمی جماعت ہونے کا دعویٰ کہاں باقی رہتا ہے؟

مرشد عام: اسلام کے ایک آفاقی دعوت ہونے اور آپ کے قول: اہل مکہ ادری بشعابہا ”اہل مکہ ہی مکہ کی گھاٹیوں کو جانتے ہیں“ میں تضاد تلاش کرنا کار لا حاصل ہے۔ ہمارا طریقہ کار، اسلوب تربیت اور عمومی قواعد و ضوابط ہر جگہ ایک ہی ہیں۔ البتہ ان کی عملی تطبیق کا طریقہ ہر ملک کے حالات کی مناسبت سے جدا جدا ہے۔

ذرائع ابلاغ کا استعمال

سوال: آپ اپنے آپ کو عالمی سطح کی تنظیم تو قرار دیتے ہیں، جب کہ صورت حال یہ نہیں ہے۔ ذرائع ابلاغ اور انٹرنیٹ وغیرہ کے استعمال میں آپ بہت پیچھے ہیں؟

مرشد عام: اللہ کے فضل سے ہم کسی میدان میں بھی پیچھے رہنے والے نہیں۔ ہمارے پاس قابل اور جدید علوم کے ماہر افراد موجود ہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم جن ممالک میں رہ رہے ہیں ان کی حکومتوں نے میڈیا کے آزادانہ استعمال پر کئی پابندیاں عائد کر رکھی ہیں۔ ویسے آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ ایک رپورٹ کے مطابق میڈیا اور انٹرنیٹ کا سب سے زیادہ استعمال اخوان المسلمون سے وابستہ لوگ کرتے ہیں۔

سوال: آپ کا کیا خیال ہے کہ اخوان المسلمون جن سیاسی اصطلاحات میں بات کرتی ہے وہ موجودہ دور میں درپیش مشکلات اور چیلنجوں سے مطابقت رکھتی ہیں؟

مرشد عام: ہم ایک نظریاتی جماعت ہیں اور ہمارا نظریہ اسلام ہے۔ اسلام میں کچھ امور تو محکم اور ثابت شدہ ہیں جن میں کسی قسم کا کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ یہ امور تمام علماء اور فقہاء کے نزدیک متفقہ ہیں۔ جن امور میں اجتہاد کی گنجائش ہے، یعنی مباحات اور معلوم ہونا چاہیے کہ دین

میں ان اجتہادی امور کا میدان بڑا وسیع ہے ان امور کو عصری تقاضوں اور قوموں کے سماجی اور ثقافتی احوال کے مطابق ہونا چاہیے۔ اخوان المسلمون کے موقف کا مطالعہ کرنے والے ہر فرد پر یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ جمود اور ٹھہراؤ ہماری تحریک اسلامی کی فطرت کے بالکل خلاف ہے۔ اسی وجہ سے عرب عوام کے اندر سب سے زیادہ پذیرائی اخوان کے موقف کو حاصل ہے۔

سوال: آپ کا کیا خیال ہے کہ لٹریچر میں موجود ۷۰ سال پرانا اسلوب تربیت جماعت کے لیے مطلوبہ افراد کو کامیابی سے تیار کر رہا ہے؟

مرشد عام: ہم اپنے اسلوب عمل میں مسلسل تبدیلی کرتے رہے ہیں اور ہر قسم کی تبدیلی کو خوش آمدید بھی کہتے ہیں۔ دراصل یہ جماعت کا اندرونی معاملہ ہے ہو سکتا ہے کہ باہر سے دیکھنے والا تبدیلی محسوس نہ کر سکے۔

سوال: کیا موجودہ دور میں اخوان المسلمون کا خلافت راشدہ کے قیام اور احیا کا خواب غیر حقیقت پسندانہ نہیں ہے؟

مرشد عام: إِنَّهُ لَا يَنَاسُ مِنْ رَوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ (یوسف: ۸۷) ہر مسلمان کو معلوم ہے کہ اس کے ذمے اللہ کے راستے میں سعی و جہد اور اپنی نیت کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر لینا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے شریعت کے مطابق اپنی بندگی کے لیے پیدا کیا ہے۔ ہم امم اسلامیہ کو ان کی ثقافتوں میں قربت پیدا کر کے ایک دوسرے سے قریب کرتے رہیں گے۔ ان کے درمیان اقتصادی تعلقات کو فروغ دینے اور ان کے سیاسی موقف کو ایک بنانے کے لیے جدوجہد کرتے رہیں گے۔

میرا خیال ہے کہ مؤثر عالم اسلامی کی تنظیم کو فعال کرنا بھی اس جانب پیش رفت کا باعث ثابت ہو سکتا ہے۔ سرمایہ کاروں کو باہم اقتصادی سرگرمیوں کو فروغ دینے پر آمادہ کرنا اور علمائے کرام اور مفکرین کے خیالات میں ہم آہنگی پیدا کرنا، علمی بحث و جستجو اور باہمی مکالمے کے مراکز کا قیام بھی اس سلسلے کی اہم کڑیاں ثابت ہو سکتی ہیں۔

سوال: آپ اپنے اوپر عائد ہونے والے ان الزامات کا کیا جواب دیں گے کہ اخوان المسلمون نے دینی جماعت اور سیاسی پارٹی کے کردار کو خلط ملط کر دیا ہے؟

مرشد عام: یہ الزام تو گزشتہ ۷۰ برس سے لگایا جاتا رہا ہے اور اس کا جواب تفصیل کے ساتھ بار بار دیا بھی جا چکا ہے۔ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے جسے ہر مسلمان اچھی طرح جانتا ہے کہ شریعت اسلامیہ ایک مکمل نظام حیات ہے اس میں عقیدہ بھی ہے اور اخلاق بھی۔ تمام معاملات کی اصل اور بنیاد شریعت میں موجود ہے۔ اس میں ہمارے انفرادی و اجتماعی مسائل کے متعلق ہدایات موجود ہیں۔ حاکم اور محکوم کا تعلق کیسا ہو؟ نظام معیشت و معاشرت اور نظام سیاست کیا ہو؟ دوسرے ممالک کے ساتھ ہمارے تعلقات کس نوعیت کے ہونے چاہئیں؟ ان سب سوالوں کا جواب دین میں موجود ہے۔ اسلام دین بھی ہے اور ریاست بھی۔ قرآن بھی ہے اور تلواریں بھی۔ اگر کوئی اسے خلط ملط کرنا سمجھتا ہے تو سمجھے۔ حقیقت یہی ہے کہ آپ ﷺ اسی اسلام کو لے کر تشریف لائے تھے اور اب بھی مومن درحقیقت وہی ہے جو اس اسلام پر اطمینان قلب اور شرح صدر رکھتا ہو۔

سوال: آخری سوال یہ ہے کہ آپ اپنی دعوتی و سیاسی سرگرمیاں اخوان المسلمون کے نام سے کرنے پر کیوں مصر ہیں؟ ترکی میں موجود اسلامی تحریک کے تجربے سے فائدہ کیوں نہیں اٹھاتے جنہوں نے قبولیت عامہ کے حصول کے لیے کئی بار اپنا نام تبدیل کیا ہے؟

مرشد عام: ہم اخوان المسلمون کا نام کیوں نہ اختیار کریں اور اسے تبدیل کرنے کے بارے میں کیوں سوچیں؟ ہمارے نام کو عالمی شہرت حاصل ہے۔ اس کی ایک تاریخ ہے اور ایک روایت۔ دنیا کے کسی کونے میں اخوان المسلمون کا نام لیا جائے تو سامع کے ذہن میں ایک خاص مفہوم ابھرتا ہے۔ دراصل بہت سی حکومتیں ہمیں اپنے موقف سے ہٹانے کی کوششیں کر رہی ہیں۔ نام کی تبدیلی پر اصرار بھی انہی کوششوں کا ایک حصہ ہے۔

جہاں تک ترکی کا تعلق ہے تو وہاں کے مخصوص حالات ہیں۔ ۴۸

کم و بیش چودہ مہینے تک مرشد عام کی ذمہ داری نبھانے کے بعد مستشار محمد مامون الہیسی

جمعۃ المبارک ۹ جنوری ۲۰۰۴ء کو عارضی زندگی سے ابدی زندگی کی طرف کوچ کر گئے اور اخوان نے استاذ محمد مہدی عاکف کو ساتویں مرشد عام کے روپ میں منتخب کیا۔

استاذ محمد مہدی عاکف (۱۹۲۸ء -)

اخوان المسلمون کے ساتویں مرشد عام محمد مہدی عثمان عاکف ۲۱ جولائی ۱۹۲۸ء کو مصری ڈیلٹا کے قبلیہ خطہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم منصورہ میں حاصل کی۔ ۱۹۴۰ء کی دہائی میں اپنے والدین کے ساتھ قاہرہ منتقل ہو گئے اور ان کے کئی بھائیوں نے قاہرہ یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا۔ ۱۹۵۰ء میں فزیکل ہیلتھ ایجوکیشن کالج سے گریجویشن کی تکمیل کی۔ بعد میں جمناسٹک شخصیت کے طور پر ابھر کر سامنے آئے جو عربی کے علاوہ انگریزی پر بھی عبور رکھتے تھے اور جرمن زبان سے بھی واقف تھے۔ چالیس کی دہائی ہی میں ابراہیم الطیب، شیخ عبد الماجد العیسیٰ، عبد المجید احمد حسن، ڈاکٹر الابیاض اور عادل کمال جیسے اخوانی رہنماؤں کی معرفت تحریک اخوان المسلمون سے متعارف ہوئے۔ ۱۹۴۳ء/۱۹۴۴ء میں فؤاد اول ہائی اسکول میں سرگرم تنظیم کی شاخ کے ذمہ دار متعین کیے گئے۔ یہ اسکول کسی زمانہ میں حزب الوفد کا گڑھ سمجھا جاتا تھا مگر اب وہ اخوان کے قلعہ میں تبدیل ہو گیا تھا۔ ہائی اسکولوں میں دعوت و تبلیغ کی ذمہ داریاں اس وقت عزالدین ابوشادی اور ان کے بعد شیخ فرید عبد الحلق کے حوالہ تھیں۔ ان دونوں رہنماؤں نے اپنی انتھک جدوجہد اور مضبوط منصوبہ بندی سے نوعمر طلبہ میں اخوان کو کافی مقبول بنا دیا تھا۔ ان دونوں کے بعد محمد مہدی عاکف طلبہ میں تنظیمی و دعوتی سرگرمیوں کے ناظم بنائے گئے۔ انہوں نے قاہرہ کے مرکزی خطہ الحلمیہ میں واقع مرکزی دفتر میں پابندی سے حاضری دینا شروع کیا اور ہر جمعرات کو شیخ حسن البنا سے تنظیمی امور پر تبادلہ خیال کرنے لگے اور ان کی رہنمائی میں دعوتی کام کو آگے بڑھایا۔^{۴۹}

امتداد زمانہ کے ساتھ محمد مہدی عاکف کی دعوتی و تحریکی دلچسپیاں بڑھتی گئیں۔ تنظیم کے اہم

پروگراموں میں اُن کی فعال شرکت، قومی و بین الاقوامی مسائل میں اخوان کے موقف کی بھرپور تائید اور دعوتی و رفاہی اور جہادی منصوبوں کی تنفیذ میں ان کی اقدامیت نے انہیں اہم رہنماؤں کی صف میں لاکھڑا کیا۔ دور شہنشاہیت سے نام نہاد جمہوریت تک کے تمام عرصے میں وہ پوری یکسوئی اور دل جمعی سے تحریک کے ساتھ کھڑے رہے۔ برطانوی استعمار کے خلاف بغاوت اور مزاحمت کی سرگرمیاں ہوں، فلسطین میں یہودیوں کے خلاف جہاد آپریشن ہو، یا معروف زمانہ جولائی انقلاب ہو، محمد مہدی عاکف ہر جگہ جاں فروشی اور اطاعت و تسلیم کا پیکر ثابت ہوئے۔ ۱۹۵۴ء میں فوجی عدالت نے انہیں پھانسی کی سزا سنائی جو بعد میں تاحیات نظر بندی میں تبدیل ہوئی۔ انور السادات کے دور صدارت میں تاہم انہیں جیل سے رہائی مل گئی۔

جہاد استعمار اور یہود کے خلاف

مرشد عام منتخب ہونے کے بعد المجتمع کویت کے نامہ نگار نے محمد مہدی عاکف سے سوال کیا کہ آیا اخوان المسلمون کی مجاہدانہ شناخت پھر قائم ہوگی اور اس کی جہادی پہچان کی بازیافت ہوگی؟ اس لیے کہ مرشد نے خود برطانوی استعمار کے خلاف سویز معرکہ میں اور اسرائیل کے خلاف فلسطین میں جہادی سرگرمیوں کی قیادت کی تھی، اس لیے بجا طور پر اس جہادی امیج کے اعادہ کی تشویش ظاہر کی گئی۔

مرشد عام نے جواب میں فرمایا کہ:

”اس طرح کی تشویش ظاہر کرنے والے نادان ہیں۔ ہم ماضی میں ہمیشہ ہتھیار بند رہتے تھے۔ وزیر اعظم علی ماہر پاشا سے ملاقات کرتے وقت بھی میری جیب میں پستول رہتا تھا۔ جمال عبدالناصر کے اقتدار میں آنے کے بعد بھی میں نے نہیں سنا کہ کسی اخوانی کارکن نے یہودیوں اور انگریزوں کے سوا کسی پر کبھی گولی چلائی ہو۔ ہم بندوقوں کے ساتھ عوام کے درمیان رہے اور کبھی اپنے اندرونی دشمنوں پر بھی گولی

نہیں چلائی۔ یہ الزامات اُن لوگوں کی طرف سے لگائے جا رہے ہیں جو ذرا بھی خوفِ خدا نہیں رکھتے۔ ان لوگوں کو جہاد کی عظیم الشان تاریخ میں تحریف کرنے کی خدمت سونپی گئی ہے۔“ ۵۰

مرشد عام نے مغرب کے زیر اثر پرورش پانے والے افراد اور حکومتوں پر تنقید کرتے ہوئے، اور فلسطین، عراق اور افغانستان میں لگی امریکی جارحیت کو طشت از بام کرتے ہوئے اعلان کیا کہ آج امریکہ اور یورپ بے نقاب ہو چکا ہے اور پوری انسانیت ان الزامات کے خلاف کھڑی ہے۔ آج عرب دنیا اور عالم اسلام معاشی، سیاسی اور نظریاتی حصار میں ہے۔ اس کی قدریں، اس کا ورثہ اور اس کی مذہبی شناخت سب خطرے میں ہیں مگر کسی قوتِ مقتدرہ کو اس کا احساس نہیں ہے۔ گوانتانامو بے اور ابو غریب جیل میں جو کچھ شرمناک کارروائیاں ہو رہی ہیں وہ تصور سے بھی بالا ہیں۔ آزادی، حقوق انسانی اور جینوا کنونشنز کے علمبرداروں نے اپنی آنکھیں بند کر رکھی ہیں اور عرب اور اسلامی دنیا میں روزمرہ حقوق انسانی کی جو خلاف ورزی ہو رہی ہے اس پر گونگے بہرے بنے ہوئے ہیں گویا عرب اور اسلامی دنیا کے عوام انسان ہی نہیں ہیں۔ جس کی لاشی اس کی بھینس کا قانون یہاں رائج ہے۔ مرشد نے اپنے اندرونی کرب کا اظہار کیا۔ ۵۱

مسلم تحریکاتِ مزاحمت کی حمایت

۶ رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ/۲۰/اکتوبر ۲۰۰۴ء کو ایک بڑی تقریب افطار میں، جو عملاً پریس کانفرنس میں تبدیل ہو گئی، محمد مہدی عاکف نے مصر میں سیاسی اصلاحات کی دعوت دی اور افغانوں، عراقیوں اور فلسطینی عوام کی جدوجہد آزادی کی کھل کر حمایت کی۔ انہوں نے کہا کہ سیاسی اصلاحات کو تمام اگر نافذ کیا گیا اور مصر میں آزادی اور حقوق بحال کیے گئے تو دفاعِ دین اور تحفظِ امتِ مسلمہ کا مقدس فریضہ ادا کرنے میں مصر اپنا مطلوبہ کردار ادا کرنے کے قابل ہو سکے گا۔ انہوں نے عربوں اور مسلمانوں سے مطالبہ کیا کہ وہ امریکہ اور صہیونیت کو بے نقاب کرنے کے

لیے انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس کا دروازہ کھٹکھٹائیں تاکہ فلسطین اور عراق کے خلاف ہونے والی وحشیانہ اور انسانیت سوز کارروائیاں منظر عام پر آسکیں۔ مرشد نے امریکہ اور اس کے حواریوں کی جارحیت کے خلاف اپنے موقف کی علانیہ صراحت کی:

”میں صاف کہتا ہوں یہ سب ان قاتلوں اور فساد یوں کی کارروائی ہے۔ ہم ان کے

خلاف اپنے مطالبات جاری رکھیں گے اور ان سے کبھی دست بردار نہ ہوں گے،

کیوں کہ یہ افغانستان کے یتیموں، بیواؤں اور بچوں کا ہم پر حق واجب ہے۔“

مرشد نے فلسطین و عراق میں جاری تحریکات مزاحمت کی حمایت میں کھل کر فرمایا:

”ناجائز قبضہ اور تسلط کو دوسرے جرائم کے مماثل نہیں ٹھہرایا جاسکتا، اس لیے ہم

پورے شرح صدر کے ساتھ عراقی مزاحمت کی تائید کرتے ہیں کیوں کہ اسلامی نقطہ

نظر سے یہ ایک جائز حق ہے اور تمام بین الاقوامی ادارے اور معاہدے اس کو سند

جواز عطا کرتے ہیں۔“

فلسطین میں جاری مزاحمت اور جہاد کو مرشد عام نے ملک کی آزادی کے لیے واحد حل قرار

دیا۔ صرف اسی طریقہ کار سے مقامات مقدسہ کی بازیافت ہو سکتی ہے۔ انہوں نے مزاحمتی تحریک

کے رہنماؤں کو مشورہ دیا کہ غیر مسلح ہونے کی کسی تجویز کو قبول نہ کریں کیوں کہ صہیونیوں نے فلسطینی

عوام کے خلاف جس درندگی کو جائز کر رکھا ہے اس کا مقابلہ مسلح مزاحمت ہی سے ممکن ہے۔

سیاسی اصلاحات سے مفر نہیں!

ملک کے اندرونی بحران پر مرشد عام نے گہری تشویش ظاہر کی۔ سیاسی جمود، تجر اور

حصار بندی، جس سے مصر گزر رہا ہے اور ملکی معیشت پر کاری ضرب لگا رہا ہے، سماجی تخریب اور

فساد، علمی و تہذیبی پسماندگی، ان ساری کمزوریوں نے مصر کو کھوکھلا کر دیا ہے اور اس کا ثقافتی و تمدنی

کردار ماند پڑ رہا ہے۔ شیخ عاکف نے اُن ناخوش گوار ترقیوں اور ملحدانہ اقدامات پر ناراضگی ظاہر

کی جن کی پلیٹ میں پوری عرب دنیا آگئی ہے اور جن کی وجہ سے بطور خاص مصر کی دفاعی حیثیت اور قومی سلامتی پر سوالیہ نشان لگ گیا ہے اور پورا خطہ عدم تحفظ کا شکار ہے۔ آج ایک عام شہری کے لیے ناممکن ہو گیا ہے کہ وہ اُن وقائع و حادثات اور المیوں سے غیر جانبدار رہے جو عراق، فلسطین اور سوڈان میں رونما ہو رہے ہیں یا شام اور ایران میں غیر ملکی مداخلت اور خارجی اثرات سے وقوع پذیر ہو رہے ہیں۔ مرشد عام نے مطالبہ کیا کہ مصر میں سیاسی اصلاحات کا آغاز کیا جائے، عوامی شراکت کو یقینی بنایا جائے۔ سیاسی پارٹیوں سے پابندیاں فی الفور ہٹائی جائیں۔ افراد کو آزادی دی جائے۔ ذمہ دار اور جوابدہ حکومت کی تشکیل ہو۔ عدلیہ آزاد اور باوقار ہو۔ انہوں نے ملکی ترقی کے لیے سیاسی اصلاحات کے نفاذ کو ناگزیر ٹھہرایا۔ یہی واحد راستہ ہے ملک سے معاشی ناہمواریوں اور انتظامی کرپشن کو ختم کرنے کا۔ انہوں نے اس سیاق میں ۲۰۰۵ء کے قومی پارلیمانی انتخابات سے قبل ایک مستقل بالذات اور آزاد عدالتی کمیشن کی تشکیل کیے جانے کا مطالبہ کیا۔ یہی کمیشن قومی انتخابات کی مکمل نگہبانی کرے اور امیدواروں کی نامزدگی سے لے کر نتیجہ کے اعلان تک سارے انتخابی عمل کی نگرانی کرے۔^{۵۲}

پارلیمانی انتخابات ۲۰۰۵ء

۸ دسمبر ۲۰۰۵ء کے پارلیمانی انتخابات میں محمد مہدی عاکف کی سربراہی میں اخوان المسلمون کے سیاسی کارکنوں نے آزاد امیدوار کی حیثیت میں، کیوں کہ اخوان کا نام استعمال کرنے پر قانونی پابندی ہے، حصہ لیا اور اپنی حیران کن فتح سے مغربی میڈیا اور عرب دنیا کو ششدر کر دیا۔ اسلام پسندوں کی اس انتخابی پیش رفت نے صدر حسنی مبارک کو، ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور دوسرے ملکوں کی حکومتوں کو شش و پنج میں مبتلا کر دیا جو مشرق وسطیٰ میں وسیع تر جمہوریت کی علمبردار اور اسلام پسندوں کی مقبولیت سے خائف تھیں۔^{۵۳}

اعلان شدہ نتائج کے مطابق حکمران جماعت National Democratic Party اور اُس

کی اتحادی جماعتوں کو ۴۵ سیٹوں میں سے ۳۳ نشستیں ملیں۔ آزاد امیدواروں اور سیکولر جماعتوں کی بھی پیش رفت رہی مگر اخوان المسلمون کی کامیابی سب سے بڑھ کر تھی۔ ۱۹٪ ووٹ جو اخوان کو ملے، وہ ۱۸۸ امیدواروں کی شاندار جیت پر منبج ہوئے جبکہ سابق پارلیمان میں اس کے پاس کل ۱۶ نشستیں تھیں۔ اس طرح اخوان اصل حزب اختلاف کی صورت میں ابھر کر سامنے آئے۔ حالانکہ مستقبل کے اندیشوں کو سامنے رکھتے ہوئے اخوان نے اپنے ۱۵۰ امیدوار ہی میدان میں اتارے تھے اور وہ بھی درجہ دوم کے کارکن اور قائد تھے۔

انتخابات میں زبردست دھاندلی، تشدد اور غیر قانونی حرکتوں کا استعمال، اسلام پسندوں کی پولنگ سے قبل اندھاؤندہ گرفتاریاں، ۷ دسمبر ۲۰۰۵ء کو کم از کم ۱۸ افراد کا ہیما نہ قتل، پولیس کا ووٹ ڈالنے والوں کو ہراساں کرنا اور انہیں پولنگ بوتھ پہنچنے سے روکنا، یہ سب مغربی میڈیا میں شائع شدہ حقائق ہیں۔ حزب اختلاف کے ترجمان الوفد نے سرخی لگائی:

”انتخابات پر بدوقوں کی حکومت۔“

حکومت حامی اخبار الجمهورية نے خطرہ کا اعلان کیا:

”ملاً دستک دے رہے ہیں۔“

اخبار نے خبردار کیا کہ اخوانی گرچہ ملک کے عملی و واقعی مسائل کو انتخابات کا موضوع بنا رہے ہیں مگر اسلام کو واحد حل کے طور پر پیش کر کے انہوں نے اپنا ایجنڈا اچھپا رکھا ہے۔ وہ سماجی ناہمواری، معاشرتی تشدد، خواتین پر ظلم و ستم، مذہبی اقلیتوں کے خلاف جارحیت اور شریعت کی بزور بالادستی کے قائل ہیں۔ اخوان نے ان تمام الزامات کی نفی کی۔ اس کے ترجمان محمد موری نے صراحت کی:

”پوری دنیا میں عوام جمہوریت پسند ہو رہے ہیں۔ انہیں اپنا رہنما خود منتخب کرنے کی آزادی ہے۔ ہمارا مقصد ہے ایک جمہوری اور عوامی حکومت کی تشکیل۔ ہم سیاسی اصلاح کے خواہش مند ہیں، اور ہمارے ملک کا دستور کہتا ہے کہ تمام قوانین کا اصل ماخذ قرآن ہے۔“ ۵۴

اسلام-واحد متبادل

۳ جنوری ۲۰۰۶ء کو المجلہ کے نمائندے نے مرشد عام محمد مہدی عاکف سے سوال کیا کہ پارلیمانی انتخابات کے دوران اخوان المسلمون نے ”اسلام ہی واحد متبادل“ کا نعرہ کیوں استعمال کیا، جو کہ سیاسی و انتخابی تناظر میں پارٹی کی مذہبی شناخت بن گئی ہے؟ یہ نعرہ ماضی میں محروم اور مظلوم عوام کے جذبات سے کھلواڑ کرتا آیا ہے اور اس سے اخوان کے سیاسی موقف کی ترجمانی نہیں ہوتی؟ اخوان تو اسلام کے حوالہ سے ایک ترقی پسند اور متمدن حکومت کی تشکیل کے خواہاں ہیں جس کی بنیاد عوامی حاکمیت پر ہے اور جو اسلام کے دائرہ کار میں پارلیمانی جمہوریت پر یقین رکھتے ہیں، پھر اس جذباتی نعرے کا استعمال چہ معنی دارد؟

مرشد عام نے فرمایا کہ ”اسلام-واحد متبادل“ محض ایک نعرہ نہیں، یہ عوام کے اس ایمان و ایتقان کا اعلان ہے کہ اسلام کے سوا مسائل کا کوئی حل نہیں ہے۔ اسلام ایک عقیدہ ہے، ایک قانون ہے، اخلاقیات کا، برتاؤ کا ایک نظام ہے۔ یہ نظام قانون سازی، عدلیہ، انتظامیہ تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔ یہ نعرہ ایک مخصوص منہج اور ایک منفرد طریقہ کار کا دروازہ کھولتا ہے جس سے سیاست و معیشت، تعلیم و تمدن، ابلاغ و تفریح اور سماج و معاشرت کے تمام مسائل سے تعامل کی راہ ہموار ہوتی ہے اور یہ نعرہ ملک کے قانون اور دستور سے مکمل ہم آہنگی رکھتا ہے۔ مرشد عام نے وضاحت کی کہ دستور کی دفعہ ۲ اعلان کرتی ہے کہ اسلامی شریعت تمام قوانین کا سرچشمہ ہے، آرڈیننس پارلیمانی انتخابات ۲۰۰۰ء سے بھی اس نعرہ کی تائید ہوتی ہے اور شعبہ انتظامی عدلیہ بھی اس نعرہ کی ملکی قانون سے موافقت کی حمایت کرتا ہے مگر حکومت نے شریعت اسلامیہ کے نفاذ کو برطرف کر رکھا ہے:

”اور مجھے آپ سے بالکل اتفاق نہیں ہے کہ اس نعرہ نے عوام کے جذبات اور

ہمدردانہ احساسات کے ساتھ کھلواڑ کیا ہے، یہ تو ایک مبنی بر معقولیت نعرہ ہے جس کا

زندگی کے تمام شعبوں میں اصلاحات کے وسیع تر نشاۃ پروجیکٹ سے براہ راست تعلق ہے۔ انتخابات میں حصہ لینے والے عوام نے فطری طور پر اسلامی متبادل کو ترجیح دی جو سوسائٹی کے تمام مسائل، بحرانوں اور تحدیات سے نجات دلانے والا واحد نظریہ حیات ہے اور اسی سے ترقی و بیداری کی راہ میں حائل تمام رکاوٹیں رفع ہو سکتی ہیں۔ ہم جب کہتے ہیں کہ اسلام ہی واحد حل ہے تو اس سے ہماری مراد ہوتی ہے کہ تمام مسلمانوں کو اسی حل کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور اسی کے دائرہ میں رہتے ہوئے انہیں اجتہاد کے عمل کو اختیار کرنا چاہیے بشرطیکہ وہ اجتہاد کی مطلوبہ شرائط پر کھرا اترتے ہوں۔ ہم اسلام پر کسی اجارہ داری کے قائل نہیں ہیں نہ اس کی بے روح تشریحات کو صحیح سمجھتے ہیں۔ یہ محض انسانی کوشش کا شرہ ہیں جن کی بنیاد اجتہاد ہے۔“

”اسلام پسند بوگا مبو“ کی نفی

نامہ نگار نے ایک چمھٹا ہوا سوال کیا کہ پارلیمانی انتخابات میں اخوان المسلمون کی حیرت انگیز پیش رفت سے مصری حکومت اور معاشرہ کا بااثر طبقہ خوف زدہ ہے اور وہ اسے اپنے لیے خطرہ تصور کرتا ہے، اس بارے میں آپ کا تبصرہ کیا ہے؟

محمد مہدی عاکف نے جواب دیا کہ خوف کی اصل وجہ رائج آمرانہ کلچر ہے جو صورت حال میں کسی تبدیلی کے لیے آمادہ نہیں ہے۔ انہوں نے فرمایا:

”مجھے نہیں معلوم، اخوان سے کس قسم کا خطرہ ہے۔ ہمارا ایسا کوئی منصوبہ نہیں ہے کہ ہم پارلیمان پر کبھی اقتدار حاصل کریں۔ اس مرحلہ میں ہمارا مقصد پارلیمان کی قابل ذکر متناسب نشستیں حاصل کرنا ہے تاکہ سیاسی گفت و شنید اور مفاہمت کے ذریعہ ملک کے اہم مسائل پر بحث کر سکیں، قومی مفادات کی آزادانہ ترجمانی کر سکیں اور مصری معاشرہ جس زوال پر گامزن ہے اسے لگام دے سکیں۔ ہم کوئی بوگا مبو کا کردار ادا

کرنے نہیں جا رہے ہیں جس سے عوام خوف زدہ ہوں۔ ہم عوام کے درمیان رہتے ہیں اور ان سے رواداری اور تحمل کا معاملہ کرتے ہیں۔ مصری حکومت اور مقتدرہ جماعت کے نمائندوں کے مقابلے میں، جو عوام کے بنیادی مسائل سے بہت دور اور زندگی کے مزے لوٹ رہے ہیں، ہم عوام الناس سے زیادہ قریب ہیں۔ تنظیم کے طریقہ کار کی بنیاد تمام مذاہب کے احترام اور سیاسی جماعتوں کے حقوق کے لیے جدوجہد پر ہے۔ الیکشن کے میدان میں قدم رکھنے کا ہمارا بنیادی مقصد کرپشن اور بدعنوانی کے خلاف جنگ کرنا اور ملک میں اصلاحات کو نافذ کرنا ہے خاص طور سے جبکہ پچھلی صدی نے مختلف قواں میں فساد اور تخریب کا مشاہدہ کیا ہے۔“

مرشد عام ایک غیر متوقع صورت حال کا سامنا کر رہے تھے جبکہ اخباری نمائندہ ان سے سوال کر رہا تھا کہ آج امریکہ اور مغرب کی طاقتیں، جو مصر میں مقتدرہ جماعت سے وسیع تر عوامی شراکت اور مزید جمہوری عمل کا مطالبہ کر رہی ہیں، اخوان سے خطرہ محسوس کرنے لگی ہیں، اس صورت حال پر ان کا ردِ عمل کیا ہوگا؟ مرشد عام کا برجستہ جواب تھا کہ مصری عوام نے اخوان کو حق حکومت (Mandate) عطا کیا ہے اور اس عوامی مینڈیٹ پر کوئی طاقت ڈاکہ نہیں ڈال سکتی۔ اخوان کو خطرہ کی گھنٹی قرار دینا صحیح نہیں ہے، یہ محض نادانی ہے۔ یہ برسوں سے ہونے والی سنجیدہ جدوجہد کی نہایت محدود تشریح ہے جو تنگ نظری پر مبنی ہے۔ اخوان نے انتخابی مہم کے دوران صاف ستھری امیج بنائی ہے جس میں کسی خوف، دباؤ یا دہشت کا کوئی عنصر شامل نہیں ہے۔ ملک میں جمہوری عمل میں اضافہ ہوگا تو پارلیمنٹ میں اخوان کی نشستوں کی تعداد بڑھے گی۔ حکومت کو باور کر لینا چاہیے کہ اخوانی دہشت کی جو فوبیا وہ پیدا کر رہی ہے اس سے سیاسی اصلاحات کی آوازیں بند نہیں ہوں گی اور جمہوریت اور انتقالِ اقتدار کے مطالبے مدہم نہیں پڑیں گے۔ آج پوری دنیا میں تبدیلی کی آوازیں اٹھ رہی ہیں۔ مصر میں اٹھنے والی تحریک کفایہ نے اپنی ترجیحات میں اس نعرہ کو شامل کر رکھا ہے کہ:

لَا لِلتَّوْرِيثِ وَلَا لِلتَّمْدِيدِ

(موروٹی اقتدار منظور نہیں نہ علیٰ حالہ صورت کی توسیع تسلیم ہے!)

اس تحریک نے موروٹی حکومت کے خلاف علم اٹھایا ہے اور یہ وہ ملعون ورثہ ہے جو فرعون کے دور سے چلا آرہا ہے۔

”اسی لیے میرا یقین ہے کہ اخوان کا فوبیا زیادہ موثر حربہ نہ بن سکے گا اور برسر اقتدار جماعت کو اپنے استبداد و آمریت، استحصالی ذہنیت اور حاکمانہ و جابرانہ طرز حکومت کی توجیہ کے لیے کسی اور فوبیا کی تخلیق کرنا ہوگی۔“^{۵۵}

اسلامی حکومت کی تشکیل

اخباری نمائندے نے اگلا سوال کیا قرآنی حکومت کی اقامت کے طریقہ کار کے بارے میں جبکہ اخوان المسلمون کا مشہور نعرہ ہے:

أَقِيمُوا دَوْلَةَ الْقُرْآنِ فِي قُلُوبِكُمْ تَقُمْ فِي أَرْضِكُمْ

(قرآن کی حکومت دلوں میں قائم کرو وہ تمہاری سرزمین پر قائم ہو جائے گی۔)

مرشد عام محمد مہدی عاکف نے فرمایا کہ اسلامی ریاست پر ہونے والی بحثوں کو پہلے انسانی رویوں اور برتاؤ میں منتقل ہونا چاہیے۔ یہ محض نظریاتی بحث نہیں ہے۔ ایمان تو ایک عقیدہ ہے جسے دل میں اتر کر عمل میں منعکس ہونا چاہیے:

”ہم مسلمان حکومت و ریاست کی نظریاتی بنیاد پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ چیز دوسرے مذاہب اور نظریات سے اسلام کو ممتاز بنا دیتی ہے۔ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا کہ بس ہم پر کشش نعرے بلند کریں، عوامی جذبات سے کھیل کریں اور اس طرح نفسیاتی خواہشات اور ذاتی مفادات کی تکمیل کریں۔ ایک مسلمان سے جو عوام کو دعوت دیتا ہو کہ وہ اسلامی اخلاق سے مزین ہوں، یہ توقع نا قابل تصور ہے کہ وہ خود

اسلامی اخلاقیات سے دور ہو! شیخ حسن البناؒ نے اسی پر تو زور دیا تھا جب انہوں نے یہ فرمایا تھا کہ ”ہم پروا جب ہے کہ ہم اس دعوت کا عملی نمونہ بنیں جس کی طرف ہم دوسروں کو بلاتے ہیں۔ ایک اخوانی اپنے رفقاء اور دوسرے ہم وطنوں سے کیسے بے انصافی کر سکتا ہے جبکہ وہ عدل کے قیام کا داعی ہے؟ ایک ظالم شخص حریت اور مساوات کی طرف رہنمائی کیسے کر سکتا ہے؟ جو شخص اپنی فیملی کے حقوق کی رعایت نہیں کرتا وہ ہیومنزم اور انسانیت نوازی کا نقیب بن سکتا۔“

اسلامی حکومت کی تشکیل کے طریق کار پر گفتگو کرتے ہوئے مرشد عام نے فرمایا: ”مجھے اعتراف ہے کہ تحریک کے متعلقین و متنبین کا ایک اقلیتی طبقہ یہ باور کرتا ہے کہ اقتدار پر قبضہ کرنا مقدس فریضہ ہے، مگر یہ غلط ہے کیوں کہ اخوان کا مقدس ہدف معاشرہ کی اصلاح ہے۔ ہم بھرپور جدوجہد کر رہے ہیں کہ حکومت کے اندرون میں اصلاح ہو، ریاستی اداروں میں، اپنے دلوں میں اور عوام میں تبدیلی آئے۔ ہم پچھلے ستر سالوں سے اسی تبدیلی کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں اور آج معاشرہ کے مختلف طبقوں میں، غریب ہوں یا امیر، تعلیم یافتہ ہوں یا عام آدمی، اسلامی بیداری بڑھ رہی ہے۔ آج اسلام مسلم بیداری کے لیے ایک قوت محرکہ بن چکا ہے اور مسلم دنیا میں تسلط، استعمار اور مسلمانوں کے مورال کو پست کرنے کی سازش کے خلاف موثر مزاحمت کی علامت ہے۔ عراق و فلسطین کی قومی مزاحمت میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔ کہیں بھی تحریک اسلامی کا مقصد بس اقتدار پر قبضہ کرنا نہیں ہے۔“ ۵۶

مرشد عام محمد مہدی عاکف کی سربراہی میں اخوان المسلمون مصر اور عالم عرب میں احیائے اسلام کی جدوجہد میں مصروف رہی۔ بدلتے حالات میں دعوت و اقامت دین کی نئی راہیں انہوں نے تلاش کیں۔ آج وہ پورے اخلاص و للہیت کے ساتھ اسلامی معاشرہ کی تعمیر میں مصروف ہیں۔ ۵۷

آخر کار ۱۶ جنوری ۲۰۱۰ء کو مرشد عام محمد مہدی عاکف نے اپنی خرابی صحت کی بنا پر انتخاب عام کروایا

اور نئے مرشد عام ڈاکٹر محمد البدیع کے ہاتھوں تنظیم کی باگ ڈور سونپ دی۔

ڈاکٹر محمد البدیع

اخوان المسلمون کے نو منتخب مرشد عام ڈاکٹر محمد البدیع نے بتایا کہ گزشتہ ۱۰ برسوں میں اخوان کے ۳۰ ہزار سے زائد افراد کو گرفتار کیا گیا اور اگر ان سب کی گرفتاری کی مدت کو جمع کیا جائے تو وہ مجموعی طور پر ۱۵ ہزار سال سے متجاوز ہو جاتی ہے۔ گزشتہ تقریباً تین عشروں سے اقتدار پر قابض مصری صدر حسنی مبارک، اپنی قوم کے ان بہترین ۱۵ ہزار برسوں کو جیلوں کی نذر کر دینے کا جواب اپنے رب کو تو جو دے گا سودے گا لیکن اس نے اپنے قریب ترین ساتھیوں کو بھی ضمیر کا مجرم بنا دیا ہے۔ ایک سابق وزیر اعظم عزیز صدقی، اپنی اس خلش کا اظہار پوری قوم سے معذرت کرتے ہوئے کر چکے ہیں۔ مرشد عام کے بقول وزیر اعظم صدقی نے کہا:

”ہم نے اخوان المسلمون کے ساتھ جو بھی زیادتیاں کی ہیں، ہم پورے مصر سے اس

کی معذرت چاہتے ہیں۔ ہم نے مصر کو ایسے شہ دماغ افراد سے محروم رکھا کہ جو اسے

ترقی اور بلندی کی اعلیٰ منزلوں تک پہنچا سکتے تھے۔“

مرشد و بانی امام حسن البنا شہید اور صاحب تفسیر قرآن سید قطب سے۔ لے موجودہ مرشد عام

اور ان کے ساتھیوں تک کسی بھی شخصیت کا جائزہ لے لیجیے، یکے بعد دیگرے آنے والے ہر فرعون

مصر نے دنیا کو ان تمام نابغہ روزگار ہستیوں سے محروم رکھا۔ ۱۹۹۹ء میں مصر کی طرف سے سرکاری سطح

پر شائع ہونے والی سائنسی انسائیکلو پیڈیا میں پورے عالم عرب کی چوٹی کی ۱۰۰ علمی شخصیات کا ذکر

ہے۔ نو منتخب مرشد عام ڈاکٹر محمد البدیع ان ۱۰۰ میں سے ایک ہیں۔ عالم عرب میں، پتھالوجی میں ان

کے پایہ کی کوئی اور شخصیت ملنا محال ہے۔ پوری دنیا میں وٹرنری سائنسز کے ماہرین کی فہرست بنی تو

ان کا شمار چوٹی کے پہلے دس افراد میں سے ہوا۔ ایسی اعلیٰ علمی شخصیت اور اخوان سے تعلق.....؟

اٹھا کر جیل میں پھینک دو۔ فرعون مصر نے فیصلہ صادر کیا۔ انہیں سب سے پہلے ۱۹۶۵ء میں سید

قطب کے ہمراہ گرفتار کیا گیا۔ سید قطب کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا اور ڈاکٹر محمد بدیع کو ۱۵ سال قید با مشقت کی سزا سنائی گئی۔ نو سال کی سزائے بے جرم کے بعد رہا کر دیے گئے۔ پھر چند ماہ کے لیے متعدد بار گرفتار کیے گئے، لیکن ۱۹۹۹ء میں دوبارہ گرفتار ہوئے تو سواتین سال گرفتار رہے۔ ایک وہی نہیں اخوان کی پوری تاریخ میں جو جتنا بلند پایہ عالم..... جتنا زیادہ ذمہ دار..... جتنا فعال و مخلص و مصلح کارکن تھا، معاشرے کو اس کے خیر سے اتنا ہی زیادہ محروم رکھا گیا۔

ان تمام عقوبتوں، مظالم و قید و بند کی صعوبتوں کے باوجود نو منتخب مرشد عام ڈاکٹر محمد بدیع نے ۱۶ جنوری ۲۰۱۰ء کو اپنے انتخاب کے بعد پہلے خطاب میں کہا: اخوان کبھی حکومت کے حریف اور دشمن نہیں رہے۔ ہم کبھی مخالفت برائے مخالفت پر یقین نہیں رکھتے۔ خیر میں تعاون اور شر کی مخالفت کرنا ہمارا دینی فریضہ ہے اور ہم اسی بنیاد پر حکومت کی طرف تعاون کا ہاتھ بڑھاتے ہیں۔ اس خطاب کو ابھی ایک ماہ بھی پورا نہیں ہوا تھا کہ تین ہفتے کے اندر اندر مکتب ارشاد کے تین بزرگ ارکان سمیت مزید درجنوں رہنما و کارکنان گرفتار کر لیے گئے۔ ساتھ ہی ساتھ نو منتخب مرشد عام اور اخوان کے خلاف پروپیگنڈا عروج پر پہنچا دیا گیا۔ اخوان میں اختلافات کی بات کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جا رہا ہے۔ مرشد عام کو سید قطب کے ہمراہ گرفتار ہونے پر قطبی کہہ کر پکارا جا رہا ہے اور اس سے مراد یہ لی جا رہی ہے کہ وہ تشدد پر یقین رکھتے ہیں۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ سید قطب کو القاعدہ سمیت تمام مسلح تنظیموں اور دوسروں پر تکفیر کے الزامات لگانے والوں کا اصل فکری رہنما ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ خود پاکستان میں کئی حضرات کو یہی جادوئی چھڑی تھما دی گئی ہے۔ وہ سید قطب شہید کی تحریروں کی قطع و برید کر کے اور کئی جملوں کو توڑ مروڑ کر اپنی مرضی کی تفسیر و تشریح کا جامہ پہناتے ہوئے ان پر تہر بازی کر رہے ہیں۔

شخصی اقتدار کی مخالفت

مرشد عام ڈاکٹر محمد بدیع نے بھی اپنے اولین انٹرویو میں اس موضوع پر تفصیل سے بات کی

ہے۔ انہوں نے کہا کہ سید قطب کی تحریروں اور ان تشدد آمیز جماعتوں کے مابین کوئی ربط پیدا کرنا قطعی بلا جواز ہے۔ الاخوان المسلمون خاص طور پر جناب حسن الہیسی (سید قطب کے زمانے میں مرشد عام) نے اس راستے کی شدید مخالفت کی تھی۔ انہوں نے ان تمام لوگوں کو اخوان کی صفوں سے خارج کر دیا تھا کہ جنہوں نے تبدیلی کے لیے پُر تشدد راہ چھوڑنے سے انکار کیا۔ انہوں نے اس ضمن میں ایک شاہکار کتاب لکھی دَعَاة لِقَضَاة (داروغہ نہیں داعی) اور میں ان چار افراد میں سے ایک تھا کہ جنہوں نے اپنے ہاتھوں سے اس کتاب کے قلمی نسخے تیار کیے۔ مرشد عام محمد بدیع نے مزید کہا: ”یہ سراسر بہتان اور جھوٹ ہے کہ الاخوان المسلمون نے حکمرانوں میں سے کسی کے خلاف تکفیر کے فتوے جاری کیے ہیں۔ یہ بات اخوان کے طے شدہ منہج سے متصادم ہے۔ سید قطب کو کسی تشدد یا تکفیری منہج کا ہم نوا قرار دینا کسی طور درست نہیں ہو سکتا۔ آج اگر سید قطب زندہ ہوتے تو وہ یقیناً خود ان تمام لوگوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے اور انہیں اس فکر و عمل سے واپس لانے کی سعی کرتے۔“ مرشد عام نے کہا: میں نے ایک امریکی دانش ور مسٹر روگن کی کتاب The Arab پڑھی ہے۔ اس میں وہ لکھتا ہے: ”سید قطب کو ڈکٹیٹر حکومتیں اور ظالم شخصیتیں اس لیے ناپسند کرتی تھیں کہ وہ ان کے ظلم و استبداد کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ ہر امن جہاد اور عوام کو خواب غفلت سے بیدار کر کے ان کا مقابلہ کر رہے تھے۔“ مرشد عام نے حکمرانوں کو متنبہ کرتے ہوئے کہا کہ: ”جب بھی ہمیں اسلام کی میانہ رو اور مبنی بر اعتدال دعوت پھیلانے سے روکا گیا تو یہاں ہر جانب خاردار جھاڑیاں اُگ آئیں اور مصر میں دہشت گردی نے جنم لیا۔ ہم آج بھی حکمرانوں کو خبردار کر رہے ہیں کہ اگر وہ اسی طرح شخصی اقتدار پر اصرار کرتے رہے، اور کسی دوسرے کی نصیحت پر کان نہ دھرنے کی پالیسی پر گامزن رہے تو مصر ایک ایسے بند کمرے میں بدل جائے گا کہ جس میں گیس بھر گئی ہو، ایسے میں کہیں سے کوئی ادنیٰ سا شرارہ بھی سب کچھ بھسم کر کے رکھ دیتا ہے۔“

اخوان اور ان کی قیادت پر تشدد کے الزامات اور ان پر ڈھائے جانے والے مظالم کا سلسلہ طویل عرصے سے جاری ہے، لیکن خود مصری عوام نے اس پورے پروپیگنڈے کو مسترد کر دیا ہے۔

حال ہی میں ایک امریکی ادارے نے مصر میں سروے کروایا تو ۶۹ فی صد عوام نے کہا کہ ”اخوان المسلمون جمہوریت اور پُر امن جدوجہد پر یقین رکھنے والی جماعت ہے۔“ ۷۵ فی صد عوام نے ملک میں حقیقی جمہوری نظام کو ترقی اور خوش حالی کا اصل راستہ قرار دیا۔ اخوان المسلمون کے حالیہ جماعتی انتخابات نے اخوان کی حقیقی جمہوری شناخت کو مزید واضح کیا ہے۔ خود اخوان کے لیے بھی یہ انتخابات کئی نئی روایات کا باعث بنے۔ اخوان کی ۸۱ سالہ تاریخ میں پہلی بار ایک مرشد عام کی زندگی میں، خود ان کی بااصرار معذرت کے بعد نئے مرشد عام کا انتخاب ہوا۔ اس سے پہلے بانی مرشد عام امام حسن البنا کو تو شہید کر دیا گیا تھا۔ پھر حسن الہیسی (۱۹۵۱ء سے نومبر ۱۹۷۳ء تک)، عمر التمسانی (۱۹۷۳ء سے ۲۲ مئی ۱۹۸۶ء)، محمد حامد ابو النصر (مئی ۱۹۸۶ء سے ۲۰ جنوری ۱۹۹۶ء تک)، مصطفیٰ مشہور (فروری ۱۹۹۶ء سے ۱۷ اکتوبر ۲۰۰۲ء) اور مامون الہیسی (۲۶ نومبر ۲۰۰۲ء سے ۹ جنوری ۲۰۰۴ء) اپنی وفات تک مرشد عام رہے۔ تب اخوان کے بعض احباب یہ ذاتی سوچ بھی پیش کیا کرتے تھے کہ مشاورت اور اجتماعی جدوجہد تو یقیناً اسلامی تحریک کا خاصہ ہے، لیکن سربراہ کو بار بار بدلنا مناسب نہیں ہے۔ اس لیے منتخب مرشد عام ہی دوبارہ منتخب ہو جاتا۔ محمد مہدی عاکف اخوان کی تاریخ میں پہلے مرشد عام ہیں، جنہوں نے اپنی زندگی ہی میں خود اپنا جانشین منتخب کروایا۔ اس موقع پر بعض ایسے واقعات بھی ہو گئے کہ جنہیں ذرائع ابلاغ نے خوب بڑھا چڑھا کر پیش کیا۔ خاص طور پر سابق نائب مرشد عام ڈاکٹر محمد حبیب صاحب کی طرف سے مکتب ارشاد کے بعض اندرونی اختلافات کو ذرائع ابلاغ میں دینے کے واقعے کو اخوان کے دودھڑوں میں تقسیم ہو جانے کا رنگ دیا گیا۔ اسی طرح مرشد عام کو ”قطبی“ اور بنیاد پرست ہونے کا بے جا لقب دے دیا گیا اور نائب مرشد عام ڈاکٹر محمد حبیب اور ڈاکٹر محمد المنعم ابو الفتوح جیسے سرکردہ احباب کو اصلاح پسند دھڑا کہا جانے لگا، حالانکہ یہ دونوں اصطلاحات، صرف الزامات کا درجہ رکھتی ہیں۔ مرشد عام نے کہا کہ مجھے اپنے عزیز و محترم بھائی سے الگ کرنے کا پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے حالانکہ میرا ان سے اس طرح کا تعلق خاطر ہے کہ میں نے اپنے پوتے کا نام، انہیں کے نام پر حبیب رکھا ہوا ہے۔

تحریک کے اندر جمہوریت

اخوان کے حالیہ انتخابات اس حوالے سے بھی منفرد تھے کہ جب ذرائع ابلاغ میں اخوان کے بارے میں پروپیگنڈا عروج پر تھا تو اخوان نے اپنے اس تنظیمی دستور اور طریق کار کا بھی کھلم کھلا اعلان کر دیا کہ جو امن و امان کی مخصوص صورت حال کے باعث، اس سے پہلے صرف تنظیمی ذمہ داران کی حد تک محدود رہتا تھا۔ اس دستور میں مصر کے اندر بھی اخوان کی تنظیم و طریق کار کو واضح کیا گیا ہے اور اخوان کی عالمی تنظیم کا نظام بھی۔ اس اعلان کردہ طریق کار کے مطابق اخوان کے ارکان مجلس شوریٰ کا انتخاب کرتے ہیں، مجلس شوریٰ مکتب ارشاد کا انتخاب کرتی ہے اور مکتب ارشاد، مرشد عام کا انتخاب کرتا ہے۔ یہی مکتب، شوریٰ کے طے شدہ طریق کار کے مطابق جماعت کے اکثر فیصلے اور پالیسیاں نافذ کرتا ہے۔ نئے مرشد عام کے اعلان کے وقت منعقد کی گئی پریس کانفرنس میں، مکتب ارشاد کے تمام ارکان بھی وہاں موجود رہے، جن کے ناموں کا اس سے پہلے یوں اعلان نہ کیا جاتا تھا۔ اخوان کا یہ نیا پن اور کھلا پن، نظام کو چیلنج کرنے سے زیادہ تمام تر مشکل حالات کے باوجود کھل کر کام کرنے کے عزم کا اظہار ہے۔ گزشتہ تین سال میں اخوان کے ساڑھے سات ہزار سے زائد کارکنان گرفتار کیے گئے۔ تقریباً اڑھائی سو کارکنان کے پورے کے پورے کاروبار، جائیدادیں اور کمپنیاں ضبط کر لی گئیں۔ اس سب کچھ کے باوجود اب مزید کھل کر کام کرنے کا جذبہ کسی روحانی اور الٰہی توفیق کے بغیر نہیں ہو سکتا۔^{۵۸}

حواشی و تعلیقات

- ۱۔ شیخ علی عبدالرازق (۱۸۸۸-۱۹۶۶ء) مصری شریعہ کورٹ کے جج، مختلف فیہ مصنف، جن کی معروف زمانہ کتاب 'الإسلام و أصول الحكم بحث في الخلافة و الحكومة في الإسلام' قاہرہ سے پہلی بار ۱۹۲۵ء میں شائع ہوئی اور عالم عرب میں شدید مخالفت و اضطراب کا سبب بنی۔ علماء ازہر کی مجلس اعلیٰ نے اس کتاب پر پابندی لگادی اور اس کے مصنف کو جج کے عہدہ سے معزول ہونا پڑا۔ مصنف مصر کی المینا ولایت کے ایک گاؤں البوجرج کے ایک مشہور زمیندار گھرانہ سے تعلق رکھتے تھے۔ جامعہ ازہر اور آکسفورڈ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد المنصورہ شریعہ کورٹ میں جج مقرر ہوئے۔ اپنے بھائی کی خدمات اور زندگی پر شیخ نے 'من آثار مصطفى عبدالرازق' کی ترتیب کی جو قاہرہ سے ۱۹۵۷ء میں شائع ہوئی۔ ان کی تیسری تصنیف 'الإجماع في الشريعة الإسلامية' قاہرہ ہی سے ۱۹۴۷ء میں شائع ہوئی۔
- ۲۔ ڈاکٹر طہ حسین (۱۸۸۹-۱۹۷۱ء) مصر کے ناول نگار، ادیب اور متجدد بالائے مصر کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں آنکھوں کی بینائی سے محروم ہو گئے۔ ۱۹۰۲ء میں ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد قاہرہ آئے اور جامعہ الازہر میں داخلہ لے لیا مگر جلد ہی وہاں سے نکل کر قاہرہ یونیورسٹی پہنچ گئے جہاں سے ۱۹۱۴ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے یورپ کا سفر کیا اور ۱۹۱۹ء میں پیرس سے دوبارہ ڈاکٹریٹ کیا۔ وہیں ایک فرانسیسی خاتون سوزان سے شادی کر لی۔ ۱۹۵۰ء سے ۱۹۵۲ء کے سالوں میں وزارت تعلیم کے ایک مشیر اور پھر باقاعدہ وزیر تعلیم کی حیثیت میں انہوں نے مغربی تعلیمی نظام کی روشنی میں تعلیمی اصلاحات کے اقدامات کیے۔ طہ حسین کی اصل شہرت ان کی ادبی و تنقیدی تخلیقات اور متنازع افکار و نظریات کی وجہ سے ہوئی 'الشعر الجاہلی' کے علاوہ ان کی ایک اختلافی کتاب 'مستقبل الثقافة في مصر'

بھی ہے جس میں مغرب کی تقلید پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ خود نوشت 'الایام' کو عربی ادب میں ممتاز مقام حاصل ہوا۔

۳۔ قاسم امین (۱۸۶۳-۱۹۰۸ء) مصر کے معروف ادیب اور اسلامی مصلح جنہیں 'مُحَرَّرُ الْمَرْأَةِ' (عورتوں کو آزادی دلانے والا) کا خطاب دیا گیا۔ ایک گاؤں طرہ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد امیرِ آلائی محمد بک امین کے ساتھ اسکندریہ منتقل ہو گئے وہیں اور قاہرہ میں تعلیم و تربیت مکمل ہوئی۔ فرانس سے لائیں ڈگری حاصل کی۔ ۱۸۸۵ء میں وطن واپس ہوئے اور ملازمت اختیار کر لی۔ قاہرہ میں وفات ہوئی۔ ان کی دونوں کتابوں 'تحریر المرأة' اور 'المرأة الجديدة' نے مصر میں بڑا ہنگامہ برپا کیا۔ ان کی ایک تصنیف 'کلمات قاسم بك امین' بھی طبع ہو چکی ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے سطوت ریحانہ، قاسم امین کی سماجی اور ادبی خدمات، اسلامک بک فاؤنڈیشن، نئی دہلی، ۱۹۹۷ء۔

۴۔ سید محمد بن صفدر جمال الدین افغانی (۱۸۳۸-۱۸۹۷ء) افغانستان کے شہر اسعد آباد میں پیدا ہوئے اور کابل میں پروان چڑھے۔ یورپ، ایشیا اور عالم اسلام کا دورہ کیا اور وہاں اصلاح و بیداری کی روح پھونکی۔ شیخ محمد عبدہ کے ساتھ مل کر پیرس سے ۱۸۸۴ء میں 'العروة الوثقی' جاری کیا۔ عربی، فارسی، ترکی اور سنسکرت زبانوں کے ماہر تھے۔ فرانسیسی، انگریزی اور روسی زبانیں بھی سیکھی تھیں۔ آپ کی کتابیں تاریخ الأفغان، رسالۃ الرد علی الدھرین طبع ہو چکی ہیں۔ محمد پاشا مخزومی نے آپ کی بیشتر آراء و نظریات کو خطاطرات جمال الدین الأفغانی میں جمع کر دیا ہے۔ محمد سلام مدکور کی 'جمال الدین الأفغانی باعث النهضة الفكرية في الشرق' آپ کی زندگی اور مشن کا اچھا تجزیہ کرتی ہے۔

۵۔ مفتی محمد عبدہ (۱۸۴۹-۱۹۰۵ء) مصر کے ایک گاؤں شنرا میں پیدا ہوئے۔ بحیرہ کے محلہ نصر میں پروان چڑھے۔ تعلیم الجامع الاحمدی طنطا اور پھر جامعۃ الازہر میں ہوئی۔ جریدہ الوقائع المصریہ کی ادارت بھی کی۔ فرانسیسی زبان بھی سیکھی۔ برطانوی احتلال کے بعد عربی انقلاب میں پیش

پیش رہے تین ماہ گرفتار رہے پھر جلاوطن کر دیے گئے۔ ۱۸۸۴ء میں العروة الوثقیٰ پیرس سے نکالا۔ ۱۸۸۸ء میں وطن واپس ہوئے اور بعد میں دیار مصریہ کے مفتی مقرر ہوئے۔ اسکندریہ میں آپ کی وفات ہوئی۔ ناکمل تفسیر القرآن الکریم کے علاوہ رسالۃ التوحید، رسالۃ الواردات، الإسلام والنصرانية مع العلم والمدنية وغیرہ آپ کی اہم تصنیفات ہیں۔

۶۔ سید محمد رشید رضا (۱۸۶۵-۱۹۳۵ء) طرابلس کے قریب ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کتب میں حاصل کرنے کے بعد شیخ حسین الجسر (م ۱۹۰۹ء) کے مدرسہ سے جدید علوم اور اسلامیات کی تکمیل کی یہاں ترکی اور فرانسیسی زبانیں سیکھنے کا بھی موقع ملا۔ امام غزالی اور امام ابن تیمیہ سے آغاز ہی سے مستفید ہوتے رہے۔ انیسویں صدی کے اواخر میں مصر پر پاشلی اصلاحی تحریک سے وابستہ ہو گئے۔ ۱۸۹۷ء میں محمد عبدہ سے وابستگی اختیار کر لی۔ ۱۸۹۸ء میں قاہرہ سے اپنا رسالہ المنار جاری کیا جو ان کی وفات تک پابندی سے نکلتا رہا۔ آپ کے افکار کا مرکزی نکتہ اسلام کا تصور خلافت ہے۔ اس موضوع پر آپ نے 'الخلافة أو الإمامة العظمیٰ'، 'تحریر کی اور اس نظام کے احیاء کے لیے عملی جدوجہد کی۔ استاذ عبدہ کی تفسیر قرآن جو تفسیر المنار کے نام سے معروف ہے، کی ۱۲ جلدوں میں ترتیب و تدوین آپ کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ تین جلدوں میں 'تاریخ الأستاذ الإمام الشیخ محمد عبدہ'، 'نداء للجنس اللطیف'، 'الوحي المحمدي'، 'یسر الإسلام وأصول التشريع العام'، 'الوهابيون والحجاز'، 'شبهات النصرانی و حجج الإسلام' آپ کی اہم کتابیں ہیں۔

۷۔ مصطفیٰ صادق الرفاعی (۱۸۸۱-۱۹۳۷ء) مصر کے ادیب، شاعر اور اسلامی مصنف کی پیدائش بہتیم میں اور وفات طنطا میں ہوئی۔ کلاسیکی اسلوب نگارش کے ماہر اور دور جدید کے جاظ سمجھتے جاتے ہیں۔ مصر میں قدیم و جدید اور اسلام و مغرب پرستی کی کشمکش میں وہ اسلام کے ترجمان اور وکیل تصور کیے جاتے ہیں اس ضمن میں 'اعجاز القرآن والبلاغة والنبوة' اور 'تحت راية القرآن' ان کی معروف تصانیف ہیں۔ طحسین کی الشعر الجاهلی کا جواب بھی آپ نے

‘المعركة’ کے نام سے دیا۔ آپ کی دیگر تصنیفات میں تین اجزاء میں دیوان شعر، دو حصوں میں تاریخ آداب العرب، ردّ علیٰ العقاد، تین حصوں میں وحی القلم کافی مشہور ہیں۔ محمود ابوریہ نے رسائل الرافعی کے نام سے آپ کے ادبی و سیاسی رسائل کو جمع کر دیا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے محمد سعید العریان کی ‘حیاء الرافعی’۔

۸۔ محمد فرید وجدی (۱۸۷۸-۱۹۵۴ء) مصر کے نامور محقق اور ماہر انشا پرداز، اسکندریہ میں پیدائش ہوئی۔ وہیں پروان چڑھے۔ کچھ دنوں تک دمیاط میں بھی رہے جہاں ان کے والد وکیل محافظ تھے۔ پھر والد ہی کے ساتھ سوئز کے علاقہ میں منتقل ہو گئے اور وہاں سے مجلہ الحیاء نکالا۔ وہیں سے ۱۸۹۹ء میں الفلسفة الحقّة فی بدائع الاکوان بھی شائع کی۔ فرانسیسی زبان میں تطبیق الديانة الاسلامية علیٰ نوامیس المدنية، لکھی اور خود ہی عربی میں اس کا ترجمہ اسی نام سے شائع کیا لیکن اگلی اشاعت میں عربی نام بدل کر ‘المدينة والاسلام’ رکھ دیا۔ قاہرہ میں دیوان الاوقاف میں معمولی ملازمت بھی کی اس کے بعد روزنامہ ‘الدستور’ اور پھر ہفت روزہ ‘الوجدیات’ بھی جاری کیا۔ دس جلدوں میں دائرۃ معارف القرن الرابع عشر العشرین مرتب کی جو اہم علمی اور تحقیقی کارنامہ ہے۔ قرآن پاک کی مختصر تفسیر ‘صفوة العرفان’ کے نام سے لکھی۔ قاسم امین کی المرأة الحديده کے جواب میں المرأة المسلمة، تحریر کی اور اسلام کا مدلل دفاع کیا۔ اسی نوعیت کی آپ کی دوسری کتاب نقد کتاب الشعر الجاهلی لطفہ حسین، بھی معروف ہے۔ بیس سالوں سے زائد عرصے تک مجلہ الأزهر کی ادارت کی۔ قاہرہ ہی میں آپ کا انتقال ہوا۔

۹۔ محب الدین الخطیب (۱۸۸۶-۱۹۶۹ء) دمشق میں پیدا ہوئے وہیں اور پھر آستانہ میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۳۲۲ھ میں دمشق میں النهضة العربية انجمن کی بنیاد ڈالنے میں آپ بھی شامل تھے۔ صنعاء منتقل ہوئے تو ترکی کے مترجم کی حیثیت میں کام کیا۔ ۱۹۰۸ء کے عثمانی دستور کے اعلان کے بعد دمشق واپس آ گئے۔ ۱۹۰۹ء میں المؤید قاہرہ کی ادارت میں بھی ہاتھ بٹایا۔

۱۹۱۶ء میں عربی انقلاب کا اعلان ہوا تو اس کی حمایت کی۔ جریدہ القبلة کی ادارت سنبھالی تو اس کے ذریعہ آزادی کی روح پھونگی چنانچہ عثمانی حکومت نے غائبانہ میں ان کو پھانسی کی سزا سنائی۔ دمشق سے عثمانیوں کے انخلاء کے بعد ۱۹۱۸ء میں وہ واپس آ گئے اور جریدہ العاصمة کی ادارت کی۔ ۱۹۲۰ء میں وہاں فرانسیزیوں کے داخلہ کے بعد وہ قاہرہ چلے گئے اور وہاں سے مجلہ الزہراء اور الفتح نکالا۔ وہ جمعیت الشبان المسلمین کے اولین بانیوں میں سے تھے۔ ۶ سالوں تک مجلہ الأزهر کے مدیر رہے۔ المکتبة السلفية قائم کر کے متعدد کلاسیکی عربی کتابیں طبع کیں۔ مشہور تصانیف یہ ہیں: اتجاه الموجات البشرية في جزيرة العرب، تاريخ مدينة الزهراء بالأندلس، ذكرى موقعة حطين، الأزهر ماضيه وحاضره والحاجة إلى إصلاحه، الرعیل الأول فی الاسلام وغیرہ۔

۱۰۔ خلیل احمد حامدی، اخوان المسلمون، تاریخ، دعوت، خدمات، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی، ۱۹۸۱ء، ص ۲۳-۲۴

۱۱۔ انور الجندی، حسن البنّا الداعیة، الامام، المجدّد، اردو ترجمہ محمد سمیع اختر، حسن البنّا شہید، ہلال پبلی کیشنز، کلکتہ، ۱۹۹۱ء، ص ۳۱۸

۱۲۔ شیخ حسن البنّا کی مظلومانہ شہادت کے بعد اخوان کی اعلیٰ صفوں میں بڑی قد آور شخصیات قیادت کے لیے موجود تھیں اور وہ سب مرشد عام کے منصب کے لیے موزوں تھے، صالح عثمادی ایڈوکیٹ، استاذ عبدالرحمن البنّا (حسن البنّا کے حقیقی بھائی)، عبدالحکیم عابدین (سکریٹری جنرل اخوان)، استاذ الباقوری (عالم دین) وغیرہ ارکان نے آپس میں قیادت کے مسئلہ پر غیر رسمی گفتگو شروع کی بالآخر بحث کے دوران استاذ منیر الدلہ نے جو اُس وقت پارلیمنٹ کے رکن تھے، ایک تجویز پیش کی اور دو اہم ارکان استاذ فرید عبدالحالقی اور استاذ صالح ابورقیق نے حمایت کی۔ تجویز یہ تھی کہ اخوان کی جانی پہچانی شخصیتوں کے بجائے ایسا کارکن اس منصب کے لیے منتخب ہو جو ایک تو عدلیہ میں سے ہو اور دوسرے زیادہ مشہور نہ ہو۔ چنانچہ ۱۹۵۲ء میں استاذ صالح عثمادی

کے مکان پر اخوان کی مجلس تاسیسی کے ارکان نے متفقہ طور پر استاذ حسن البھیمی کو دوسرا مرشد عام چُن لیا اور ان کے ہاتھ پر سب نے بیعت کی۔ دیکھیے السید عمر تلمسانی، الشرق الأوسط میں عصام الغازی کے ذریعہ لیے گئے انٹرویو کی سلسلہ وار قسطیں، اردو ترجمہ حافظ محمد ادریس، یادوں کی امانت، البدر پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۲۰۴-۲۰۵۔

۱۳۔ جماعة التكفير والهجرة، مصر کی ایک انقلابی اور تشدد پسند جماعت، جس نے جولائی ۱۹۷۷ء میں وزیر اوقاف شیخ محمد حسین ذہبی کو قتل کیا۔ یہ لوگ اپنے کو جماعت المسلمین کہتے ہیں مگر پریس نے انہیں مندرجہ بالا نام دیا جس کا مطلب ہے کہ نام کے مسلمانوں کو انہوں نے کافر قرار دیا اور سچے مسلمانوں پر نام نہاد مسلم معاشرہ سے ہجرت کر جانے کو واجب کہا۔ اس جماعت کے رہنما شکری احمد مصطفیٰ (پیدائش ۱۹۴۲ء) کو شیخ ذہبی کے قتل کے الزام میں ۲۹ مارچ ۱۹۷۸ء کو چند دوسرے مجرموں کے ساتھ تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ شکری کا فتویٰ تھا کہ تمام مسلمان معاشرے غیر مسلم معاشرے ہیں صرف اس جماعت کے ارکان سچے مسلمان ہیں، نیز پورا فقہی سرمایہ قابل رد ہے کیوں کہ یہ محض انسانی کوششوں کا مجموعہ ہے۔ حدیث کی جمع و تدوین کا پورا ذخیرہ اس جماعت کے نزدیک مردود ہے یہ کلاسیکی ادبیات اور امہات کتب کو رد یا بُرد کر دینے کے لیے تائید کرتی ہے۔ یہ بات بڑی دلچسپ ہے کہ مصری اعلیٰ جنس نے وہاں کی اسلامی تحریکوں کو کچلنے کے لیے جماعت الکفر کے نوجوانوں کو آگہ کار بنایا، کیوں کہ اس جماعت کے نقطہ نظر کے مطابق یہ تمام اسلامی تحریکیں مرتد اور واجب القتل تھیں کیوں کہ وہ اسلامی فقہ کی تخفیز کا مطالبہ کر رہی تھیں۔ چنانچہ مصری حکومت نے اسلامی قائدین اور نوجوانوں کو اس جماعت کے واسطے سے چُن چُن کر قتل کیا

۱۴۔ حسن اسماعیل البھیمی، دُعَاةُ لاقضاء أبحاث في العقيدة الإسلامية ومنهج الدعوة إلى

الله، دار الطباعة والنشر الإسلامية، قاہرہ، ۱۹۷۷ء، ص ۵-۶

۱۵۔ نفس مصدر، ص ۱۷۳-۱۸۷

۱۶۔ دیکھیے تفصیل کے لیے ثروت صولت، ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ، جلد چہارم، مرکزی مکتبہ اسلامی

پبلشرز، دہلی، ۱۹۹۷ء، ص ۱۳۲-۱۳۳؛ خلیل احمد حامدی حوالہ بالا، ص ۱۲۷

۱۷۔ السید عمر تلمسانی، یادوں کی امانت، حوالہ بالا، ص ۲۵۳-۲۵۴

۱۸۔ نفس مصدر، ص ۲۳۷

۱۹۔ نفس مصدر، ص ۶۸

۲۰۔ نفس مصدر، ص ۵۹

۲۱۔ ہفت روزہ المجتمع، کویت، شمارہ ۱۲/فروری ۱۹۸۵ء

۲۲۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: *The Oxford Encyclopaedia of the Modern Islamic*

World, Oxford University Press, 1995, Vol. 2, p. 354-356 o, article

on Al-Jamaat al-Islamiah.

۲۳۔ کہا جاتا ہے صدر انور السادات کو گولی مارنے والا فوجی خالد اسلامبولی جماعۃ التکفیر والہجرۃ

سے تعلق رکھتا تھا۔ جیل میں اس نے اقبال جرم کیا اور اپنے اس عمل پر خوشی و مسرت کا اظہار کیا

کیوں کہ انور السادات نے امریکہ و اسرائیل سے سیاسی سمجھوتہ کر کے ارتداد کا ارتکاب کیا تھا اور

وہ اسلام کے دائرہ سے خارج ہو گیا تھا۔ اس کا بیان عالمی اخبارات نے بڑے طمطراق سے شائع

کیا تھا۔

۲۴۔ آکسفورڈ انسائیکلو پیڈیا آف دی ماڈرن اسلامک ورلڈ، حوالہ بالا، ج ۱، ص ۱۰

۲۵۔ السید عمر تلمسانی، یادوں کی امانت، حوالہ بالا، ص ۳۵۷-۳۵۹

۲۶۔ نفس مصدر، ص ۱۱۴

۲۷۔ امیر الشعراء احمد شوقی (۱۸۶۸-۱۹۳۲ء) کا مولد و مدفن قاہرہ ہے۔ ابتدائی تعلیم کے حصول کے

بعد ۱۸۹۱ء میں فرانس سے لائیں گریجویشن کیا۔ مختلف مناصب پر فائز ہوئے آخر میں ۱۹۱۹ء میں

مصری سینیت کے رکن مقرر ہوئے اور تاحیات یہ رکنیت برقرار رہی۔ شعر کی مختلف اصناف مدح،

غزل اور مرثیہ نگاری میں شہرت حاصل کی۔ مصر اور عالم اسلام کے سیاسی و سماجی موضوعات پر بھی لکھا۔ شعری مجموعہ 'الشوقیات' چار حصوں میں طبع ہو چکا ہے۔ آپ کا ایک دوسرا مجموعہ 'نظم دول العرب' بھی مقبول ہے۔ 'مصرع کلیو باطرہ'، 'مجنون لیلیٰ'، 'قعبیز'، 'علی بك' اور 'علی بك الكبير' آپ کی ادبی تخلیقات ہیں۔ امیر شکیب ارسلان نے آپ کی سیرت و سوانح پر شوقی أو صداقة اربعین سنة' تحریر کی۔ متعدد ادباء اور شاعروں نے آپ کی ادبی و شعری زندگی پر گراں قدر کتابیں لکھیں۔ جن میں احمد عبدالوہاب ابوالمعرز کی، 'ثنا عشر عاماً فی صحبة امیر الشعراء'، الطون جمیل کی 'شوقی'، محمد خورشید کی 'امیر الشعراء شوقی بین العاطفة والتاریخ' قابل ذکر ہیں۔

۲۸۔ السید عمر تلمسانی، یادوں کی امانت، حوالہ بالا، ص ۲۳۴-۲۳۵

۲۹۔ ہفت روزہ المجتمع کویت، شمارہ ۱۱۸۶، ۱۰/۱۱ رمضان ۱۴۱۶ھ/۳۰ جنوری ۱۹۹۶ء، ص ۲۲

۳۰۔ لجنة من المتخصصین بإشراف مصطفى محمد الطحان، حاضر العالم الاسلامی عام ۱۹۹۲م، المركز العالمی للكتاب الاسلامی، کویت ۱۹۹۲ء، ص ۹۹-۱۰۱

۳۱۔ ہفت روزہ المجتمع کویت، شمارہ ۱۱۷۸، ۱۳/۱۱ رجب ۱۴۱۶ھ/۵ دسمبر ۱۹۹۵ء، ص ۳۰-۳۲

۳۲۔ حاضر العالم الاسلامی عام ۱۹۹۲م، حوالہ بالا، ص ۹۷-۹۸

۳۳۔ استاذ محمد حامد ابوالنصر کی مجاہدانہ شان اور تحریک اسلامی کی راہ میں ثابت قدمی و جاں سپاری کی تفصیل کے لیے ان کی خود نوشت ملاحظہ فرمائیں، حقیقة الخلاف بین الاخوان المسلمین و جمال عبدالناصر، اردو ترجمہ، وادی نیل کا قافلہ سخت جان، حافظ محمد ادریس، ہندوستان پبلی کیشنز، دہلی

۳۴۔ ہفت روزہ المجتمع کویت، شمارہ ۱۱۸۶، ۱۰/۱۱ رمضان ۱۴۱۶ھ مطابق ۳۰ جنوری ۱۹۹۶ء، ص ۲۲ (بدر

محمد بدر کا مضمون مصر والحركة الاسلامية فی العالم تودع محمد حامد ابو النصر)

۳۵۔ نفس مصدر، ص ۲۳

- ۳۶۔ نفس مصدر، ص ۲۴
- ۳۷۔ نفس مصدر، ص ۲۴-۲۶ (هدف الإخوان هو إقامة دولة الإسلام العالمية، حاورہ: احمد منصور)
- ۳۸۔ مصطفیٰ مشہور، طریق الدعوة، الاتحاد الاسلامی العالمی للمنتظمات الطلابیة، کویت، ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء، ص ۸۰
- ۳۹۔ نفس مصدر، ص ۵۹-۶۰
- ۴۰۔ نفس مصدر، ص ۶۰
- ۴۱۔ نفس مصدر، ص ۶۱-۶۴
- ۴۲۔ نفس مصدر، ص ۶۶-۶۷
- ۴۳۔ نفس مصدر، ص ۴۰-۴۷
- ۴۴۔ نفس مصدر، ص ۶۷، نیز دیکھیے ۱۰۹-۱۱۰
- ۴۵۔ نفس مصدر، ص ۵
- ۴۶۔ پروفیسر خورشید احمد، الاستاذ مصطفیٰ مشہور، ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور، جلد ۱۲۹، عدد ۱۲، شوال ۱۴۲۳ھ/دسمبر ۲۰۰۲ء، ص ۷۳-۷۷
- ۴۷۔ ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور، جلد ۱۳۱، عدد ۳، محرم ۱۴۲۵ھ/مارچ ۲۰۰۴ء، ص ۸۷-۸۸
- ۴۸۔ ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور، جلد ۱۳۰، عدد ۲، ذی الحجہ ۱۴۲۳ھ/فروری ۲۰۰۳ء، ص ۸۱-۹۱
- ۴۹۔ ہفت روزہ المجتمع کویت، عدد ۱۶۱، اگست ۱۴-۲۰، ۲۰۰۴ء، ص ۳۶
- ۵۰۔ نفس مصدر، ص ۳۹
- ۵۱۔ ہفت روزہ المجتمع کویت، عدد ۱۶۱، جولائی ۳۱/اگست ۶-۲۰۰۴ء، ص ۳۲
- ۵۲۔ ہفت روزہ المجتمع کویت، عدد ۱۶۲، رمضان المبارک ۱۶/۱۴۲۵ھ/اکتوبر ۳۰/۲۰۰۴ء، ص ۳۰-۳۱، (حفل إفتار الإخوان)۔

۵۳۔ دیکھیے اس سیاسی تجزیہ کے لیے۔

Tisdall, Simon, Egypt's New Dilemma, The Guardian, December

9, 2005.

۵۴۔ نفس مصدر

۵۵۔ Visit : [Http:# WWW.al-majalla.com](http://WWW.al-majalla.com). The interview

was conducted by Al-Sayyid Zaid on January 4, 2006.

۵۶۔ نفس مصدر

۵۷۔ اخوان المسلمون کی پرامن جدوجہد، آئینی و جمہوری سرگرمیوں اور دستوری اقدامات کی تفصیل کیلئے دیکھئے

Fahad, Obaidullah , Muslim Brotherhood: A Study of Political Islam After 2005 Parliamentary Elections in Egypt, in: Journal of Objective Studies, New Delhi, Vols 19 & 20, Nos. 1 & 2, 2007 /

Nos. 1&2, 2008. pp. 45-94.

۵۸۔ عبدالغفار عزیز، مصر: سیاست کا نیا موڑ، ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور، جلد ۱۳۷، عدد ۳، مارچ

۲۰۱۰ء، ص ۸۰-۸۴



تصوّف اور سیاست کا اجتماع (بانی تحریک کی فکر)

سید مودودیؒ کا خراج عقیدت

”اے اللہ تو ملاءِ اعلیٰ میں امام حسن البنا کی روح کو خوش رکھ اور انہیں مقرب ترین بندوں میں شامل فرما کہ یہی وہ مرد مجاہد ہے جس نے اخوان جیسی زبردست تحریک اسلامی کی داغ بیل ڈالی۔ اس نے ہزار ہا ہزار انسانوں کی کایا پلٹ دی۔ ان کے اندر جہاد و سرفروشی کی روح پھونک دی اور ایک ایسی مومن، باعزم اور فولا و صفت نسل تیار کی کہ دشمنان اسلام نے اگرچہ جو روستم کے بے تکان تیر چلائے اور جبر و تشدد کی خوب بھٹیاں دھکائیں مگر وہ جادہ حق سے نہ ہٹے اور شان کے ساتھ تحریک اسلامی کا علم لہراتے رہے۔“

یہ وہ تاثرات ہیں جن کا اظہار مولانا مودودی علیہ الرحمۃ نے استاذ حسن الہیسیؒ کی وفات پر منعقد ایک تعزیتی جلسے میں کیا تھا جس کا عربی ترجمہ کویت کے مشہور عربی رسالے ”المجتمع“ نے کیا تھا سید قطب شہید نے امام البنا کی شہادت پر یوں تبصرہ کیا تھا۔

”امام حسن البنا شہید و دعوت کی بنیادیں مکمل کر کے اپنے رب کے جوا رحمت میں پہنچ گئے۔ وہ چلے گئے مگر اپنی شہادت سے تحریک اسلامی کے جسم میں ایک نئی جان ڈال گئے۔ ان کی شہادت سے دعوت کی بنیادیں اور زیادہ استوار ہو گئیں۔ حقیقت یہ ہے کہ امام شہید کے ہزار ہا خطبے اور رسالے بھی اخوان کے دلوں میں ایمان و یقین کی وہ حرارت پیدا نہیں کر سکتے تھے جو ان کے خون معصوم کے گرم گرم قطروں نے پیدا کر دی ہے۔“

ہمارے الفاظ بے جان اور عبادتیں بے روح ہوتی ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہی ہوتی ہے جیسے موم کی کوئی گرٹیا ہو۔ البتہ جب ہم ان کی راہ میں قربان ہو جاتے ہیں، تو

ان کے اندر زندگی کی حرارت پیدا ہو جاتی ہے اور پھر وہ لافانی ہو جاتی ہیں۔“
 اس وقت حسن البنا شہید کی مجاہدانہ تحریک کے بارے میں گفتگو کرنے کے بجائے ہم ان کی
 فکر پر اپنی توجہ مرکوز رکھیں گے ورنہ گفتگو بڑی طویل ہو جائے گی۔
 حکایت بڑی لذیذ تھی اور دل چاہتا تھا کہ تفصیل سے اس موضوع پر اظہار خیال کیا جائے۔
 بہر حال سب سے پہلے ہم ان کی فکر اور نصب العین پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔

مقصد تحریک

شیخ البنا نے اخوان المسلمون کی داغ بیل ڈالنے سے پہلے جن مختلف علماء سے ملاقات کی
 تھی ان میں ایک شیخ یوسف دجوی تھے۔ انہوں نے جب پر فتن حالات پر اپنی بے بسی ظاہر کی تو
 شیخ البنا نے بڑے درد و کرب کے ساتھ فرمایا تھا۔

”میرے محترم مجھے آپ کی باتوں سے قطعی اتفاق نہیں ہے اور میرا خیال ہے کہ یہ محض
 آپ حضرات کی کمزوری ہے۔ یہ میدان عمل سے فرار اور ذمہ داریوں سے گریز
 ہے۔ آپ حضرات کو کس سے اندیشہ ہے؟ حکومت سے یا ازہر سے؟ گزراوقات
 کے لیے آپ کے پاس بہت ہے۔ گھر میں بیٹھیے اور اسلام کے لیے جدوجہد کیجیے۔
 یقین کیجیے اگر آپ لوگ میدان میں اتر آئیں تو رعایا آپ کے ساتھ ہے، کیونکہ رعایا
 مسلم ہے۔ میں نے مسجدوں، قبوہ خانوں اور بازاروں میں جا جا کر اس کا جائزہ لیا
 ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ وہ ایمانی ولولوں سے بھرپور ہے۔ البتہ انتہا پسند کمیونسٹوں
 اور الحاد و دہریت کے علمبرداروں کے ہاتھوں اس کی قوتیں برباد ہو رہی ہیں۔ ان
 کمیونسٹوں اور دہریت پسندوں کا یہ زور صرف اس لئے ہے کہ آپ لوگ غفلت کی
 نیند سو رہے ہیں۔ اگر آپ لوگ بیدار ہو جائیں تو یہ بلوں میں روپوش ہو جائیں۔

محترم استاذ! اگر آپ لوگ خدا کے نام پر اٹھنے کے لئے تیار نہیں ہیں تو اس روٹی

ہی کے لئے حرکت میں آجائیں۔ کیونکہ یہ امت اگر اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھی تو نہ یہ ازہر رہے گا اور نہ یہ علماء، اس وقت نہ کھانے کو روٹی ملے گی، نہ عیش کے یہ سامان۔ تو آپ لوگ کم از کم اپنی ہی فکر کیجیے، اگر اسلام کی فکر نہیں کرتے۔ دنیا ہی کے لیے حرکت میں آئیے، اگر آخرت کے لیے متحرک نہیں ہوتے۔ ورنہ دنیا بھی جائے گی اور عقبہ بھی۔“

حسن البنا کے اس گداز، اس جوش و خروش اور اس جذبہ و تڑپ سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ حقیقت میں کیا چاہتے تھے۔ ایک دوسرے مقام پر وہ ”ہم کیا چاہتے ہیں؟“ کے موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”ہم مسلم فرد، مسلم گھرانہ، مسلم قوم اور مسلم حکومت چاہتے ہیں اور ایک مملکت اسلامیہ کا قیام جو تمام مسلم قوم اور مسلم حکومت اور بکھرے ہوئے مسلمانوں کو جوڑ سکے۔ ان کی کھوئی ہوئی زمینیں واپس دلا سکے اور ان کا مجدد و شرف بحال کرا سکے جہاد و دعوت کا علم بلند کر سکے تا آنکہ پوری دنیا اس دعوت کی روشنی سے منور ہو جائے۔“

اپنے ایک رسالے ”ہمارا ماضی و حال“ میں اخوان کو خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”یاد رکھو کہ دو اساسی مقصد ہیں:

۱۔ وطن اسلامی ہر اجنبی اقتدار سے آزاد ہو جائے کہ آزادی ہر انسان کا ایک فطری حق ہے جس کا انکار کوئی ظالم ڈکٹیٹر ہی کر سکتا ہے۔

۲۔ اس آزاد وطن میں ایک آزاد اسلامی سلطنت قائم ہو جو اسلام کے احکام پر عمل کرے اس کے اجتماعی نظام کو نافذ کرے۔ اس کے راست اصولوں کا اعلان کرے اور اس کی عدل پر مبنی دعوت کو تمام لوگوں میں عام کرے۔“

اس سلسلے میں استاذ شہید نے اسلام کے مکمل اور جامع نظام کو متعارف کرایا اور لوگوں کو یہ

باور کرایا کہ اسلام کے احکام بہت جامع اور دنیا و آخرت کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہیں اور جن لوگوں کا گمان یہ ہے کہ وہ محض عبادات سے تعلق رکھتے یا خالص روحانی پہلو سے بحث کرتے ہیں، ان کا گمان سرتا سر غلط اور وہم کا شکار ہے کیونکہ اسلام عقیدہ بھی ہے، قومیت بھی ہے، دین بھی ہے، حکومت بھی ہے، عمل بھی ہے، روحانیت بھی ہے، قرآن بھی ہے، اور تلوار بھی ہے۔ قرآن کریم ان باتوں کا اعلان کرتا ہے۔ وہ ان سب کو اصل دین و روح اسلام سمجھتا ہے اور ان سب کی برابر تاکید کرتا ہے۔

چنانچہ انہوں نے اخوان کی پانچویں میقاتی کانفرنس میں تحریک کا جامع تعارف کراتے ہوئے کہا:

”تحریک اخوان“ ایک سلفی دعوت ہے۔ کیونکہ وہ اسلام کو اس کے خالص سرچشمے کتاب و سنت کی طرف لوٹانے کی داعی ہے۔“

وہ ایک سنی مسلک بھی ہے۔ کیونکہ وہ تمام چیزوں میں بالخصوص عقائد و عبادات میں سنت رسول پر گامزن ہے۔

وہ تصوف کا ایک طائفہ بھی ہے کیونکہ وہ خیر کی اساس، دل کی طہارت، نفس کی پاکیزگی، عمل پر مدامت، مخلوق سے درگزر، اللہ کے لیے محبت اور نیکی کے لیے یگانگت کو ضروری سمجھتی ہے۔

وہ ایک سیاسی تنظیم بھی ہے۔ کیونکہ اس کا مطالبہ ہے کہ حکومت کی اصلاح کی جائے اس کی خارجہ پالیسی میں ترمیم کی جائے۔ رعایا کے اندر عزت و کرامت کی روح پھونگی جائے آخری حد تک ان کی قومیت کی حفاظت کی جائے۔

وہ ایک ورزشی ٹیم بھی ہے کیونکہ وہ تندرستی و صحت کا خیال رکھتی ہے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ طاقتور مومن، کمزور مومن سے بہتر ہے۔

وہ ایک علمی و ثقافتی ادارہ بھی ہے۔ یہ اخوانی انجمنیں حقیقت میں علم و ثقافت کی

درسگاہیں اور جسم و روح کی تربیت گاہیں ہیں کیونکہ اسلام کے نزدیک حصول علم ہر مسلم مرد و عورت پر فرض ہے۔

وہ ایک معاشی کمپنی بھی ہے کیونکہ اسلام صحیح رخ سے مال کمانے کی بھی ترغیب دیتا ہے۔ وہ ایک معاشی اسکیم بھی ہے کیونکہ وہ معاشرہ اسلامی کی بیماریوں پر دھیان دیتی، ان کا علاج دریافت کرتی اور امت کو صحت مندر رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔“

اس طرح تھوڑا اسلام کی جامعیت نے ہمارے فکر کو تمام اصلاحی پہلوؤں کا جامع بنا دیا ہے۔ رسالہ ’تعلیمات‘ میں انہوں نے ہر مخلص بھائی سے ۷ مطالبات کیے ہیں جن سے اس تحریک اور اس کے بانی کے مقاصد پر اچھی روشنی پڑتی ہے۔

۱۔ وہ اپنی شخصیت کی ہمہ جہتی تعمیر کرے۔

۲۔ وہ ایک مسلم خاندان کی تشکیل کرے۔

۳۔ وہ معاشرے کی اصلاح کرے۔

۴۔ وہ ہر غیر اسلامی اقتدار سے اپنے وطن کو آزاد کرائے۔

۵۔ وہ حکومت کی اصلاح کرے یہاں تک کہ وہ حکومت صحیح معنوں میں اسلامی طرز حکومت کی نمائندہ بن جائے۔

۶۔ وہ امت مسلمہ کی بین الاقوامی حیثیت کو بحال کرائے۔ وہ سارے عالم کی معلّٰی و رہبری کا فرض انجام دے۔

وسائل

سوال یہ ہے کہ ان مقاصد کو بروئے کار لانے کے لیے کس قسم کے وسائل درکار ہیں؟ کیا اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک جست لگا کر مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کیجائے؟ قوت و طاقت کے ذریعہ انقلاب لانے کی جدوجہد کی جائے؟ بغاوت اور انارکی پھیلا کر لوگوں کو

ہر اسان کرنے کی کوشش کی جائے یا تعلیم و تلقین اور تنظیم و تربیت کو وسائل بنایا جائے؟ استاذ شہید اخوان کی پانچ میقاتی کانفرنس میں خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”اس طرح اخوان کی عقل و بصیرت اور حسن تدبیر سے بعید تر ہے کہ وہ حکومت کے لیے آگے بڑھیں جبکہ افراد امت کا یہ حال ہو۔ لہذا بیچ میں ایک ایسا وقفہ ناگزیر ہے جس میں اخوانی افکار و نظریات کی اشاعت ہو سکے۔ انہیں زیادہ سے زیادہ فروغ اور غلبہ حاصل ہو سکے اور امت یہ سیکھ سکے کہ اس طرح شخصی مفادات پر مصالح عامہ کو ترجیح دیجا سکتی ہے۔“

ہمارے عام وسائل کیا ہیں؟ اس کا جواب دیتے ہوئے ایک رسالے میں فرماتے ہیں:

”جہاں تک اس مقصد کے حصول کا تعلق ہے تو اس کا ذریعہ مال و منال نہیں۔ شروع سے آج تک کی تاریخ ہمیں یہی بتاتی ہے۔ دعوتیں کبھی مال کی بنیاد پر قائم نہیں ہوتیں نہ اس کی بنیاد پر ترقی کرتی ہیں۔ بلاشبہ بعض مرحلے ایسے آتے ہیں جب انہیں مال کی ضرورت ہوتی ہے مگر مال ہی ان کا ستون اور ان کی روح نہیں۔ دعوتوں کے علمبردار اور سرفروش مجاہدین تو ہمیشہ غریب و فادار ہی ہوا کرتے ہیں۔ تاریخ سے پوچھ لو وہ تمہیں یہی بتائے گی۔ اسی طرح قوت بھی کوئی ذریعہ نہیں۔ کیونکہ دعوت تو روحوں سے خطاب کرتی، دلوں سے سرگوشیاں کرتی اور ذہن و دماغ کے بند دروازوں پر دستک دیتی ہے اور یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ وہ ڈنڈوں کے زور یا تیروں اور تلواروں کی نوک سے ان تک پہنچ سکے۔ کسی دعوت کی جڑیں مضبوط کرنے اور اسے دلوں میں اتارنے کا ذریعہ تو مشہور و معلوم ہے۔ ہر اس شخص پر عیاں ہے جسے جماعتوں کی تاریخ سے کچھ واقفیت ہو۔ خلاصہ ہے اس کا ایمان، عمل اور اخوت و محبت۔ رسول اللہ نے اس سے زیادہ اور کیا کیا کہ صحابہ کو ایمان و عمل کی دعوت دی۔ پھر محبت و

اخوت کی لڑی میں انہیں پرو دیا۔ اسی طرح عقیدے کی قوت کے ساتھ وحدت کی

قوت بھی حاصل ہوگئی۔“

اسی رسالے کے آخر میں کہتے ہیں :

”اخوان کی دعوت کوئی نرالی دعوت نہیں ہے۔ یہ اسی دعوت کی صدائے بازگشت ہے جو ان مومنین کے دلوں میں گونج رہی ہے اور زبانوں سے اس کے زمزمے سنے جا رہے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ یہ دعوت امت کے دلوں میں اس طرح اتر جائے کہ یہی اس کا ایمان بن جائے۔ سارے دل اس پر مجتمع ہو جائیں اور تمام کاموں میں اس کے جلوے نظر آئیں کیونکہ اگر ایسا ہوگا تو یقیناً نصرت الہی ہم پر سایہ فگن ہوگی اور غیب سے ہماری رہنمائی ہوگی تو اے بھائیو! ایمان و عمل کے پیکر بنو اور اخوت و محبت کا رشتہ مضبوط تھا مے رہو۔ یہی تمہارا وسیلہ اور اسلحہ ہے۔“

ایک اور رسالہ ’ہماری تحریک‘ میں اپنے عام وسائل پر یوں گفتگو کرتے ہیں:

”رہے وہ وسائل جن پر گفتگو کا ہم نے وعدہ کیا تھا تو وہ تین چیزیں ہیں اور یہی اخوان کی فکر کی بنیاد ہیں:

- ۱۔ پہلی چیز صحیح دستور العمل ہے جو کتاب اللہ، سنت رسولؐ اور احکام اسلام میں موجود ہیں۔
- ۲۔ دوسری چیز مومن کا رکن ہیں۔
- ۳۔ تیسری چیز، ہوش مند، باتدبیر، بیدار مغز اور قابل اعتماد قیادت ہے۔

مرحلہ دعوت

حسن البنا شہید کے نزدیک دعوت کے تین مرحلے ہو سکتے ہیں:

- ۱۔ تعارف: یعنی لوگوں کو اس دعوت کے عام فکر سے روشناس کرانا اور اس کے حلقہ تعارف کو زیادہ سے زیادہ وسیع کرنا۔ اس مرحلے میں دعوت کا نظام وہی ہوگا جو انتظامی انجمنوں کا ہوا کرتا ہے اور اس کی تمام تر توجہ رفاه عام کے کاموں پر ہوگی۔ اس کے لیے وہ کبھی وعظ

و تلقین کی راہ اختیار کرے گی، کبھی مفید اداروں کا قیام عمل میں لائے گی اور کبھی وہ دوسرے عملی وسائل سے کام لے گی۔

اس مرحلے میں ہر وہ شخص جماعت میں شامل ہو سکتا ہے جسے جماعتی سرگرمیوں سے دلچسپی ہو۔ جس کے اندر تمام مواقع پر اس کے ساتھ تعاون کا حوصلہ ہو اور جو اس کے تمام ضابطوں کی پابندی کا پختہ عہد بھی کرے۔ اس مرحلے میں ہم کسی سے کامل اطاعت کا مطالبہ نہیں کرتے۔ البتہ جماعت کے عام اصول و مبادی کے احترام اور ان کے وقار کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

۲۔ تنظیم: فریضہ جہاد کی زہرہ گداز آزمائشوں کی جو لوگ تاب لا سکتے ہیں ان کی ایک مشترکہ تنظیم بنانا اس مرحلے میں دعوتی نظام روحانی پہلو سے خالص صوفیانہ ہوگا اور عملی پہلو سے خالص سپاہیانہ، اور یہ بات معلوم ہے کہ صوفیانہ زندگی ہو یا سپاہیانہ ہمیشہ ہی سے دونوں کا شعار رہا ہے، سننا اور دوڑنا بغیر کسی شک، بغیر کسی تردد اور بغیر کسی ناگواری کے اشارہ پاتے ہی سر تسلیم و اطاعت خم کر دینا۔

۳۔ تنفیذ: اس مرحلے میں دعوت اسلامی جہاد کی ایک لٹاکار ہوگی، ایک سعی مسلسل اور ایک جہد بے خطر ہوگی۔ اب تو بس حصول مقصد کی لگن ہوگی۔ ایک ہی دھن اور ایک ہی تڑپ ہوگی۔ نیز اب آزمائشوں کے تازیانے اور ابتلاؤں کے پھندے ہوں گے اور اب ثابت قدم رہنا بس ان ہی لوگوں کے بس میں ہوگا جو ارادے کے سچے اور دھن کے پکے ہوں گے۔

استاذ شہید کے نزدیک یہ تینوں مراحل ترتیب کے ساتھ ظاہر ہوں گے پہلے تعارف کا مرحلہ آئے گا اور عوام کو اسلام سے متعارف کرایا جائے گا پھر جب کسی حد تک اس مقصد میں کامیابی ہو جائے گی تو تنظیم کا کام کیا جائے گا اور انہی دونوں کی بنیاد پر تنفیذ اور عملی اقدامات ہوں گے۔ چنانچہ پانچویں میقاتی کانفرنس میں تحریک اخوان کی خصوصیات گناتے ہوئے جب تعمیر و تشکیل کے مرحلے سے گزرتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک کسی بھی دعوت کے تین مرحلے

ناگزیر ہیں۔

- ۱۔ اس دعوت کا تعارف ہو، زیادہ سے زیادہ اس کے چرچے ہوں، اس کی خوبیوں اور متوقع فائدوں کے تذکرے ہوں اور وہ عوام کے ایک ایک طبقے تک پہنچائی جائے۔
 - ۲۔ دعوت کی تنظیم و تشکیل ہو، مخلص سرفردشوں کا انتخاب ہو، فوجوں کی تیاری و فراہمی ہو، صف بندی و صف آرائی ہو۔
 - ۳۔ پھر تیسرا مرحلہ ہوگا۔ جس میں اپنے اصولوں کا نفاذ ہوگا، عملی جدوجہد ہوگی، پھر نتائج کی خوشہ چینی ہوگی۔
- آخر میں کہتے ہیں:

”لیلیٰ منزل سے ہم آغوشی اور نتائج سے بہرہ اندوزی اسی وقت ہوگی جب دعوت کا خوب پرچار ہو، راہ ہموار اور فضا سازگار ہو، جاں بازوں کی ایک ٹیم جان و دل سے نثار اور جوش جہاد سے سرشار ہو اور تنظیم نہایت استوار اور پائیدار ہو۔“

کوئی شارٹ کٹ نہیں!

تحریک کی نوجوان نسل انقلاب کے نعرے لگا رہی تھی اور جلد بازی مچا رہی تھی، وہ جلد از جلد نتائج کو حاصل کرنا چاہتی تھی چنانچہ انہیں مطمئن کرتے ہوئے فرمایا:

”یاد رکھو! خیال اور قول میں، قول اور عمل میں، عمل اور جہاد میں، جہاد صحیح اور جہاد غلط میں بڑا فرق ہے، اگر کوئی کچھ سوچ لے تو ضروری نہیں کہ اس کا اظہار بھی کر سکے یا کوئی اس کا اظہار کرے تو ضروری نہیں کہ میدان عمل میں بھی جم سکے۔ یا کوئی میدان عمل میں جم جائے تو ضروری نہیں کہ جہاد کی شدتوں اور محنت کی سختیوں کی بھی تاب لا سکے۔ پھر اگر کچھ لوگ جہاد کی سختیوں کی تاب لے بھی آئیں جو ظاہر ہے کہ بہت مختصر اور گنے چنے لوگ ہوں گے تو کچھ بعید نہیں کہ اگر توفیق الہی شامل حال نہ ہو تو راہ حق

سے ہٹ جائیں اور منزل سے چوک جائیں کہ بعد کا ہر مرحلہ پہلے والے سے زیادہ سخت و شدید اور حوصلہ شکن ہوگا۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں قصہ طالوت اس کی بہترین مثال ہے۔“

ایک اور مقام پر انہی نو جوان بھائیوں کو خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”مسلم بھائیو! بالخصوص جلد باز اور حمیت سے سرشار بھائیو! اپنی اس عظیم کائنات کے اندر صاف صاف سن لو! تمہاری اس رائے کے خطوط کھینچے ہوئے ہیں۔ اس کے حدود متعین ہیں اور میں ان حدود سے کبھی ہٹ نہیں سکتا کہ ان کے بارے میں مجھے کامل اطمینان ہے۔ بلاشبہ یہ منزل تک پہنچنے کا سب سے محفوظ راستہ ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ اس طرح سفر لبا ہو جائے لیکن کوئی اور راستہ ہے بھی تو نہیں۔ اور مردانگی کا مظاہرہ تو ہوتا ہی ہے اس وقت جبکہ صبر اور پامردی ہو۔ پیہم جدوجہد اور ان تھک کوشش ہو تو اگر کوئی کچا پھل توڑنا چاہتا ہے یا شگفتگی سے پہلے ہی گل چینی پر مصر ہے تو میں کبھی اس کا ساتھ نہیں دے سکتا اس کے لیے بہتر ہے کہ ہم سے علیحدہ ہو جائے۔“

آگے مزید فرماتے ہیں:

”مسلم بھائیو! جذبات کے ہیجان کو عقل و بصیرت کی لگام دو، عقل کی شعاعوں کو جذبات کی حرارت دو، حقیقت و واقعیت سے فکر و خیال کو مربوط رکھو اور فکر و خیال کے اجالوں میں حقائق کا سراغ لگاؤ۔ کسی ایک طرف نہ جھک جاؤ کہ دوسرے سے محروم ہو جاؤ۔ نوا میں فطرت سے ٹکرنہ لو کہ وہ سر توڑ دیں۔ ان کے دھارے کو موڑ کر انہی سے خدمت لو۔ ان کے مقابلے میں خود انہی سے مدد چاہو اور فتح و نصرت کا انتظار کرو کہ اس کا وقت کچھ دور نہیں۔“

یہ ہے حسن البنا کی فکر، دعوت، مقاصد، وسائل اور مراحل کا ایک مجمل خاکہ، اس سے یہ آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے کہ ہندو پاک کی تحریک اسلامی سے کتنی زیادہ قریب، ہم آہنگ اور ہم

آواز تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے کہا تھا کہ:

”..... اس وقت ہمیں معلوم ہوا کہ اس حق بین و حق آگاہ مرد بزرگ نے
 اخوان المسلمون کے نام سے ایک تحریک قائم کی ہے جو بعینہ انہی اصول و مقاصد کے
 لیے قائم ہوئی ہے جن کے لیے ہندوپاک میں جماعت اسلامی کو شاں ہے۔ اس کے
 کچھ ہی دنوں بعد اخوان بھی جماعت اسلامی کی غایت دعوت اور پروگرام سے
 روشناس ہو گئے۔ اس طرح دونوں تحریکیں ایک دوسرے سے قریب ہو گئیں۔ افراد
 ایک دوسرے سے متعارف ہوئے۔ دلوں میں الفت و محبت کے چراغ جلے۔
 اشتراک و تعاون کے رشتے قائم ہوئے اور ایک ہی منزل کی جستجو میں ہم گامزن
 رہے۔ چنانچہ آج تک ہم ایک ہی فکر کے علمبردار اور ایک ہی غایت کے طلبگار ہیں۔“



تشدد سے گریز، مزاحمت کی تلقین
(دعوت اور خدمات)

عالم اسلام کا بحران

عثمانی خلافت کے زوال کے بعد ترکی میں الحاد و زندقہ اور مغرب زدگی کی جو وبا پھیلی اس کا اثر پورے عالم عرب اور عالم اسلام پر پڑا۔ ردِ عمل کے طور پر عرب ممالک میں عربی قومیت اور وطنیت کے جذبات ابھرے۔ مختلف وطنی و قومی تحریکوں نے پُر پُر زے نکالے اور وطن پرستی کی آڑ میں الحاد و اباحت، آوارہ خیالی اور مغرب پرستی کو خوب ہوا دی۔ دین کے نام لیوا افراد کا محاذ یوں تو پہلے سے ہی کمزور اور منفی نوعیت کا تھا جو لوگ اسلام کے علمبردار تھے، وہ خود اعتمادی سے محروم تھے اور حالات کے آگے ڈگیں ڈال چکے تھے اور مغرب کے اس طوفان اباحت اور آوارگی سے آنکھیں بند کر چکے تھے لیکن اس جدید مغربی ریلے نے تو انہیں خس و خاشاک کی طرح بہا دیا۔ پورے مصر بلکہ پورے عالم عرب میں دین سے بیزاری، آخرت فراموشی اور مذہب کے استہزاء و تمسخر کی ہوا چل پڑی۔ دمشق یونیورسٹی میں اعلانیہ خدا کا جنازہ نکالا گیا۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں کھلم کھلا اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن و تشنیع ہونے لگی۔ علی عبدالرازق کی رسوائے زمانہ کتاب 'الاسلام وأصول الحکم' (اسلام اور اصول حکمرانی) بازار میں آئی تو دین و سیاست کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر دینے کی تحریک کو زبردست تقویت ملی۔ طہ حسین کی کتاب 'فی الشعر الجاہلی' نے قرآن کے بارے میں مختلف قسم کے شکوک و شبہات پیدا کیے۔ قاسم امین کی کتاب 'تحریر المرأة' نے ان تمام آزادیوں کا مطالبہ کیا جو مغرب میں عورتوں کو حاصل تھیں۔ مفت روزہ السباسة نکلا جس نے تجدد پسندوں کی خوب حوصلہ افزائی کی۔ بے لاگ و پلیٹ اس نے فرعونی تہذیب کے احیاء اور مغربی تہذیب سے وابستگی کی دعوت دی۔ فیصل بن حسین نے بڑی ڈھٹائی سے اعلان کیا:

ان العرب کانوا عرباً قبل محمد و موسیٰ (عرب محمد و موسیٰ علیہم السلام سے پہلے بھی

عرب تھے)۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ مسلم نوجوان پارکوں اور تفریح گاہوں میں نماز پڑھتے ہوئے شرمانے لگے۔ جب حالات اس حد کو پہنچ گئے تو قدرت نے محمودیہ کے ایک نوجوان شیخ حسن البنا کو اس کام کے لیے منتخب کیا۔

اخوان المسلمون کی تاسیس

حسن البنا ۱۹۰۶ء میں محمودیہ میں پیدا ہوئے، گھر کا ماحول خالص اسلامی تھا۔ چنانچہ والدین کی تربیت اور خود ان کی فطرت صالحہ نے انہیں فسق و فجور اور بے حیائی کے خلاف شعلہ جوالہ بنا دیا۔ جیسے جیسے عمر بڑھتی گئی ایمان کی یہ چنگاری بھی بھڑکتی اور دکھتی گئی۔ بچپن ہی سے باطل کے خلاف صف آرا ہونے کے لیے تنظیمی کوششوں میں لگے دکھائی دیتے ہیں اسکول میں انجمن اخلاق حسنہ کی تشکیل ہوتی ہے تو اس کے صدر منتخب ہوتے ہیں۔ جہاں کہیں جاتے ہیں اصلاحی تنظیم قائم کرتے ہیں اور دعوت و تبلیغ میں لگ جاتے ہیں، جمعية منع المحرمات (انجمن انسداد محرمات) جمعية حصافيه خيريه (حصانی بھائیوں کی رفاہی انجمن)، جمعية مكارم الاخلاق، جمعية الشبان المسلمين اور اسی طرح کی بے شمار انجمنیں قائم کیں اور منکرات کی روک تھام اور اخلاق و فضائل کے فروغ کے لیے بچپن ہی سے لگے رہے۔ دارالعلوم کے آخری سال میں تھیس کا موضوع دیا جاتا ہے ”تعلیم کے بعد آپ کیا کام کرنے کی خواہش رکھتے ہیں اور اس کے لیے کیا وسائل اختیار کریں گے؟“ شیخ حسن البنا اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

”میں داعی اور معلم بننا چاہتا ہوں۔ دن کو سال کے اکثر ایام میں مصر کی نئی نسل کو تعلیم دوں گا اور راتوں کو اور چھٹیوں کے ایام میں ان کے والدین کو دین کے مقصد سے آگاہ کروں گا۔ انہیں بتاؤں گا کہ سعادت کا سرچشمہ کہاں ہے؟ اور زندگی کی مسرتیں کیسے دستیاب ہوں گی؟ اس غرض کے لیے ہر وہ وسیلہ اختیار کروں گا جو میرے بس میں ہوگا۔ تقریر سے، گفتگو سے، تالیف سے، کوچہ گردی اور بادیہ پیمائی سے، الغرض

ہر مؤثر ہتھیار سے مدد لوں گا۔“

یہ ہیں اس نوجوان کے جذبات جو تنہا اٹھتا ہے مگر ایک امت کی قوت بن کر اسلام کے خزاں رسیدہ گلستاں کو مدت قلیل میں ہرا بھرا کر دیتا ہے۔ پانی سے سیراب کرنے کے بجائے خون سے سیراب کرنے کی سنت کو زندہ کرتا ہے اور عاشقان پاک طینت کی ایک ایسی جماعت کھڑی کر دیتا ہے جو اس راہ کی تمام مشکلات و مصائب کو دیوانہ وار برداشت کرتی چلی جاتی ہے۔

شیخ حسن البنا مارچ ۱۹۲۸ء کو الاخوان المسلمون کے نام سے باقاعدہ ایک جماعت کی تشکیل کرتے ہیں جو چند ہی سالوں میں محنت و اخلاص کی برکت سے پورے شرق اوسط میں پھیل جاتی ہے اور لاکھوں سرفروش مجاہدین حق و صداقت شیخ موصوف کے پرچم تلے اکٹھا ہو جاتے ہیں۔ صرف مصر میں اس کے باقاعدہ ممبروں کی تعداد پانچ لاکھ تک پہنچ جاتی ہے جبکہ متعلقین و ہمدردان کی تعداد اس سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے۔

اخوان کی دعوت

اخوان کی دعوت اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ پورے اسلام کو نافذ کیا جائے۔ اپنی پوری زندگی میں خدا کی عبادت کی جائے اور زندگی کے جملہ شعبوں کو اس کی روشنی میں از سر نو منظم کیا جائے۔ چنانچہ ۱۹۲۸ء میں قاہرہ میں جو پانچویں کانفرنس ہوئی اس میں اخوان کے ہمہ گیر مشن اور جامع دعوت کا تعارف کراتے ہوئے حسن البنا نے فرمایا:

”الاخوان المسلمون ایک سلفی دعوت ہے، اس لیے کہ اخوان اسلام کی ابتدائی صورت کی طرف پلٹنے کی دعوت دیتے ہیں اور کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کے اصل سرچشموں کی طرف بلاتے ہیں یہ ایک سنی مسلک بھی ہے کیونکہ یہ تمام چیزوں میں بالخصوص عقائد و عبادات میں سنت رسولؐ پر گامزن ہے۔

یہ تصوف کا ایک طائفہ بھی ہے، کیونکہ یہ خیر کی اساس، دل کی طہارت، نفس کی

پاکیزگی، عمل پر مداومت، مخلوق سے درگزر، اللہ کے لیے محبت اور نیکی کے لیے یگانگت کو ضروری سمجھتی ہے۔

یہ ایک سیاسی تنظیم بھی ہے کیونکہ اس کا مطالبہ ہے کہ حکومت کی اصلاح کی جائے، اس کی خارجہ پالیسی میں ترمیم کی جائے، رعایا کے اندر عزت و کرامت کی روح پھونکی جائے اور آخری حد تک ان کی قومیت کی حفاظت کی جائے۔

یہ ایک ورزشی ٹیم بھی ہے کیونکہ یہ صحت و تندرستی کا خیال رکھتی ہے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ طاقتور مومن کمزور مومن سے بہتر ہے۔

یہ ایک علمی و ثقافتی انجمن بھی ہے اس لیے کہ اخوان کے کلب فی الواقع تعلیم و مذہب کی درس گاہیں اور عقل و روح کو جلا دینے کے ادارے ہیں۔

یہ ایک معاشی کمپنی ہے اس لئے کہ اسلام نے خاص نقطہ نظر کے تحت کسب مال کی ہدایت کی ہے اور اخوان نے اسلامی تعلیمات کے مطابق قومی اقتصادیات کو مضبوط کرنے کے لئے تجارتی اور اقتصادی کمپنیاں قائم کر لی ہیں۔

یہ ایک معاشرتی اسکیم بھی ہے۔ کیونکہ یہ معاشرے کی بیماریوں پر دھیان دیتی، ان کا علاج دریافت کرتی اور امت کو صحت مندر کھنے کی کوشش کرتی ہے۔

اس طرح تصور اسلام کی جامعیت نے ہمارے فکر کو اصلاحی پہلوؤں کا جامع بنادیا ہے۔“

رسالة التعلیم میں حسن البنّا کی نگاہ میں سچے اور مخلص بھائی سے عمل کے جو درجے مطلوب ہیں ان سے بھی اخوان کی دعوت پر اچھی خاصی روشنی پڑتی ہے۔ فرماتے ہیں:

”سچے اور مخلص بھائی سے عمل کے جو درجے مطلوب ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ وہ اپنی شخصیت کی تعمیر کرے۔ چنانچہ اس کا جسم توانا ہو، اس کا اخلاق محکم ہو، اس کی فکر پختہ اور متوازن ہو، وہ حصول معاش اور کسب مال پر قادر ہو، اس کا عقیدہ

درست اور اس کی عبادتیں بے لوث ہوں، وہ اپنی ترقی کے لئے کوشاں اور اپنے اوقات کا قدر داں ہو، اس کے سارے معاملات منظم ہوں اور اس کا وجود زیادہ سے زیادہ کارآمد ہو۔ یہ فرداً فرداً ہمارے ہر بھائی کے فرائض ہیں۔

۲۔ وہ ایک مسلم خاندان کی تشکیل کرے، اس کی فکر اس سے آگے بڑھ کر اس کے گھر والوں کے دلوں کو بھی جیت لے وہ خانگی زندگی کے سارے گوشوں میں اسلامی آداب کا پاس و لحاظ رکھنے پر انہیں آمادہ کرے۔ وہ صالح بیوی کا انتخاب کرنے اور پھر اسے اپنے حقوق و فرائض کی حدود میں رکھنے کی تاکید کرے۔ وہ بیٹیوں اور ماتحت خادموں کی عمدہ تربیت کرنے اور اسلامی اصول و مبادی پر ان کی پرورش کرنے کی تلقین کرے۔

۳۔ وہ معاشرے کی اصلاح کرے، لوگوں میں خیر کی دعوت عام کرے، بدی اور منکرات سے برسرِ جنگ ہو اور نیکی کی طرف بڑھنے بھلائی کی تلقین کرنے اور خیر کے کاموں میں باہم مسابقت کرنے پر حوصلہ افزائی کرے۔

۴۔ وہ ہر اجنبی غیر اسلامی اقتدار سے اپنے وطن کو آزاد کرے۔ دوسرے کسی بھی سیاسی، روحانی یا اقتصادی اقتدار کو اپنی سرزمین میں قدم نہ رکھنے دے۔

۵۔ وہ حکومت کی اصلاح کرے یہاں تک کہ وہ صحیح معنوں میں اسلامی حکومت بن جائے۔

۶۔ وہ امت مسلمہ کی بین الاقوامی حیثیت کو بحال کرائے۔ اس کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ اس کے علاقوں کو آزاد کرائے۔ اس کے مجدد و شرف کو دوبارہ زندہ کرے، اس کی جھنڈی و ثقافت کو نئے سرے سے فروغ دے اور اس کے اندر اتحاد و اتفاق کی روح پھونک دے۔

۷۔ وہ سارے عالم کی معلمی و رہبری کا فرض انجام دے وہ دعوت اسلامی کو زمین کے

چتے چتے پر اس طرح پھیلا دے کہ کہیں شرک کا نام نہ رہ جائے اور ہر جگہ اطاعت الہی کا جاں نواز منظر نظر آنے لگے۔“

پانچویں کانفرنس میں اسلام کے سلسلہ میں پھیلی ہوئی غلط فہمیوں کو دور کرتے ہوئے اخوان کا تصور اسلام یوں اجاگر کرتے ہیں:

”بعض لوگ اسلام کو بس ظاہری عبادات میں محدود سمجھتے ہیں۔ اگر وہ انہیں ادا کر لیتے ہیں یا کوئی دوسرا انہیں ادا کر لیتا ہے تو وہ مطمئن ہو جاتے ہیں۔ بعض وہ ہیں جو اسلام کو اخلاق فاضلہ اور روحانیت نامہ کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھتے۔ ان کے نزدیک مادی زندگی کی ساری آلائشوں سے مکمل اجتناب کا نام اسلام ہے۔ بعض ایسے ہیں جو اسلام کے عمل اور تحریکی پہلو کی زبانی پسندیدگی سے آگے نہیں بڑھتے۔ کچھ لوگ اسلام کو موروثی اور تقلیدی چیز سمجھتے ہیں جس کا موجودہ زندگی کی دوڑ میں نہ کوئی مصرف ہے اور نہ فائدہ۔ اس لئے وہ اسلام پر اور ہر اس چیز پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں جس کا اسلام سے تعلق ہو۔ اس قسم کی باتیں آپ ان لوگوں سے سنیں گے جو فرنگی تہذیب و ثقافت میں رنگے ہوئے ہیں۔ یہ اور اس قبیل کے اور کئی گروہ ہیں جو اسلام کے بارے میں اپنا ایک مخصوص نقطہ نگاہ رکھتے ہیں۔ ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات اور اس کے احکام دنیوی اور اخروی دونوں زندگیوں سے متعلق ہیں۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس کی تعلیمات زندگی کے روحانی پہلو یا انفرادی عبادت کی حد تک محدود ہیں اور دوسرے شعبہ حیات سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے وہ سخت غلطی پر ہیں۔ اسلام عقیدہ بھی ہے اور عبادت بھی، عمل بھی ہے اور نظریہ بھی، دین بھی ہے اور ریاست بھی، روحانیت بھی ہے اور مادیت بھی، قرآن بھی ہے اور تلواریں بھی۔ قرآن ان ساری چیزوں سے بحث کرتا ہے اور انہیں اسلام کا لب لباب قرار دیتا ہے۔“

طریق کار اور منہج

اس ہمہ گیر دعوت کے نفاذ اور ہمہ جہتی نصب العین کے حصول کے لیے اخوان نے جو طریق کار اختیار کیا وہ مختصر لفظوں میں یوں ہے کہ رائے عامہ کو بدلا جائے اور دعوت کے علمبرداروں اور اسلام کے نام لیواؤں کی بہترین تربیت کی جائے تاکہ وہ اسلام سے وابستگی اور اس کی پیروی کے لیے نمونہ بن سکیں۔

حسن البنا شہید اپنے ایک رسالہ ”دعو تنافی طور جدید“ میں وسائل اور طریق کار پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”کسی دعوت کی جڑیں مضبوط کرنے اور اسے دلوں میں اتارنے کا ذریعہ تو مشہور و معلوم ہے۔ ہر اس شخص پر عیاں ہے جسے جماعتوں کی تاریخ سے کچھ بھی واقفیت ہے، خلاصہ ہے اس کا: ایمان و عمل اور اخوت و محبت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے زیادہ اور کیا کیا کہ صحابہ کو ایمان و عمل کی دعوت دی پھر اخوت و محبت کی لڑی میں پرو دیا اس طرح عقیدہ کی قوت کے ساتھ وحدت کی طاقت بھی حاصل ہو گئی اور پھر ان کی جماعت وہ مثالی جماعت بن کر ابھری کہ اگر سارے اہل زمین مل کر ان کی مخالفت کرتے تب بھی ان کی دعوت کا سر بلند ہونا اور کلمہ کا بول بالا ہونا ناگزیر تھا۔“

اپنے ایک دوسرے رسالے ”ہمارا ماضی و حال“ میں کہتے ہیں :

”یاد رکھو! دعوتوں اور تحریکوں کے لیے کچھ وسائل ہوتے ہیں جنہیں اپنانا اور ان کے لیے جدوجہد کرنا گزیر ہوتا ہے اور وہ وسائل کبھی بدلتے نہیں، وہ ہمیشہ ایک سے رہتے ہیں، وہ وسائل کیا ہیں؟

۱۔ گہرا ایمان ۲۔ دقیق تنظیم ۳۔ پیہم جدوجہد“

پانچویں کانفرنس میں اس بات پر زور دیتے ہیں کہ بغیر تعمیر و تربیت اور تعارف کے کوئی بھی

مرحلہ طے ہونا ناممکن ہے۔ آپ کے نزدیک کسی بھی دعوت کے لیے تین مرحلے ناگزیر ہیں:

۱۔ دعوت کا تعارف ہو، زیادہ سے زیادہ اس کے چرچے ہوں، اس کی خوبیوں اور متوقع فائدوں کے تذکرے ہوں اور وہ عوام کے ایک ایک طبقے تک پہنچائی جائے یہ دعوت کا پہلا مرحلہ ہوگا۔

۲۔ دعوت کی تنظیم و تشکیل ہو۔ مخلص سرفروشوں کا انتخاب ہو، فوجوں کی تیاری و فراہمی ہو، صف بندی و صف آرائی ہو، یہ دعوت کا دوسرا مرحلہ ہوگا۔

۳۔ پھر تیسرا مرحلہ ہوگا جس میں اپنے اصولوں کا نفاذ ہوگا، عملی جدوجہد ہوگی، پھر نتائج کی خوشہ چینی ہوگی۔

اور چونکہ پوری دعوت میں ایک وحدت اور تمام مراحل میں قوی ربط ہوتا ہے اس لئے عموماً یہ تینوں مراحل ساتھ ساتھ طے ہوں گے چنانچہ داعی دعوت دیگا، اس وقت وہ تربیت و انتخاب بھی کرے گا۔ اور ٹھیک اسی لمحہ وہ عملی کوششوں اور تحفیذی سرگرمیوں میں بھی مصروف ہوگا۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ لیلائے منزل سے ہم آغوشی اور نتائج سے بہرہ اندوزی اسی وقت ہوگی جب دعوت کا خوب پرچار ہو، راہ ہموار اور فضا سازگار ہو۔ جاں بازوں کی ایک ٹیم جان و دل سے شمار اور جوش جہاد سے سرشار ہو اور تنظیم نہایت استوار و پائدار ہو۔“

امام البیہ نے جماعت کے کارکنوں کے سامنے آئیڈیل داعی کے اوصاف پیش کرتے ہوئے پانچویں کانفرنس میں فرمایا:

”جس وقت تم میں سے تین سو ایسے دستے تیار ہو جائیں جن میں سے ہر ایک اپنے آپ کو تیار کر چکا ہو، روحانی طور پر ایمان اور عقیدہ کی طاقت سے مسلح ہو، فکری طور پر علم و ثقافت کے جوہر سے آراستہ ہو اور جسمانی طور پر ریاضت اور عسکری تربیت میں کامل ہو چکا ہو، اس وقت تم مجھ سے مطالبہ کر سکتے ہو کہ تمہیں لے کر سمندر کی پہنائیوں کو چیر جاؤں، آسمان کی بلندیوں کو جالوں اور جبار و مستکبر کے پنجے توڑ دوں۔“

اس وقت ایسا کرنے میں مجھے انشاء اللہ کوئی باک نہ ہوگا۔“

راستہ لمبا ہے

اخوان اس بات کو بھی اچھی طرح سمجھتے تھے کہ یہ راستہ بڑا طویل، صبر آزما اور پُر پیچ ہے لیکن منزل تک پہنچنے کا اس کے علاوہ اور کوئی راستہ بھی نہیں ہے۔ اس لیے پیہم جدوجہد، مسلسل لگن اور صبر و عزیمت کے ساتھ دعوت کے تعارف اور تشکیل سیرت میں لگے رہنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ پانچویں کانفرنس میں امام البنا اپنے شاگردوں کو خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”مسلم بھائیو! بالخصوص جلد باز اور حمیت سے سرشار بھائیو! اپنے اس عظیم کانفرنس کے اندر صاف صاف سن لو! تمہاری جس راہ کے خطوط کھینچے ہوئے ہیں، اس کی حدود متعین ہیں اور میں ان حدود سے کبھی ہٹ نہیں سکتا کہ ان کے بارے میں مجھے کامل اطمینان ہے۔ بلاشبہ وہ منزل تک پہنچنے کا سب سے محفوظ راستہ ہے، ہاں یہ ممکن ہے کہ اس طرح سفر لمبا ہو جائے لیکن کوئی اور راستہ ہے بھی تو نہیں اور مردانگی کا مظاہرہ تو ہوتا ہی ہے اس وقت جب کہ صبر اور پامردی ہو، پیہم جدوجہد اور ان تھک کوشش ہو تو اگر کوئی کچا ہی پھل توڑنا چاہتا ہو یا شگفتگی سے پہلے ہی گل چینی پر مصر ہو تو میں کبھی ساتھ نہیں دے سکتا اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ ہم سے علیحدہ ہو جائے لیکن اگر کوئی صبر سے کام لیتا ہے یہاں تک کہ بیج اگ جائے، پودا تیار ہو جائے پھل پک جائے اور اس کے توڑنے کا مناسب وقت آجائے تو اس کا اجر اللہ کے یہاں محفوظ رہے گا۔

مسلم بھائیو!

جذبات کے ہيجان کو عقل و بصیرت کی لگام دو، عقل کی شعاعوں کو جذبات کی حرارت دو۔ حقیقت و واقعیت سے فکر و خیال کو مربوط رکھو اور فکر و خیال کے اجالوں میں حقائق کا سراغ لگاؤ۔ کسی ایک طرف نہ جھک جاؤ کہ دوسرے سے محروم ہو جاؤ، نوا میس

فطرت سے نکل نہ لو کہ وہ سر توڑ دیں ان کے دھارے کو موڑ کر انہی سے خدمت لو۔“

تشدد اور بغاوت سے اجتناب

تحریک اخوان المسلمون کے سلسلے میں یہ بات بالکل واضح رہنی چاہیے کہ وہ تشدد اور بغاوت سے بہت دور تھے۔ بلاشبہ اسلامی حکومت کے قیام کو انہوں نے اپنا اولین فریضہ سمجھا اور اس کے لیے جان و مال کی بازیاں بھی لگائیں لیکن ان کا سارا کام علی الاطلاق اور کھلم کھلا ہوتا تھا وہ خفیہ سازشوں اور تشددانہ انقلابات کے حامی کبھی نہ تھے۔ چنانچہ پانچویں کانفرنس میں مخالفین کے اسی طرح کے اعتراضات اور شکوک و شبہات کی دھجیاں بکھیرتے ہوئے بانی تحریک نے فرمایا:

”اکثر لوگ پوچھتے ہیں کہ اخوان المسلمون مصر کے سیاسی یا اجتماعی نظام کے خلاف بغاوت کے درپے ہیں؟ تو انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہم ضرورت قوت کا استعمال کریں گے مگر اس وقت جب اس کے علاوہ کوئی اور چارہ کار نہ ہوگا اور ہمیں یہ پورا اطمینان ہوگا کہ ہم ایمان و یقین اور وحدت و اجتماعیت کی قوت بھی فراہم کر چکے ہیں۔ رہی بغاوت تو اخوان اس طرح کا کوئی خیال نہیں رکھتے نہ اس کا وہ سہارا لیتے ہیں اور نہ اس کی افادیت کے وہ قائل ہیں۔ البتہ وہ تمام ارباب حکومت کو آگاہ کرتے ہیں کہ اگر حالات کا یہی رخ رہا اور اہل حل و عقد نے فوری علاج اور بروقت اصلاح کی کوشش نہ کی تو یقیناً بغاوت کے لاوے پھوٹ پڑیں گے اور یہ بغاوت خود حالات کا نتیجہ ہوگی۔ اصلاحی کوششوں اور مفید تدابیر سے لاپرواہی کا ثمرہ ہوگی۔ اخوان اور ان کی سرگرمیوں سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔“

خدمات

آئیے آخر میں اخوان کی ان خدمات کا بھی ہلکا سا جائزہ لے لیا جائے جو انہوں نے مصری معاشرے کی ہمہ گیر اصلاح کے لیے انجام دیں۔

یہ آپ شروع میں جان چکے ہیں کہ حسن البنا نے جن حالات میں دعوت کی داغ بیل ڈالی، انتہائی مخدوش اور خراب تھے۔ چنانچہ اخوان نے ملک کے ہر طبقے میں کام کیا۔ فکری انقلاب کے لیے راہیں ہموار کیں، ارباب اقتدار کو تعمیر و اصلاح کی طرف توجہ دلائی۔ صحافت کے میدان میں ٹھوس تعمیری کام کیا، تعلیم کے شعبے میں قابل لحاظ تبدیلی کا عنوان بنے۔ خدمت خلق کا وسیع اور بے لوث کام کیا۔ اقتصادی میدان میں ملک کو بیش بہا دولت سے نوازا غرضیکہ ہمہ جہتی خدمات انہوں نے انجام دیں۔ آئیے ذرا قدرے تفصیل سے ان خدمات کا جائزہ لیا جائے۔

فکری انقلاب

اخوان نے ایک طرف تعلیم یافتہ طبقہ کے اندر اپنا نفوذ کیا تو دوسری طرف کسانوں اور مزدوروں کے طبقہ میں اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں۔ الحاد و دہریت، وطنی قومیت اور مغرب کی نقالی کے خلاف آواز بلند کی۔ ان کی خرابیوں اور نقصانات پر دلائل کے انبار لگا دیے، قرآن و سنت سے صحیح اور جامع اسلام کے تصور کو بے نقاب کیا، دین و دنیا کی تفریق کے نظریہ کو باطل کیا۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں کو اپنی تعلیم و تبلیغ کا مرکز بنایا اور اس راہ میں جان توڑ کوششیں کیں۔ طلبہ اور اساتذہ کے اندر دین کی روح پھونکی اور انہیں جہاد کی تربیت دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہی یونیورسٹیاں جو پہلے اسلام کے خلاف سازشوں میں مصروف رہا کرتی تھیں اب وہاں اسلام کے علمبردار طلبہ حاوی اور غالب نظر آنے لگے اور طلبہ یونیوں پر ان کا قبضہ ہوتا گیا پھر جب فلسطین کے خلاف اعلان جنگ ہوا تو یہی طلبہ مجاہدین کی اگلی صفوں میں نظر آنے لگے۔

جب ان تعلیم گاہوں سے اسلامی نظام کا نعرہ بلند ہوا تو ہوا کا رخ بدل گیا، اب اہل علم و ادب بھی اس سے متاثر نظر آنے لگے اور ان کے الحاد و نواز قلم اسلامی نظام کی قصیدہ خوانی میں لگ گئے۔ جو زبانیں دین و سیاست کی تفریق کا اعلان کر رہی تھیں وہی اب یہ نغمہ بلند کرنے لگیں کہ ”اسلام عقیدہ بھی ہے اور عبادت بھی، وطن بھی ہے اور نسل بھی، دین بھی ہے اور ریاست بھی،

روحانیت بھی ہے اور عمل بھی، قرآن بھی ہے اور تلواریں بھی۔“ یہاں تک کہ مصر کے نامور ادیب احمد حسن زیات کو یہ لکھنا پڑتا ہے کہ:

”صرف اخوان المسلمون ہی اس بگڑے ہوئے معاشرہ کے اندر خالص اسلامی عقیدے اور سچے اسلامی ذہن کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ یہ لوگ دین کو ایک الگ تھلگ صومعہ نہیں سمجھتے اور نہ دنیا کو ایک آزاد اور مستقل بازار تصور کرتے ہیں۔ ان کی نگاہ میں مسجد بازار کا ایک منارہ ہے اور بازار مسجد کا ایک حصہ ہے۔ وعظ و تذکیر کے لیے ان کے پاس زبان ہے، اقتصادی میدان میں ان کے عملی منصوبے نافذ ہیں۔ جہاد کے لیے یہ اسلحہ کی تربیت حاصل کرتے ہیں۔ سیاست میں ان کا مستقل نظریہ ہے ہر شہر کے اندران کے پیرو ہیں۔ ہر عرب ملک کے اندران کا نفوذ ہے۔ مصر و سوڈان، عراق و شام، یمن و حجاز، عراق اور الجزائر و مراکش میں آج جو قومی بیداری نظر آ رہی ہے یہ انہی کی دعوت کی شعائیں ہیں اور وہ وقت قریب آ رہا ہے کہ یہ غیر معمولی اہمیت اختیار کر جائیں گے۔“ (الرسالہ شمارہ ۷ جنوری ۱۹۵۲ء)

فلسطین کے مشہور محقق ڈاکٹر اسحاق موسیٰ الحسینی تحریک اخوان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

”سرکاری علماء محض زبانی جمع خرچ کر رہے تھے صوفیاء کا گروہ تنگ نظر روحانیت پرستوں پر مشتمل تھا۔ شبان المسلمین کی تنظیم محض اصلاحی انجمن تھی۔ مصر جس بحران میں مبتلا تھا، ہر گروہ اس کا جزوی علاج کر رہا تھا۔ آخر اخوان المسلمون کی تحریک برپا ہوئی اور اس نے خلا کو ہڈ کر دیا۔“

اس مقصد کے حصول کے لیے اخوان نے وعظ و تذکیر اور اخلاقی اصلاح سے اپنے کام کا آغاز کیا۔ غریبوں اور مزدوروں کو اسلام کی بنیادوں کی طرف توجہ دلاتے انہیں نماز، روزے کی تعلیم دیتے، قرآن پاک کی چند سورتیں یاد کراتے، اسلامی دعوت کی حقیقت عام فہم انداز میں بتاتے، شریعت کے اوامر و نواہی سے انہیں آگاہ کرتے، منکرات و فواحش کے سیلاب کو روکتے۔

شروع شروع میں یہ کام مسجدوں کے ذریعہ ہوا پھر جب مختلف شہروں میں ان کی شاخیں کھل گئیں تو یہی شاخیں ان مقاصد کی تعلیم و اشاعت کے لیے درس گاہ بن گئیں۔

دوسری طرف ارباب اقتدار کو انہوں نے دعوتی خطوط لکھے۔ محمد محمود پاشا کے زمانے سے یہ طریقہ کار شروع ہوا۔ اسے ایک طویل خط لکھا گیا جس میں اصلاحی اقدامات کی طرف توجہ دلائی گئی تھی، قانون کو اسلامی قالب میں ڈھالنے کا مشورہ دیا گیا اور ایک ایسی کمیٹی بنانے کا مطالبہ کیا گیا جو مروجہ قانون کو اسلامی قانون کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کے لیے غور و فکر کرے۔ نحاس پاشا، عمر طاسین، محمد علی توفیق، احمد شہبہ پاشا اور دوسرے حکمرانوں کو بے شمار خطوط لکھے گئے۔

میدان صحافت میں

مصری صحافت محبت الدین الخطیب کی زبان میں ”ہالی وڈ“ کی صحافت میں تبدیل ہو چکی تھی لیکن اخوان نے اس صمنکدے میں اذان دی تو ہر طرف اسلام ہی اسلام کا نعرہ بلند ہونے لگا۔ ۱۹۴۶ء میں ”اخوان المسلمون“ روزنامہ جاری کیا تو مصر اور عالم عرب میں اسے بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس روزنامے نے اپنی بیباک تنقیدوں اور بے لاگ اداروں سے شاہی دربار میں ہلچل مچادی چنانچہ کئی بار اس کو بند کیا گیا۔ اس کے علاوہ ماہنامہ المنار، ہفت روزہ التعارف، الشعاع، ہفت روزہ النذیر، ہفت روزہ الشہاب، ہفت روزہ الدعوة، المباحث اور المسلمون انہوں نے جاری کیے اور یہ لوگ سنسنی خیز خبروں اور فحش قصوں کے بجائے ٹھوس مسائل میں دلچسپی لینے لگے۔

میدان تعلیم میں

اس میدان میں انہوں نے جو خدمات انجام دیں، وہ سرفہرست رکھی جاسکتی ہیں۔ انہوں نے مختلف موقعوں پر اسلامی نظام تعلیم کی طرف حکومت کو توجہ دلائی، تعلیم کے اہم مقاصد بیان

کیے، اپنی تعلیمی اسکیم کا خلاصہ عوام کے سامنے پیش کیا اور ارباب حکومت کو ان سے آگاہ کیا۔ لڑکیوں اور لڑکوں کے لیے علیحدہ ابتدائی اور ثانوی مدارس اور فنی درسگاہیں قائم کیں۔ ناخواندگی کو ختم کرنے اور عوام کی دینی معلومات بڑھانے کے لیے انہوں نے مدارس کھولے حفظ قرآن کی درسگاہیں جاری کیں، مزدوروں اور کسانوں کے لیے شبینہ مدارس جاری کیے، امتحانوں میں ناکام ہونے والے طلبہ کے لیے کئی مراکز قائم کیے جن میں یونیورسٹی کے زیر اہتمام کوچنگ کلاسوں کا انتظام تھا۔ کمن بچے جو مزدوری کی وجہ سے تعلیم سے محروم رہ جاتے تھے ان کی تعلیم و تربیت کے لیے شعبے قائم کیے۔ لڑکوں کی تعلیم کے لیے پرائیویٹ اسکول جاری کیے۔ مدارس امہات المومنین کے نام سے لڑکیوں کی تعلیم کا الگ انتظام کیا۔ صنعتی تعلیم کے مراکز قائم کیے غرضیکہ وسیع پیمانے پر تعلیمی مہم کو نافذ کیا۔ صرف قاہرہ میں ان کی اسم تعلیم گاہیں تھیں جن میں گیارہ کالج تھے۔

معاشی میدان میں

- قومی اقتصادیات کو مضبوط کرنے کے لیے انہوں نے کئی معاشی کمپنیاں قائم کیں جن کا منافع مضاربہ کے اصول پر تقسیم ہوتا تھا اور اس منافع میں مزدوروں کو بھی شریک کیا جاتا تھا۔
- ۱۔ شرکت معاملات اسلامیہ۔ اس کمپنی نے کئی عوامی بسیں جاری کیں۔ تیل سے جلنے والے چولہے بنانے کا کارخانہ قائم کیا۔ سیمنٹ کی ایک فیکٹری بھی قائم کی۔
 - ۲۔ شرکت عربیہ۔ یہ کمپنی سنگ تراشی کے جدید ترین آلات درآمد کرتی تھی۔
 - ۳۔ شرکت پارچہ بانی۔ ۱۹۴۸ء میں اس کمپنی نے کپڑے بنانے کے کارخانے کا افتتاح کیا۔ یہ کارخانہ بہترین پاپلین، ریشمی کپڑا، گبرڈین اور دوسرے بہترین پارچات تقسیم کرتا تھا۔
 - ۴۔ شرکت مطبعہ اسلامیہ
 - ۵۔ شرکت جریدہ یومیہ
 - ۶۔ شرکت تجارت و اعمال ہندسہ

۷۔ شرکت تجاریہ

۸۔ ایڈورٹائزنگ کمپنی

یہی حال اخوان کی طبی خدمات کا ہے۔ صرف قاہرہ میں ان کے ۷ اشفا خانے تھے۔

خدمت خلق

نقراشی پاشا کے زمانے میں جب اخوان خلاف قانون قرار دیے گئے تو اس وقت ان کے قائم کردہ خدمت خلق کے پانچ سومراکز تھے۔ یہ مراکز مستحقین کی اشیاء اور نقدی سے مدد کرتے۔ زکوٰۃ و صدقات اور چرم قربانی کی آمدنی سے حاجت مندوں کی ضروریات فراہم کرتے۔ بے روزگاروں کے لیے روزگار مہیا کرتے۔ مزدوروں کے حلقے میں مفت تعلیم اور مفت علاج کا بندوبست کرتے۔

غیر آباد مساجد کی دیکھ بھال بھی انہی مراکز کی ذمہ داری تھی۔ چنانچہ صرف قاہرہ میں ۲۵ مساجد ان کے زیر انتظام تھیں۔ مزدوروں کی مشکلات حل کرنے کے لیے انہوں نے لیبر سنٹر کھول رکھا تھا۔ زراعت کے میدان میں بھی ان کی قابل قدر خدمات ہیں۔ اخوان کا قائم کردہ یہ شعبہ کاشتکاروں کو کاشت کے جدید طریقوں سے آگاہ کرتا اور زرعی پیداوار کو آفات ارضی و سماوی سے محفوظ رکھنے کے طریقے بتاتا تھا۔

معاشرتی خدمات کے لیے بھی ان کا ایک مستقل بورڈ کام کرتا تھا۔ یہ ہے اس عظیم تحریک کی خدمات کا اجمالی تذکرہ۔

(اس مضمون کی تیاری میں مولانا خلیل احمد الحامدیؒ کی کتاب ”اخوان

المسلمون۔ تاریخ، دعوت، خدمات“ اور مولانا محمد عنایت اللہ سبحانی کی کتاب ”مجاہد کی

اذان“ سے بطور خاص استفادہ کیا گیا ہے۔ عربی اقتباسات کے حوالے بیشتر موخر

الذکر کتاب سے مستعار ہیں۔)

ادب کی حلاوت بھی، ایمان کی حرارت بھی
(قائدین کی خودنوشتوں کا مطالعہ)

مذکرات الدَّعوةِ والدَّاعية

علام اسلام کی طاقت و راور موثر تر تحریک ”اخوان المسلمون“ کے خودنوشت لٹریچر کا تجزیہ کیا جائے تو اس کے بانی شیخ حسن البنا شہید کی ”مذکرات الدعوة والداعية“ نہ صرف بیسویں صدی میں اولین تحریک اسلامی کی دستاویزی حیثیت میں اور مصر کے سیاسی و سماجی اور دینی حالات کے معتبر ریکارڈ کی حیثیت میں ممتاز و منفرد ہے بلکہ اپنے سادہ اسلوب، رواں اور برجستہ اظہار، اخلاص و سوز دروں کی سراپا تصویر کے اعتبار سے بھی صنف ادب میں بڑی موقر و معتبر ٹھہرتی ہے۔

یہ خودنوشت دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ایک حصہ شیخ حسن البنا کی اپنی سرگزشت اور واردات قلبی سے عبارت ہے اور دوسرا حصہ تحریک کی مختلف سرگرمیوں، پروگراموں اور رودادوں پر مشتمل ہے۔ ۱۹۴۳ء میں شیخ کی ذاتی ڈائری پر مصر کی پولیس نے قبضہ کر لیا اور انہوں نے شیخ کو کافی ہراساں و پریشان کیا۔ شیخ کی تحریروں کو توڑ مروڑ کر عوام اور حکومت کے سامنے پیش کیا اور ان کے الفاظ کو دور از کار معنی پہنا کر ایسے نتائج و مطالب اخذ کیے جو مصنف کے حاشیہ خیال میں بھی نہ آسکتے تھے چنانچہ انہوں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اب آئندہ کوئی یادداشت محفوظ نہ رکھیں گے۔ عدم تحریر کا یہ فیصلہ مصنف کے الفاظ میں ”بعد کی بے شمار یادداشتوں کی بربادی و اتلاف کا باعث ہوا۔ ایک انسان کے لیے اس سے زیادہ کڑوا گھونٹ اور کیا ہو سکتا تھا کہ وہ اپنی عزیز یادداشتوں کو خود اپنے ہاتھوں ضائع کر دے اور یادوں کا یہ سرمایہ ضائع ہو جائے اور استبداد زمانہ انہیں فراموش کر دے حالانکہ یہ یادیں محض یادیں نہیں، کتاب حیات کے اوراق پریشان ہوتی ہیں ایسے اوراق جن میں کبھی بھی پلٹ کر انسان اپنے دور ماضی میں ہو آتا ہے اور پھر انہیں بعد میں آنے والوں کے لیے بھی چھوڑ سکتا ہے اس ضیاع عظیم کے باوجود کچھ واقعات لوح حافظہ پر اس طرح ثبت ہیں

کہ گویا ابھی کل کی بات ہے شاید یہی جذبہ ہے جو مجھے دوبارہ قلم اٹھانے پر مجبور کر رہا ہے۔ شاید یہ خوف کہ گردشِ ایام ان یادوں کو مٹانہ دے۔^۱

طالب علمی کے زمانہ میں جن کتابوں نے شیخ کے دل پر گہرے اثرات مرتب کیے ان میں نبہانی کی الانوار المحمدیہ، قسطلانی کی المواہب اللدنیۃ کی تلخیص اور شیخ خضریٰ بک کی نور الیقین فی سیرۃ سید المرسلین خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ بچپن میں الامیرۃ ذات الہمة (بہادر شہزادی) نامی قصہ نے شیخ کو خاص طور سے متاثر کیا۔ اس سلسلہ میں شیخ لکھتے ہیں:

”جب میں یہ یاد کرتا ہوں کہ ان دنوں ہم جن قصوں اور کہانیوں کا مطالعہ کیا کرتے تھے وہ تمام تر غیرت و شجاعت، دفاع وطن، اتباع دین، جہاد فی سبیل اللہ اور شوکت و برتری کے لیے کشمکش کا درس ہوتے تھے اور اب جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ آج کا نوجوان جو افسانے اور ناول پڑھتا ہے وہ سرتا سر بے حیائی، زنا نہ پن، تھڑ دلی اور کھوکھلے کردار کی دعوت ہے تو مجھے اندازہ ہوتا ہے کہ ماضی قریب کی عوامی ثقافت اور حال کی عوامی ثقافت میں کس قدر حیران کن فرق واقع ہو چکا ہے۔ میری رائے میں ہمارے لیے یہ اشد ضروری ہے کہ ہم اس ثقافتی غذا کی خوب چھان پھٹک کریں جو نئی نسل کو کتابوں، کہانیوں، اخبارات اور مجلات کی شکل میں پیش کی جا رہی ہیں۔“^۲

حصولِ سند ایک فتنہ ہے!

۱۹۲۴ء میں ڈپلوما ان ٹیچنگ کا امتحان دینے کے لیے شیخ نفسی اضطراب و تردد کے کٹھن مراحل سے گزرے۔ ان دنوں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی احیاء العلوم کے مطالعہ کے نتیجہ میں علم، تلاش علم اور سندات اور ان کے حصول کے سلسلہ میں مصنف کی ایک مخصوص رائے تھی۔ ایک طرف مطالعہ کی جانب ان کا غیر معمولی رجحان اور اضافہ علم کی ان کی بے پناہ خواہش تھی اور دوسری طرف علم ضروری کے حصول کے بعد عمل کی جانب پیش رفت کا ناگزیر احساس انہیں بے چین کر رہا

تھا اور وہ سخت ذہنی کشمکش میں مبتلا تھے کہ آخر دارالعلوم میں داخلہ کی خواہش کے پیچھے کیا محرک کار فرما ہے؟ جاہ و منزلت کا حصول، مال و دولت کی تمنا کہ مشاہرہ زیادہ ملے گا اور دنیاوی مرغوبات سے لطف اندوزی ممکن ہوگی؟ یا علم و فن کی ذخیرہ اندوزی اور علماء کے ساتھ مسابقت اور جہلاء سے بحث و مجادلہ کے ذریعہ اپنا حق منوانے کے لیے لوگوں پر غلبہ حاصل ہوگا؟ چنانچہ شیخ کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ ”علم تو کتابوں میں پنہاں ہے، علماء و مشائخ کے دامن میں ہے اور سند ایک فتنہ ہے۔ یہ ایک سواری ہے دنیا کی طرف لپکنے کے لیے اور مال و منال سے رشتہ جوڑنے کے لیے۔ دنیا پرستی اور زر طلبی سم قاتل ہیں۔ اعمال کو غارت کو دینے والی ہیں۔ قلب و اعضاء کو بگاڑ دینے والی ہیں لہذا علم سیکھنا ہے تو کتابوں سے سیکھ اور تعلیم گاہوں کی سندوں اور رسمی ڈپلوموں سے نہ چمٹ۔“^۳ لیکن بعد میں شیخ کے استاد شیخ فرحات سلیم رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا نقطہ نظر تبدیل کر دیا اور بڑی لطافت اور دانائی سے دارالعلوم کا دروازہ کھٹکھٹانے کے لیے ان کے اندر بالفعل رغبت پیدا کر دی۔

الاخوان المسلمون کی تشکیل سے پہلے شیخ حسن البنا نے مصر میں الحاد و اباحت کے خلاف متحدہ محاذ بنانے کے لیے جو جدوجہد کی تھی اس پر بھی موصوف نے روشنی ڈالی ہے انہوں نے دارالعلوم، جامع ازہر اور دوسرے تعلیمی اداروں کے طلبہ شیخ حامد عسکری، شیخ حسن عبد الحمید، شیخ آفندی فضیلہ، احمد آفندی امین، شیخ محمد بشر، محمد سلیم عطیہ، کمال آفندی لبان، یوسف آفندی لبان، عبد الفتاح کیر شاہ، ابراہیم آفندی مدکور، سید آفندی نصیر حجازی، محمد آفندی شرنوبی اور حصافہ جماعت کے تعلیم یافتہ افراد سے تحریک اسلامی کے قیام پر گفتگو کی۔ سید محبت الدین الخطیب، احمد تیمور پاشا، عبدالعزیز پاشا، سید محمد الخضر حسین، سید رشید رضا، شیخ عبدالعزیز خولی اور شیخ محمد العدوی جیسی دانائے راز اور فضلاء روزگار ہستیوں سے ملاقاتیں کیں۔^۴ پھر شیخ یوسف الدجوی کی بھی زیارت کی اور حالات کی تصویر کشی کے بعد متحدہ اسلامی جدوجہد پر انہیں آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ شیخ دجوی نے ایک طویل بحث کے بعد بھی مایوسی کا اظہار کیا اور اس بات پر اصرار کیا کہ ان

حالات میں انسان کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنی ذات کی فکر اور اپنے آپ کو اس گرداب بلا سے بچالے۔ حسن البنائے گرجدار آواز میں اس کی مخالفت کی اور پورے ایمانی جوش کے ساتھ معاشرہ کی اصلاح پر علماء اور دانشوروں کو ابھارا اور ان کی اسلامی غیرت کو چیلنج کیا۔^۵

پھر یہ لوگ محمد سعد کے گھر حاضر ہوئے وہاں بھی حسن البنائے نے علماء کی غیرت و حمیت کو لاکارا تو شیخ دجوی اشکبار ہو گئے اور آنسوؤں سے ان کی داڑھی تر ہو گئی نتیجہ کے طور پر ان اصحاب علم و فضل نے ایک طاقتور اسلامی جریدہ الفتح نکالنا شروع کیا جس کے رئیس التحریر شیخ عبدالباقی سرور اور منبر محبت الدین الخطیب مقرر ہوئے بعد میں اس کی ادارت محبت الدین الخطیب کے ہاتھ میں آ گئی۔ یہ جریدہ تعلیم یافتہ، غیور اور اسلام پسند نوجوان نسل کے لیے مشعل ہدایت بنا۔^۶

شیخ حسن البنائے کی یہی داعیانہ تڑپ اور جہادی جذبہ اخوان کی تشکیل پر منتج ہوا۔ ذوالقعدہ ۱۳۴۷ھ مطابق مارچ ۱۹۲۸ء میں حافظ عبد الحمید، احمد الحصری، فواد ابراہیم، عبد الرحمن حسب اللہ، اسماعیل عز اور ذکی الغربی شیخ کے گھر جمع ہوئے اور تحریک اسلامی کی بنیاد رکھی۔^۷

اسکاؤٹنگ کی تربیت

شیخ حسن البنائے کی اس ڈائری سے معلوم ہوتا ہے کہ اخوان کی تشکیل کے بعد شعبہ اخوات المسلمات کا قیام بھی عمل میں آیا جو کارکنوں کی بیویوں، لڑکیوں اور رشتہ دار خواتین پر مشتمل تھا۔ جسمانی تربیت کی مشق کے لیے نیت جہاد کو پختہ کرنے کے لیے اسکاؤٹنگ کے اصولوں پر ایک گروپ تشکیل دیا جس کا نام تھا فرقة الرحلات۔ یہ نظام اسماعیلیہ کے بعد اخوان کی دوسری تمام شاخوں اور مراکز تک پھیل گیا^۸۔ یہ اخوان کی مجاہدانہ تربیت کا نتیجہ تھا کہ ۱۹۴۷ء میں جب اسرائیل وجود میں آیا تو ۱۲ دسمبر ۱۹۴۷ء کو اخوان نے زبردست احتجاجی جلوس نکالا جس کی قیادت خود بانی تحریک نے کی۔ ۶ مئی ۱۹۴۸ء کو تحریک کی مجلس اساسی کا اجلاس ہوا۔ اس میں حکومت مصر اور تمام عرب حکومتوں سے مطالبہ کیا گیا کہ اسرائیل کے خلاف اعلان جہاد کیا جائے اور فلسطین کو

بچانے کے لیے تمام ممکن تدابیر کی جائیں۔ اخوانیوں نے دوسروں کا انتظار کیے بغیر دس ہزار مجاہدین فلسطین میں بھیج دیے جنہوں نے اس جنگ میں جواں مردی و شجاعت کے ایسے حیرت انگیز کارنامے دکھائے کہ انگریز اور یہودی اور تمام غیر ملکی طاقتوں کے اوسان خطا ہو گئے۔

شعر و شاعری کا ذوق

یہ ڈائری سادہ اور پرکشش اسلوب اور بے ساختہ و بلا تکلف اظہار کی وجہ سے ادب کی دنیا میں قابل ذکر قرار پائی ہے۔ مصنف نے اپنے اندرونی اضطراب، حرارت و تپش اور سوز و ساز کو کاغذ کے صفحات پر منتقل کر کے قارئین کے دلوں کو گرمایا بھی ہے اور تب و تاب بھی عطا کیا ہے۔ وہ جگہ جگہ عربی اشعار بھی اس طرح نقل کرتے ہیں کہ ان سے مدعا مزید واضح اور روشن ہو جاتا ہے۔ واقعہ اسراء کے اعجاز پر تقریر کرتے ہوئے امیر الشعراء شوقی رحمۃ اللہ علیہ کے ان اشعار سے بھی استدلال کرتے ہیں:

یتساءلون و انت اکرم مرسل بالروح ام بالہیکل الاسراء
بہما سریت مطہرین کلاهما روح و روحانۃ و ضیاء^۹

”لوگ پوچھتے ہیں کہ آپ جو تمام رسولوں سے بزرگ تر ہیں کا سفر اسراء روح کے ذریعہ ہوا ہے یا جسد کے ذریعہ۔ بے شک دونوں کے ذریعہ آپ نے سفر فرمایا۔ دونوں حد درجہ پاک و طاہر ہو چکے تھے۔ دونوں سرا سر روح بھی تھے، روحانیہ بھی اور ضیاء بھی۔“

شیخ کی تقرری جب اسماعیلیہ میں ملازمت کے لیے ہوئی تو ان کے تمام ساتھی اور ہم جماعت جدا ہو گئے۔ احمد آفندی السکری نے محمودیہ میں مشن کی ذمہ داری سنبھالی۔ شیخ حامد عسکری ازہر سے عالمیت کی ڈگری لینے کے بعد زقازلیق میں واعظ مقرر کر دیے گئے اور شیخ عبدالحمید نے کفر الدوار میں زراعت کا آزاد کاروبار اختیار کر لیا اور حسن البنا رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے احباب کو

اس شعر کی تمثیل بننا پڑا:

بالشام اہلی بغداد الہوی و انا

بالرقتین و بالفسطاط جیرانی

”شام میں میرے اہل و عیال ہیں، بغداد میں دل اٹکا ہوا ہے اور میں رقتین میں بیٹھا ہوا ہوں اور میرے ہمسائے فسطاط میں۔“

ٹیچرز ٹریننگ اسکول کی طالب علمی کے دور میں فرید بک کا انتقال ہوا تو اس مجاہد وطن کی یاد میں مصنف نے چند اشعار نظم کیے جن میں سے پہلا شعر پورا اور دوسرے شعر کا ایک مصرع انہیں یاد رہ سکا وہ یہ ہیں:

أفریدنم بالامن و الایمان فرید!

”اطمینان و ایمان کے ساتھ محو خواب ہو جا“

أفرید لاتعجز علی الاوطان فرید!

”وطن پر آشفۃ نہ ہو!“

أفرید تفدیک البلاء یا باسرها فرید!

”تم پر تمام آزمائشیں قربان ہوں۔“

۱۹۱۹ء کی مصری بغاوت کے بعد برطانیہ نے تحقیقات کے لیے ملز کی قیادت میں ایک کمیشن

بھیجا جس کا پوری مصری قوم نے مقاطعہ کیا۔ کمیشن کے خلاف قوم کے جذبات سیل رواں بن کر اٹھے تو نوعمری کے باوجود مصنف نے، جو ابھی زندگی کی تیرہویں بہاریں دیکھ رہا تھا، قومی احساس و شعور کی اس طرح ترجمانی کی:

یا ملز ارجع ثم سل وفدا بیاریس اقام

وارجع لقومك قل لهم لاتخذعوهم یالثام

”ملز واپس جاؤ اور اس وفد سے اصل رائے دریافت کرو جو پیرس میں مقیم ہے اپنی قوم

کے لوگوں کے پاس جاؤ اور ان سے کہہ دو کہ اے کم ظرف مصریوں کو دھوکہ نہ دو۔“^{۱۲}

شیخ نے نوعمری میں متعدد قومی نظمیں کہی تھیں اور پھر اپنے ان خام اور ابتدائی رشحات فکر کو ایک ضخیم دیوان میں جمع کر دیا تھا جسے انہوں نے نذر آتش بھی کر دیا۔ یہ اس وقت کی بات تھی جب وہ تصوف کے دور سے گزر رہے تھے۔ ٹیچرز ٹریننگ اسکول کا پورا زمانہ تصوف میں استغراق کا زمانہ تھا۔ اسی طرح مذاہب اربعہ کی فقہ پر ان کی کچھ تصانیف تھیں اور افسانہ تو دلجاریہ کے طرز کی کچھ ادبی کاوشیں تھیں جو انہوں نے استاذ محمد علی بدیر کے ساتھ مل کر مسجد کے اندرونی چبوترے میں گوشہ نشین ہو کر رقم کی تھیں مگر یہ سب چیزیں تغافل کی نذر ہو گئیں۔^{۱۳}

الأطیاف الأربعة

اخوانی رہنماؤں کے رقم کردہ آپ بیتی لٹریچر میں الاطیاف الاربعہ کو اس اعتبار سے خصوصی اہمیت حاصل ہے کہ اس میں سید قطب، ان کے بھائی محمد قطب اور بہنوں امینہ قطب اور حمیدہ قطب کی تاثراتی تحریریں شامل ہیں جو ان مصنفین کے پختہ انداز فکر، متین و باوقار اسلوب اور محکم خواطر کی آئینہ دار ہیں۔ یہ تحریریں تحریک اخوان میں شمولیت سے قبل کے دور سے تعلق رکھتی ہیں اور زیادہ تر خاندانی حالات اور ذاتی کیفیات و تاثرات پر مشتمل ہیں خود سید قطب کے تاثرات و خواطر چالیس صفحات پر مشتمل ہیں۔ اس تحریر میں انہوں نے اپنے اندرونی احساسات اور جسم کے اندر ڈھرکتی ہوئی زندگی کی بے تابیوں کو الفاظ کا جامہ پہنایا ہے۔ ماں کی فرقت و جدائی کے احساسات اور ان کے لیے بارگاہ خداوندی میں دعا و استغفار کا جذبہ، سنگدل اور ظالم زمانہ سے خفگی و ناراضگی وغیرہ کیفیات کو انہوں نے اس طرح الفاظ کے پیرایہ میں ڈھالا ہے کہ جذبات کی حرارت، وجدان کی روانی، خواہشات کا زور اور ناامیدی کا خواب یہ سارے تاثرات ایک زندہ و متحرک شکل اختیار کر گئے ہیں۔ وہ جب اس دو شیزہ کا تذکرہ کرتے ہیں جسے انہوں نے اپنی رفیقہ حیات بنانا چاہا تھا مگر وہ ان کے نصیب میں نہ آسکی اور وہ ان کے لیے شجر ممنوعہ بن گئی تو ان کی

تپش اور ان کا جذبہ دروں گویا مجسم جذبہ اور مجسم احساس بن جاتے ہیں:

”وہ کون ہے جس کے علاوہ میں کسی سے سیراب نہیں ہو سکتا اور جس کی حرارت اور روشنی کے بغیر میں زندگی کا تصور تک نہیں کر سکتا۔ میری تشنہ لبی مجھے قتل کیے دے رہی ہے حالانکہ پیاس بجھانے کی چیز قریب ہی موجود ہے۔ زندگی مجھے رسوا کیے ہوئے ہے۔ حالانکہ اس کے دونوں بازو میری طرف دراز ہیں۔ میں اس محرومی کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہوں اور ان زنجیروں کو توڑ ڈالنے کا تہیہ کر چکا ہوں۔ تقدیر میرا منہ چڑھا رہی ہے اور میرا مذاق اڑانے پر تلی ہوئی ہے۔ اس کے قہقہوں سے کونہ کونہ گونج رہا ہے!

وہ میوہ حرام ہے!

اے تقدیر، تو نے اسے میری راہ میں کیوں ڈالا تھا اور پھر اسے میوہ حرام کیوں کر دیا؟
اے تقدیر! میں تیرا ظالمانہ فیصلہ سن رہا ہوں۔ ٹھہر جاؤ! وہ میوہ حرام ہے..... بس
میرے لیے اتنا ہی کافی ہے!“^{۱۲}

سماج سے بغاوت

اس تاثراتی اور جذباتی تحریر سے ادیب کی حریت پسندی، بے جا سماجی قدغونوں سے آزادی اور ان کے خلاف باغیانہ جذبہ کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ گویا ملکیت کا ایک نیا مفہوم پیش کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک مالک انسان اور مملوکہ شئی دونوں مسخر اور قابو یافتہ ہیں یا تو مالک کی عبودیت کے سامنے یا ملکیت حاصل کرنے کی بے پناہ خواہش کے سامنے۔ ان دونوں حالتوں کو سید قطب انسان کی کرامت کے خلاف تصور کرتے ہیں۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ ”کائنات مالک اور مملوک کے سوا کیا ہو سکتی ہے؟

ملکیت فنا کی ایک زنجیر ہے جس سے خلود بہت پرے ہے۔

مالک، مقید مملوک کی ملکیت سے کم مقید نہیں اور دونوں کے درمیان رابطہ کا تناسب تقریباً یکساں ہے۔“ ۱۵

سید قطب کی اس آپ بیتی میں، جوان کے ابتدائی دور کی تحریر ہے، نو جوان ادیب کی رعنائی اور رومانویت نظر آتی ہے جس کی رگ رگ میں محبت و نشاط، فرحت و انبساط اور ذمہ داریوں کا احساس سمایا ہوا ہے۔ ان کی فکری حریت، حق گوئی و بے باکی اور خود ساختہ بندشوں کے خلاف بغاوت کی چنگاری سطر سطر سے اڑ رہی ہے۔

الإخوان المسلمون - أحداث صنعت التاريخ

استاذ محمود عبد الحليم کی تصنیف الاخوان المسلمون - أحداث صنعت التاريخ (روية من الداخل) آپ بیتی سے زیادہ جگ بیتی اور تاریخ تحریک ہے۔ یہ یادداشت تین ضخیم حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ مرشد اول حسن البنا رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت اور ان کے مبارک دور تک محدود ہے۔ دوسرے حصہ میں اخوان پر ڈھائے گئے مظالم اور مصر میں سیاسی ابتری زیر بحث آئے ہیں جبکہ تیسرا حصہ مرشد ثانی حسن اسماعیل الہیسی رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں تحریک کی رفتار و مسائل پر روشنی ڈالتا ہے۔ مصنف چونکہ اخوان کی الہیئۃ التأسيسیہ کے رکن اور بانی شہید کے قریبی دوستوں میں رہے ہیں اور انہوں نے تحریک کے تمام مراحل میں شانہ بشانہ مصروف عمل رہ کر حصہ لیا ہے اس لیے مصر میں دعوت اسلامی کی تاریخ سے متعلق ان کی یہ شہادت انتہائی معتبر اور ثقہ ہے اس کے باوجود مصنف کا یہ بیان علمی دیانت کی علامت ہے کہ:

”گرچہ میں نے الاخوان المسلمون کی دعوت کے تمام ریکارڈ اور ساری دستاویزات کھنگالی ہیں تاہم میں یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں نے تمام چیزوں کا احاطہ کر لیا ہے، اور جو تھوڑا سا حصہ تاریخ کا میری گرفت میں آسکا ہے اس کے بارے میں بھی میں پورے وثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ میں نے اس کا حق ادا کر دیا ہے البتہ محنت بھرپور کی

ہے۔ میرے لیے یہی کافی ہے کہ میں نے راستہ کھوج نکالا ہے اور بعد میں آنے والوں کے لیے تحقیق کی راہ دکھا دی ہے۔“^{۱۶}

خود احتسابی کا عمل

اس آپ بیتی میں مصنف نے بعض ایسے نازک اور حساس مسائل بھی اٹھائے ہیں جن سے عام طور پر دوسرے مورخین اور ادیبوں نے پہلو تہی کی ہے۔ مثال کے طور پر تحریک کی رفتار کا جائزہ لیتے ہوئے، ہمدردانہ محاسبہ و تنقید سے بھی دریغ نہیں کیا ہے اور ان کمزوریوں اور کوتاہیوں پر بھی انگلی رکھی ہے جو اخوان کے بعض کارکنوں کی طرف سے سرزد ہوئیں۔ ان واقعات و حقائق سے تعرض کرنے کے مندرجہ ذیل محرکات مصنف نے بیان کیے ہیں:

۱۔ یہ واقعات خواہ کتنے ہی حساس ہوں، دعوت کی تاریخ کا ایک حصہ بن چکے ہیں جن کے گہرے اثرات تحریک پر مرتب ہوئے۔ مورخ کے لیے جائز نہیں ہے کہ ان سے تغافل برتے یا ان کو قالین کے نیچے چھپانے کی کوشش کرے۔ تاریخ کسی کو معاف کرتی ہے نہ کسی پر رحم کھاتی ہے۔ اگر اصحاب دعوت اور علمبرداران تحریک ان سے چشم پوشی کریں گے تو اغیار انہیں لازماً منظر عام پر لائیں گے اور اس وقت تحریف و تشویہ کی شکایت بے سود ہوگی۔

۲۔ مصنف ان واقعات سے براہ راست مربوط رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے سازشوں کے تمام تانے بانے دیکھے ہیں اور بیشتر معاملات میں وہ شریک رہے ہیں اس لیے ان حقائق سے پردہ اٹھانا آئندہ نسل کے لیے ان پر فرض تھا تا کہ تاریخ صحیح صورت میں مدون ہو۔

۳۔ وہ عالمی تحریکات اسلامی اور ان کے علمبرداروں اور کارکنوں کی توجہ اس حقیقت کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں کہ جذبات کو بے لگام چھوڑ دینا، خواہ وہ کتنے ہی پاکیزہ اور بلند ہوں اور ان کے پس پشت کارفرمانیت اور ارادہ میں کتنا ہی اخلاص پایا جاتا ہو، تحریکوں اور تنظیموں

کے لیے نقصان دہ ہوتا ہے اور اجتماعی معاملات میں بہترین طریقہ کار ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ جذبات پر قابو رکھا جائے اور میانہ روی و اعتدال کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔ اسی طرح وہ اس حقیقت کو بھی واشگاف کرنا چاہتے ہیں کہ تحریکوں میں اقتدار کی ہوس اور منصب کی حرص بڑی تباہ کن ثابت ہوتی ہے۔ تحریک کے لیے وہی افراد سازگار ہوتے ہیں جو اپنے قلب و وجدان کو تحریک کی نذر کر چکے ہیں۔ جو لوگ اپنے ذاتی و شخصی مفادات اور خاندانی مصالح پر نظر رکھتے ہیں وہ جلد ہی مادیت کے اسیر ہو جاتے ہیں۔ کلا

وَأَتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاتَّبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ
الْعَوِينَ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ
هَٰؤُلَاءِ۔^{۱۸} (اعراف: ۱۷۵-۱۷۶)

”اور اے نبی ﷺ! ان کے سامنے اس شخص کا حال بیان کرو جس کو ہم نے اپنی آیات کا علم عطا کیا تھا مگر وہ ان کی پابندی سے نکل بھاگا آخر کار شیطان اس کے پیچھے پڑ گیا یہاں تک کہ وہ بھٹکنے والوں میں شامل ہو کر رہا۔ اگر ہم چاہتے تو اسے ان آیتوں کے ذریعہ سے بلندی عطا کرتے مگر وہ تو زمین ہی کی طرف جھک کر رہ گیا اور اپنی خواہش ہی کے پیچھے پڑا رہا۔“

مصنف کے نزدیک دعوت اسلامی چونکہ عالمی دعوت ہے جس کا مخاطب کوئی خاص گروہ نہیں ہے نہ کسی خاص زمانے یا مقام کے مسائل سے اس نے بحث کی ہے بلکہ اس نے ان مسائل کو اٹھایا ہے جو پوری دنیا کے عمومی مسائل ہیں اس لئے اس کی تاریخ کے چھوٹے بڑے تمام گوشے منظر عام پر آنے چاہئیں اور اس کا کوئی پہلو نگاہوں سے مخفی نہ ہونا چاہیے۔ مصنف کے مطابق قرآن نے یہی انداز و اسلوب اختیار کیا ہے۔ اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام خصوصیات اور آپ کی عالمی زندگی کے تمام گوشوں کو اجاگر کر دیا ہے بلکہ بڑی تفصیل سے ان پر روشنی ڈالی ہے اور ان کا تحلیل و تجزیہ کیا ہے۔ یہاں مثال کے طور پر واقعہ اُفک کو پیش کیا جاسکتا ہے

جسے قرآن نے شرح و وسط سے بیان کر کے عام اصول و قواعد وضع کر دیے ہیں۔^{۱۹}

جگ بیتی بھی، آپ بیتی بھی

اس کتاب کی ترتیب و تدوین پر تاریخ نگاری کی زبردست چھاپ ہے مگر مصنف نے ہر جگہ اپنی زندگی کے بعض پہلوؤں اور اپنی شخصیت کے نمایاں نقوش بھی مرسم کر دیئے ہیں جن کی وجہ سے تاریخ کی یہ کتاب آپ بیتی بن گئی ہے۔ مصنف نے اس اسلوب تحریر کو نہ صرف اختیار کیا ہے بلکہ اس کی بھرپور وکالت بھی کی ہے۔ ان کے نزدیک آپ بیتی اور ڈائری نویسی بلکہ عام تاریخ نگاری میں بھی یہی اسلوب اختیار کرنا چاہیے کیونکہ:

”قاری جب کوئی کتاب پڑھتا ہے جس کے مصنف کے بارے میں نام کے سوا کوئی واقفیت نہیں ہوتی تو اس کی مثال اس غریب الدیار مسافر کی ہوتی ہے جو شہر کے گوشے گوشے میں گھومتا ہے اور اس کی تمام عمارتوں اور سڑکوں کا مشاہدہ کرتا ہے مگر اس کے ساتھ کوئی گائڈ نہیں ہوتا وہ بغیر کسی رہنمائی کے بادیہ پیمائی کرتا رہتا ہے۔ بسا اوقات کسی چیز پر اس کی نگاہ ٹھہر جاتی ہے اور آخر میں کسی پناہ گاہ میں بسیرا بنا لیتا ہے۔ اس تمام دوڑ دھوپ میں اسے کوئی الفت و لگاؤ محسوس نہیں ہوتی اور وہ کوئی واضح تصویر لیے بغیر شہر سے واپس ہو جاتا ہے یا اس قاری کی مثال اس آدمی کی سی ہے جو اندھیرے میں کسی شمع کے بغیر ہاتھ پیر مارتا ہے اور سکون و طمانیت سے محروم، خوف و دہشت کے ساتھ قدم بڑھاتا ہے۔

اگر مصنف قاری سے اپنا تعارف کرادے، اپنی زندگی کے بعض پہلوؤں کو اس پر منکشف کر دے اور حیات و نفس کے بعض نقوش پر روشنی ڈال دے تو قاری کچھ انسیت اور اپنائیت محسوس کرنے لگتا ہے اور قاری اور صاحب کتاب کے درمیان الفت و محبت کے چراغ روشن ہو جاتے ہیں۔ وہ کتاب پڑھنا شروع کرتا ہے تو

مصنف سے دوستی و صداقت کا رشتہ استوار ہونے کی وجہ سے اپنے کو پورے سفر کا ہمراہی تصور کرتا ہے۔ دعوتوں اور تحریکوں کی زندگی ان کے افراد اور علمبرداروں سے ہی عبارت ہے۔ ان دونوں کے درمیان کوئی فصل قائم کرنا ناممکن ہے خاص طور سے جبکہ دعوت نے ان کی زندگیاں تشکیل کی ہوں اور ان کے تمام اعمال اور سرگرمیوں پر اس کا قبضہ و غلبہ رہا ہو۔“^{۱۲}

یادوں کی امانت

تحریک اخوان کی ایک اور دلچسپ خودنوشت تیسرے مرشد عام استاذ السید عمر تلمسانی کی مرتب کردہ ہے جو عربی زبان کے عالمی روزنامہ ’الشرق الاوسط‘ میں قسط وار شائع ہوئی۔ اخبار کے نمائندہ عصام الغازی نے انٹرویو کی صورت میں ان یادداشتوں کو قارئین کے سامنے پیش کیا۔ اس کی پہلی قسط ۲۳ جولائی ۱۹۸۴ء کو طبع ہوئی۔ اس کے منتخب حصوں کے اردو میں ترجمے جناب حافظ محمد ادیس کے قلم سے ہفت روزہ ’ایشیا‘ لاہور میں چھپتے رہے اور آخر میں ’یادوں کی امانت‘ کے نام سے کتابی صورت میں یہ پوری روداد چھپ گئی یہ یادداشت استاذ عمر تلمسانی کے ذاتی حالات کو بیان کرتی ہے مگر بحیثیت مجموعی یہ تحریک اخوان اور اس کے قافلہ سخت جان کی رودادوں چکاں کا مرقع ہے۔ الشرق الاوسط میں عالم اسلام اور مغربی دنیا کے عالموں، سائنسدانوں، سیاستدانوں، اور عالمی شہرت یافتہ کھلاڑیوں کی یادداشتیں چھپتی رہتی ہیں۔ انٹرویو دینے والے مشاہیر یا اپنی آپ بیتی لکھنے والے ادباء کو بڑا خطرہ معاوضہ دیا جاتا ہے۔ اخبار کے نمائندے نے جب مرشد عام کی خدمت میں اس کا اظہار کیا تو مرحوم نے بڑی بے نیازی سے فرمایا ”میں اخوان المسلمون کی تاریخ بیچنا نہیں چاہتا۔“^{۱۳}

بانی تحریک حسن البناء رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کے بعد حسن اسماعیل الہیسی رحمۃ اللہ علیہ تحریک کے مرشد عام چنے گئے۔ ان کی وفات کے بعد اخوان کے قدیم رکن اور ایثار و قربانی کے

پیکر السید عمر تلمسانی مرشد عام منتخب ہوئے۔ ان کی عمر اس وقت اسی سال تھی، وہ اخوان کی تاریخ کے امین تھے۔ ان کا سینہ اس تابندہ و درخشاں تاریخ کا مخزن تھا جس نے اس صدی میں اسلاف کی یادیں تازہ کر دیں۔ انہیں تقریباً نصف صدی اس تحریک کی اگلی صفوں میں کام کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اخوان کے اوپر جو دور ابتلا گزرا اس کے دوران آپ طویل عرصے تک پس دیوار زنداں رہے مگر آپ کی گردن کبھی کسی مستبد آمر کے سامنے نہ جھکی۔ آپ کو ترغیب و تحریص سے بھی شیشے میں اتارنے کی بارہا کوشش کی گئی مگر آپ کو اللہ نے ہر ایسے موقع پر استقامت بخشی۔

یہ آپ بیتی عام مروجہ اسلوب میں مرتب نہیں کی گئی جیسا کہ مرشد عام نے خود جگہ جگہ اس جانب اشارہ کیا ہے۔ بسا اوقات یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ بعض چیزوں کا بار بار اعادہ کیا گیا ہے تاہم مصنف نے محض اپنی یادداشت کی مدد سے بغیر کسی تحریری ریکارڈ کے بالکل بے ساختہ اور بے تکلف اپنی یادوں کے چراغ جلائے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شہد کی مکھی کی طرح انہوں نے ہر پھول سے رس چوسا ہے اور غسل شفا بخش سے اپنا چھتہ بھر لیا ہے۔ انہوں نے نہ تو کسی بات کے بیان کرنے میں تصنع سے کام لیا ہے اور نہ کوئی ملمع سازی کی ہے۔^{۲۱}

مصنف کے بیان کے مطابق قاری اور مصنف عام طور پر یہی چاہتے ہیں کہ واقعات و حوادث کو مرکزی نقطہ قرار دیا جائے اور ان کے گرد ساری تحریر گھومتی نظر آئے مگر سید عمر تلمسانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ نقطہ نظر نہیں ہے۔ ان کا خیال تو یہ ہے کہ واقعات بیان کرنے کے ساتھ ہر واقعہ کے بارے میں فکری و نظریاتی تفصیلات اور مصنف کی ذاتی رائے بیان کر دی جائے تو فکر و عقیدہ کا ایک خاص رنگ اور سوچ کا ایک مخصوص زاویہ پروان چڑھتا ہے لیکن اکثر یادداشتوں میں یہ چیز معدوم ہوتی ہے۔ بس واقعات کو ایک مشینی انداز میں تسلسل کے ساتھ بیان کر دیا جاتا ہے۔ یہی مروجہ طریقہ ہے جس سے ہٹ کر اپنے طرز پر انہوں نے اپنی یادداشتوں کو مرتب کیا ہے۔ مصنف لکھتے ہیں:

”اس نے انداز سے اگر ناشرین و قارئین کو کچھ کوفت محسوس ہو تو اس میں میرا کوئی

قصور نہیں ہے کیونکہ میں نے تو اپنی زبان و قلم اور جسم و جان کی ساری توانائیاں دعوت حق کے لیے وقف کر دی ہیں۔ میں ان یادداشتوں کے ذریعہ اس دعوت کے ان گوشوں کو قارئین کے سامنے اجاگر کرنا چاہتا ہوں جن سے عموماً لوگ بے خبر ہیں۔ ہر آدمی کا اپنا سطح نظر ہوتا ہے اور جو شخص جس چیز کا ارادہ کر لے اللہ اس کی توفیق دے دیتا ہے۔“ ۲۳

مصنف کے بقول اکثر یادداشتیں ذاتی اغراض، ہوا و ہوس اور شہرت کے لیے لکھی جاتی ہیں مگر جن تحریروں کا محور و مرکز عقیدہ و ایمان ہو ان کے اندر ذاتی اغراض اور طلب و جاہ کا گزر نہیں ہو سکتا۔ مصنف کی یہ یادداشتیں قرآن و سنت اور اجماع علماء کی حدود کے اندر ہی مرتب کی گئی ہیں۔ ۲۴ ان کے نزدیک ”نصیحت اور نجات کی جانب رہنمائی“ دو اہم ترین اسباب ہیں جنہوں نے یہ یادداشتیں ریکارڈ کرنے کی ترغیب مصنف کو دلائی۔

مصنف نے جہاں اپنی اہلیہ کی پاکبازی و سعادت مندی کا تذکرہ کیا ہے وہاں اپنی غیرت و خودداری پر بڑا زور صرف کیا ہے اور اس امر کا اظہار کیا ہے کہ وہ اپنی اہلیہ کے بارے میں بڑے غیرت مند تھے سورج کی کرنوں سے بھی انہیں غیرت تھی کہ کہیں وہ بیوی کے جسم کو نہ دیکھ لیں اور ہوا کے جھونکوں کو بھی وہ غیرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے کہ وہ اس کے لباس سے چھو کر نہ گزر جائیں۔ ۲۵

مصنف نے اخوانیوں پر جمال عبدالناصر کی بدنام زمانہ جیلوں میں توڑے گئے مصائب کے پہاڑوں کا تذکرہ کیا ہے اور یہ المناک صورت حال بھی کہ بعض نوجوان زندانیوں نے اس ناقابل بیان ظلم و ستم کو دیکھ کر فیصلہ کیا کہ ناصر کو کافر سمجھا جائے۔ انہوں نے کافی عرصہ غور و خوض کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ جس قسم کے عذاب اور بدترین سنگ دلی کا مظاہرہ ناصر کر رہا ہے وہ کسی ایسے آدمی کے ہاتھوں ہرگز ممکن نہیں جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو۔ یہ نوجوان جن کی راتیں بھی عذاب میں گزرتیں اور دن بھی ابتلا میں انہیں ناصر کے کافر ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہ گیا تھا۔

مرشد عام حسن اسماعیل الہیسی رحمۃ اللہ علیہ نے اخوانی نوجوانوں کو بلایا اور ان سے اس موضوع پر گفتگو فرمائی۔ مجلس ختم ہوئی تو معلوم ہوا کہ نوجوانوں نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا ہے اور مرشد عام کی رائے سے مطمئن ہیں مگر حقیقت میں ایسا نہ تھا انہوں نے مرشد عام کی رائے کے احترام میں خاموشی اختیار کر لی تھی مگر ان کی رائے میں کوئی تبدیلی نہ آئی تھی۔ باہر نکل کر انہوں نے پھر اسی رائے کا شہدہ سے اظہار کیا۔ مرشد عام نے محسوس کیا کہ وہ اس رائے کو ترک نہیں کریں گے چنانچہ آپ نے شہرہ آفاق کتاب 'دعاء لافضا' تحریر فرمائی۔^{۲۶}

آسان راستہ کا انتخاب

سید عمر تلمسانی نے اس آپ بیتی میں اپنے کو کامل اور ہر گناہ سے مبرا بنا کر پیش نہیں کیا بلکہ ان کا نقطہ نظر ہمیشہ یہ رہا کہ دو راستوں میں سے آسان راستہ کو اختیار کریں بشرطیکہ وہ اللہ کی معصیت پر مبنی نہ ہو۔ کمال کے نقطہ نظر کے مطابق اخوان فرشتے نہیں ہیں۔ ان کی ایک بنیادی صفت یہ ہے کہ وہ اپنی خوبیوں اور نیکیوں کے ساتھ اپنی خامیوں اور کوتاہیوں کو بھی خوب جانتے ہیں۔ عصمت تو انبیاء و رسل کے لیے مخصوص ہے اور کمال صرف ذات ربانی کا حصہ ہے عام انسان غلطیوں سے مبرا نہیں ہوتے نہ انہیں اس کا دعویٰ کرنا چاہیے۔ خود اپنی شخصیت کے بارے میں موصوف لکھتے ہیں:

”داخلی و خارجی صحافت میں میرے بارے میں بہت کچھ لکھا جاتا رہا ہے۔ لکھنے والوں میں جو مخالفین ہیں وہ دشمنی میں اندھے ہو کر ایسی باتیں لکھ جاتے ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ جو چاہنے والے ہیں وہ محبت میں آکر غلو کرتے ہیں اور میری ایسی تصویر کشی ان کے قلم سے کی جاتی ہے جس کا میں اہل نہیں۔ ان یادداشتوں کے ذریعہ مجھ سے نفرت کرنے والوں کو جان لینا چاہیے کہ میں اپنی غلطیوں کے باوجود قابل گردن زدنی نہیں ہوں۔ اسی طرح میرے احباب کو بھی سمجھ

لینا چاہیے کہ میں کاملیت کے درجہ پر فائز نہیں ہوں۔“ ۲۸

ظالموں کے لیے کلمہ خیر

سید عمر تلمسانی رحمۃ اللہ علیہ کی ان یادداشتوں کا ایک نمایاں وصف ان کا دھیما، معتدل اور سنجیدہ و باوقار اسلوب ہے۔ اپنے بدترین مخالفین اور ایذا و تعذیب کے ذمہ دار منافقین کا تذکرہ کرتے ہیں تو کوئی اشتعال انگیزی ظاہر نہیں ہوتی۔ کسی انتقامی جذبہ کی کارفرمائی نظر نہیں آتی اور نہ پر شکوہ اسلوب اور بھاری بھر کم الفاظ کے سنگریزے برستے دکھائی دیتے ہیں بلکہ اس کے برعکس رحمت و مغفرت کی دعائیں زبان سے جاری رہتی ہیں، مخالفین کی ہدایت کا سوز اور ان کی اصلاح کا جذبہ اندرون میں کروٹیں لیتا نظر آتا ہے اور الفاظ و کلمات متانت و دیانت اور احساس ذمہ داری سے گراں بار ہو کر وقار اور شائستگی کا پیرا ہن زیب تن کر لیتے ہیں۔ جمال عبدالناصر نے اپنے دور صدارت میں نہ صرف مصر میں اخوان کو کچلنے کی کوشش کی بلکہ دیگر مسلم ممالک میں بھی اس نے ان کے قتل، تعذیب اور ابتلا کا اہتمام کرنا چاہا مگر مصنف اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

”اس کے مظالم کسی سے پوشیدہ نہیں اور ہم اب تک ان مظالم کو فراموش نہیں کر سکے اس کے باوجود میں کوئی انتقامی جذبہ اپنے دل میں نہیں رکھتا۔ میں ہر عاصی و گنہگار مسلم کے لیے اللہ سے اس کی رحمت کی دعا کرتا ہوں۔ ناصر کے حق میں بھی اللہ سے دعائے مغفرت کرتا ہوں میں ہر مخلص مسلمان کو ناصحانہ مشورہ دیتا ہوں کہ ظالموں کے حق میں بددعا کرنے کی بجائے یہ سوچا جائے کہ ان ظالموں کو ظلم سے کیسے روکا جاسکتا ہے۔“ ۲۸

اسی طرح صدر انور السادات کے بارے میں مصنف مرحوم کا تبصرہ ملاحظہ ہو:

”سادات نے اپنے آخری دور میں اخوان پر بڑے سخت حملے شروع کر دیے تھے۔ ۳ دسمبر ۱۹۸۱ء حادثے سے پہلے پولیس کی خفیہ برانچ نے دارالاکھوان کی بڑی تفتیش

کی۔ اسی تاریخ سے ہم پر یہ حقیقت کھل گئی تھی کہ سادات صاحب کے تیور بدل چکے ہیں۔ اس کے باوجود جہاں تک ہو سکے ہم حسن ظن سے ہی کام لیتے ہیں۔ ہمارے سامنے قرآن مجید کی یہ آیت ہمیشہ رہتی ہے قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَ مَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّبْتَغُهَا اُذًی۔ ہمارا یہ طرز عمل صرف سادات کے بارے میں ہی نہیں بلکہ ہمارے بعض فاضل ساتھی جو کبھی اخوان میں تھے پھر الگ ہو گئے اور اخوان کے خلاف جمال عبدالناصر کی تائید کرنے لگے۔ یہ اس کی تعریفیں کرتے اور وہ ان کی پیٹھ ٹھونکتا، ہم تو ان کے بارے میں بھی برائی کا کوئی لفظ اپنی زبان سے نہیں نکالتے اللہ تعالیٰ ان کی بھی مغفرت فرمائے اور ہماری بھی۔“ ۲۹

صدر انور سادات کا یہ واقعہ بھی مصنف نے دیانتداری سے ریکارڈ کر دیا ہے کہ القناطیر الخیریہ کے ریٹ ہاؤس میں دسمبر ۱۹۷۹ء میں صدر صاحب سے ان کی ملاقات ہوئی تو علیک سلیک کے بعد بڑی بے تکلفی سے مصنف سے شکایت کی کہ اسرائیلی حکام مجلہ الدعویہ کے بارے میں بڑی شکایت کرتے ہیں۔ اخوان کے تابڑ توڑ حملوں سے حکومت اسرائیل متعدد بار احتجاج کر چکی ہے۔ صدر کے سامنے میز پر مجلہ الدعویہ کے کئی شمارے پڑے تھے۔ مصنف نے عرض کیا کہ ”معاہدہ صلح کے بارے میں ہمارا موقف خالص دینی نقطہ نظر پر مبنی ہے۔ اسرائیل کے بارے میں ہم جو کچھ لکھتے ہیں وہ ملکی یا بین الاقوامی سیاست نہیں بلکہ ہمارے عقیدہ اور دین کا مسئلہ ہے۔ میرے دین کا تقاضا ہے کہ میں مسلسل اسی ڈگر پر لکھتا رہوں تاکہ غلط تصورات کے بادل چھٹ جائیں اور حقیقت نکھر کر سامنے آجائے۔ اگر اس معاملہ میں مخلوق کی خوشنودی کی کوشش کروں تو خالق کی ناراضگی مول لینی پڑے گی۔ یہ سودا اتنا مہنگا ہے کہ میں اس کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔“ اس کے بعد سید عمر تلمسانی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ:

”میں پورے انصاف کے ساتھ یہ بات قارئین کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں کہ صدر سادات نے میری یہ گفتگو پورے غور سے سنی اور اس کے بعد صراحت کے ساتھ

کہا ”میں آپ کی بات سے متفق ہوں۔ ان خطوط پر آپ بے شک لکھتے رہیں۔“
 سادات نے میرے ساتھ جو یاد تیاں کیں ان کے تذکرے کے ساتھ اس کے کردار
 کے اچھے پہلو بھی نذر قارئین کرنا میرا فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھ پر بھی رحم کرے اور
 سادات کی بھی مغفرت فرمائے۔“ ۳۰

فنکار کے فرائض

مصنف نے اپنا ایک دلچسپ واقعہ الواحات جیل کا بیان کیا ہے جس سے فن اور فنکاروں
 کے فرائض پر ان کے نظریات منعکس ہوتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ وہ ام کلثوم کے نغموں کے مداح
 تھے خاص طور سے ان نعتیہ اشعار سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا جو امیر الشعراء شوقی نے رسول اللہ
 ﷺ کی مدح میں لکھے تھے اور ام کلثوم نے پرسوز آواز میں ان کو گایا تھا۔ ایک بار جیل میں ریڈیو پر
 ام کلثوم اپنے بے پناہ ترنم کے ساتھ گارہی تھی اور کئی اخوانی ساتھی سن رہے تھے ان کے ساتھ استاذ
 عبدالعزیز عطیہ مرحوم کو ہر قسم کے گانوں سے نفرت تھی۔ وہ دوسرے ساتھیوں کو اس پر سرزنش
 کرتے رہتے تھے۔ اس روز ام کلثوم نے جو گانا گایا اس کا ایک مصرع تھا ع

التي شفته قبل ماتشوفك عليه عمر ضائع

”تجھے دیکھنے سے پہلے کی عمر حقیقت میں کسی کام نہ آئی، وہ تو ضیاع وقت ہی تھا۔“

مصنف نے استاذ عبدالعزیز مرحوم سے کہا، بھائی دیکھا، کیا مزید ارشعہ گایا ہے! آپ نے
 سنا نہیں؟ پھر انہوں نے مذکورہ بالا مصرع دوہرایا۔ مرحوم نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا: تمہیں اس
 میں کیا لطف آرہا ہے؟

میں نے کہا: اس کے معنی یہ ہیں کہ عمر عزیز کا وہ حصہ جو تحریک اخوان میں شمولیت سے قبل
 گزرا وہ ہماری عمر کا حصہ نہیں ہے۔ وہ تو وقت ضائع کرنے ہی کے مترادف تھا۔ بھائی عبدالعزیز
 یہ کتنا دلربا معنی ہے!

عبدالعزیز مرحوم نے آواز بلند سے کہا: بھائی عمر! اے بھائی عمر! خدا لگتی کہو کہ گانے والی کی اس شعر سے یہ مراد تھی جو آپ بیان کر رہے ہیں؟

مصنف نے کہا: اس کی مراد سے مجھے کیا غرض۔ وہ اس کے معنی جو چاہے سمجھتی رہے۔ گلوکار گاتے ہیں اور قلم کار و شعراء لکھتے ہیں: سامعین ان الفاظ سے اپنا معنی نکال لیتے ہیں اس لیے وہ شوق سے سنتے ہیں۔ ہر شخص اپنی ہی دلیل پر سب قصیدوں کا انطباق کرتا ہے۔ اس کے بعد مصنف اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہیں:

”سچی بات یہ ہے کہ ام کلثوم مرحومہ اپنے فن میں لا جواب تھی مگر افسوس کہ اس نے ظلم اور ظالموں کے قافلے میں شمولیت اختیار کر لی۔ فن کار اگر اپنے فن میں مخلص ہو تو اسے ظلم کا ساتھ کبھی نہیں دینا چاہیے۔ فن تو ادب لطیف اور حس رقیق کا نام ہے اور فنکار اخلاق عالیہ کا نمائندہ ہوتا ہے۔ اس کو نرم دلی، رحم اور شعور و ہمدردی کا مظاہرہ کرنا چاہیے نہ کہ سنگ دلی اور ظلم کا مجسمہ بن جائے۔ سینما اور ڈرامہ کا اصل مقصد سوائے تربیت اور اخلاق فاضلہ کی تعلیم کے اور کیا ہے مگر وحاشا! یہ اب شیطان کے ہتھیار بن گئے ہیں۔“^{۱۳}

مصنف نے اس سیاق میں فرانس کے ادیبوں مثلاً وکٹر ہیوگو وغیرہ کا نام لیا ہے جن کا ظلم و استبداد سے رہائی دلانے اور ملک میں انقلاب برپا کرنے میں بڑا دخل تھا مگر ڈائری نوٹس کو اس بات کا شدید قلق ہے کہ ہمارے ہاں آج ادباء اور ان کی تحریریں، فنکار اور ان کا فن تفریح کے سامان ہیں اور ان کے سارے پروگرام اخلاق عالیہ کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکنے میں مصروف ہیں، اور نوجوانوں کو دین سے دور لے جانا اور انہیں اخلاق باختگی کا درس دینا ان کا ^{مطمع} نظر ہے، حالانکہ ذلت سے روٹی کا لقمہ حاصل کرنے کے مقابلہ میں اپنی عزت کی حفاظت کرتے ہوئے بھوکے مرجانا ہزار درجہ بہتر ہے آزادی کی جو بھی قیمت دینی پڑے وہ قابل قبول ہے۔

یہ ڈائری ادب کی شاہکار ہونے کے ساتھ مادی فکر اور اباحت پسندانہ نظریات کے خلاف

کھلی بغاوت اور علانیہ چیلنج ہے۔ قاری اس کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے اپنے دل و دماغ میں ہیجان و تلاطم محسوس کرتا ہے اور ظلم و جبر کی اندھی بہری قوتوں کے خلاف مزاحمت اور جہاد کی حرارت اور ایمان کی روشنی سے منور ہو کر کاروانِ دعوت و جہاد میں شامل ہونے کے لیے بے تاب ہو جاتا ہے۔

البوابۃ السوداء

ناصری دور میں اخوانی کارکنوں اور رہنماؤں پر جیلوں میں اس قدر ظلم و تشدد کیا گیا کہ سن کر روکنگے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان کی ایمانی طاقت، پختگی کردار اور صبر و ثبات کی داستان متعدد مصنفوں، قلم کاروں اور صحافیوں نے چشم دید واقعات و حقائق کی روشنی میں بیان کی ہے۔ معتقل ہاکتسب (ہاکتسب کا قید خانہ) مصر کے مشہور صحافی جریدہ الشوری کے ایڈیٹر محمد علی الظاہر کی روداد المناک ہے وہ بھی اخوان پسندی کے جرم میں زنداں میں ڈال دیے گئے تھے اور اپنی آنکھوں سے جیل میں وہ مظالم دیکھتے رہے تھے جو وہاں اخوان پر ڈھائے گئے تھے۔ الصامتون یتکلمون (خاموش زبانیں بول رہی ہیں) کمال الدین حسین کی مرتب کردہ روداد ہے جو جمال عبدالناصر کی پہلی وزارت میں وزیر تعلیم رہے ہیں، اقسمت ان اروی (میں نے قسم کھائی ہے کہ یہ واقعات ضرور بیان کروں گا) عیسائی قلم کار روکس معکرون کی تصنیف ہے، جو اپنے کسی قضیہ کے سلسلہ میں اسی جیل میں نظر بند تھا جس میں اخوان کے کئی کارکن مقید تھے اس نے اس انسانیت سوز سلوک کی ایک جھلک دکھائی ہے جو جیلوں میں اخوانیوں سے روا رکھا گیا، سامی جوہر نے اپنی کتاب الموتی یتکلمون (مردے بولتے ہیں) میں یکم جون ۱۹۵۷ء کا وہ دردناک واقعہ تفصیل سے بیان کیا ہے جب ۲۳ اخوانیوں کو پولیس فائرنگ کے ذریعہ طرہ کی جیل میں آنا فانا مٹی کا ڈھیر بنا دیا گیا تھا۔ لیکن استاذ احمد رائف کی روداد البوابۃ السوداء ان میں سب سے زیادہ المناک اور زیرہ گداز حالات کا مرقع ہے۔^{۳۲}

استاذ احمد رائف اخوان کے سرگرم رکن تھے اور ان جانناز افراد میں شامل تھے جن پر یہ بے پناہ مظالم ڈھائے گئے۔ سفاکی، بربریت، درندگی اور بہیمیت کے یہ واقعات ان کے شنیدہ نہیں بلکہ خود بھگتے ہوئے ہیں۔ یہ جگ بیتی نہیں بلکہ آپ بیتی ہے جس کا اردو ترجمہ مولانا خلیل احمد الحامدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رواں اور شگفتہ اسلوب میں روداد ابتلا کے نام سے کیا ہے۔

ابوزعبیل جیل میں میجر ف-ع نے مصنف کے کپڑے اتروا دیے اور سپاہی کو فحش گالیاں دے کر کہا کہ ”کس ذلیل نے اسے لباس پہننے کی اجازت دی ہے؟“ سپاہی نے بتایا کہ ”یہ درد گردہ میں مبتلا ہے اور ڈاکٹر کی ہدایات کے مطابق ہی اسے یہ سہولت دی گئی ہے“ میجر نے خود ڈاکٹر کو بھی مغلظات سے نوازا اور یہ جھگڑایوں ختم ہوا کہ لوہے کی سلاخوں والی دیوار سے انہیں اتار دیا گیا اور تمام کپڑے اتروا کر انہیں خوب گرم بوچھاڑ دی گئی یہ خوراک لینے کے بعد انہیں دوبارہ دیوار پر جا بیٹھنے کا حکم ہوا۔ میجر کو جلتے ہوئے لائٹر کے ساتھ جب مصنف نے اپنے ننگے بدن کی طرف بڑھتے دیکھا تو وہ بدحواس ہو گئے انہوں نے خیال کیا کہ اگر یہ شعلہ میرے جسم پر لگا دیا گیا تو میں بلاشبہ مرنے جاؤں گا۔ میجر نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، ان کے جسم کے مختلف حصے لائٹر سے جلا دیے۔ شدید تکلیف ہوئی ناقابل بیان تکلیف۔ سڑی ہوئی کھال کی بو، خود مصنف کو آنے لگی مگر پھر بھی انہیں موت نہ آئی۔^{۳۳}

عورتیں مردوں کی پشت پر سوار

مصنف نے ایام اسیری کا ایک عجیب و غریب نظارہ بیان کیا ہے جس کا خلاصہ دل پر پتھر رکھ کر انہوں نے بیان کیا ہے۔ آپ بھی ملاحظہ کیجیے:

”جیل کے صحن میں یکبارگی شور برپا ہوتا ہے۔ پولیس کی گاڑیاں اندر داخل ہوتی ہیں جن میں انسانوں کی اچھی خاصی کھیپ لدی ہوئی ہے۔ انہیں جب گاڑیوں سے نیچے اتارا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ نئی کھیپ صرف مردوں پر ہی مشتمل نہیں ہے بلکہ

ان میں عورتیں بھی بکثرت ہیں۔ یہ تمام مرد و زن فلاحین (کسان) ہیں۔ تمام مردوں کو چوپایوں کے مشابہ دونٹگوں اور دو ہاتھوں کے بل زمین پر کھڑا کر دیا جاتا ہے اور عورتوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ ان کی پشت پر سوار ہوں اور جب عورتیں مردوں کی پیٹھ پر سوار ہو جاتی ہیں تو مردوں کو دوڑنے کا حکم دیا جاتا ہے اور ساتھ ہی مردوں اور عورتوں دونوں پر تازیانوں کی بوچھاڑ کی جاتی ہے۔ مرد عورتوں کو پشت پر اٹھائے پاگلوں کی طرح ادھر ادھر بھاگے پھرتے ہیں چیخیں مارتے ہیں، جانوروں کی طرح چلاتے ہیں۔ ایک ہنگامہ محشر برپا ہو جاتا ہے۔ پوری جیل اس واقعہ سے لرز اٹھتی ہے۔ پانچ سو مرد اور ان کی پشت پر پانچ سو عورتیں۔ انسانیت کا جنازہ نکل گیا۔ یہ نظارہ اس قدر اشتعال انگیز اور زہرہ گداز تھا کہ ابن آدم اس کا تصور نہیں کر سکتا اور نہ اس بات کو سن کر بہ آسانی اس کی تصدیق کر سکتا ہے مگر اس گنہگار نے یہ منظر چشم سر دیکھا ہے یہ ایک ہزار مرد و زن فلاحین مصر کی کس سوختہ نصیب بستی سے تعلق رکھتے ہیں! یہ کرداسہ بستی کے باشندے ہیں۔“ ۳۳

فاضل مصنف نے کرداسہ بستی کی یہ کہانی بھی بیان کی ہے جو عجیب و غریب اور ناقابل یقین معلوم ہوتی ہے مگر اس کی صداقت میں کلام نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ یہ داستان انہوں نے فوجی جیل اور ابو زعبل اور طرہ کی جیلوں میں کرداسہ کے باشندوں سے براہ راست سنی ہے۔ مذکورہ نظارہ کے پس پردہ کارفرما کہانی کی تفصیل کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں:

”کرداسہ کی بستی الجیزہ کے ضلع میں واقع ہے۔ اخوان کے خلاف جب فوجی حکام کی طرف سے تحقیقات کا آغاز ہوا تو کارروائی کا پہلا مرحلہ تھا کہ حکام نے کرداسہ کے ایک اخوانی کو گرفتار کرنے کا امر جاری کر دیا۔ تقدیر الہی دیکھیے کہ جس شخص کی گرفتاری کا حکم صادر ہوا اس کی شادی ایک ایسی لڑکی سے ہو چکی تھی جس پر ملٹری انجلی جینس کے ایک افسر کی نظریں تھیں اور خود اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ مگر لڑکی نے انجلی

جنیس کے افسر کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کر دیا اور کر داسہ کے مذکورۃ الصدر شخص سے شادی کو ترجیح دی۔ فوجی افسر اپنے رقیب کے خلاف دل میں کینہ رکھے ہوئے تھا اور جب اس کی گرفتاری کے وارنٹ جاری ہوئے تو اس افسر نے موقع کو غنیمت جانا اور تگ و دو کر کے اپنے افسران بالا سے یہ اجازت لے لی کہ گرفتاری کی مہم پردہ کر داسہ جائے گا۔

چنانچہ فوجی افسر اور اس کے ساتھ دو سپاہی کر داسہ پہنچ گئے اور مطلوبہ شخص کے گھر کا دروازہ جاکھٹکھٹایا۔ وہ اس وقت گھر پر موجود نہ تھا۔ فوجی افسر نے یہ صورت حال دیکھ کر سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس کی بیوی کو ریغال بنالیا جائے اور جب تک اس کا خاوند اپنے آپ کو پیش نہ کرے اسے رہا نہ کیا جائے۔ بستی کے لوگوں کو جب اس امر کی خبر ہوئی تو وہ مشتعل ہو گئے اور انہوں نے فوجی افسر کے اس اقدام کی شدید مخالفت کی۔ لوگوں کی بڑی بھیڑ جمع ہو گئی اور فضا کشیدہ ہو گئی۔ فوجی افسر کا اصرار جوں کا توں رہا کہ وہ اس لڑکی کو لازماً گرفتار کر کے ریغال بنائے گا اس نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ بھیڑ دیکھ کر فائر کھول دیا اور اس کے نتیجہ میں ایک فلاح ہلاک ہو گیا۔ لوگوں کے اندر مزید غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے فوجی افسر کا تیاپانچہ کر دیا۔ دونوں مخبر فرار ہو گئے۔

اس واقعہ کی اطلاع حکام بالا کو ملی اور فوراً مصری فوج کی ایک بٹالین میجر جنرل محمد فوزی کی کمان میں کر داسہ پہنچ گئی اور اس نے بستی کا محاصرہ کر لیا اور آن کی آن میں اس نے کر داسہ کے روز روشن کو شب تاریک میں تبدیل کر کے رکھ دیا۔ اندازہ لگائیے کہ سولہ ہزار فوجی ایک بستی کا گھیراؤ کر رہے تھے۔ چنانچہ تین روز تک یہ بستی فوجیوں کے لیے مباح کر دی گئی۔ انہوں نے عورتوں کی عزتیں لوٹیں، بستی کے جانور بھون ڈالے اور کچھ انسانوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ بستی کے مڈل اسکول کے

احاطہ میں میجر جنرل محمد فوزی کی سرپرستی میں بستی کے تمام لوگوں کو تازیانوں کی سزائیں دی گئیں۔ بستی کے کھیا کو سب سے آخر میں تازیانے لگائے گئے۔ پھر ان لوگوں کو جمع کیا گیا جن کے بارے میں یہ شبہ تھا کہ فوجی افسر کو مارنے میں وہ کسی نہ کسی حد تک شریک ہیں۔ ان کی تعداد ایک ہزار تھی، پانچ سو مرد اور پانچ سو عورتیں۔ اور اب جیل میں ان پر مشق ستم جاری تھی۔“ ۳۵

شیخ ازہر کا شرمناک فتویٰ

استاذ احمد رائف کی یہ سرگزشت اس مضحکہ خیز اور شرمناک فتویٰ کا مکمل متن بھی بیان کرتی ہے ۳۶ جو شیخ الازہر حسن مامون نے اخوانی کارکنوں اور اسلام پسند رہنماؤں کی گرفتاری و تعذیب کے دوران اخبارات اور ریڈیو سے شائع کرایا۔ انہوں نے اخوانیوں کو دہشت گرد، تخریب کار اور اسلام دشمن قرار دیا اور نو جوانوں کو ان کے دام فریب سے نکلنے پر اکسایا۔ شیخ الازہر نے جمال عبدالناصر کی حکومت کی علانیہ حمایت کی اور اس کی ناپاک جدوجہد کو انقلابی تحریک سے موسوم کیا۔ فاضل مصنف نے بڑی شائستگی سے اس بیان کا تجزیہ کیا۔ اس کے گمراہ کن پہلوؤں اور خلاف قرآن و سنت مضمرات کو واضح کیا اور آخر میں بڑی مسرت سے فرمایا:

”وہ انسان بڑا نامراد اور نادان ہے جو اپنی دنیا بنانے کے لیے اپنی آخرت بیچ ڈالتا ہے اور اسے بڑھ کر نامراد اور نادان وہ ہے جو دوسروں کی دنیا بنانے کے لیے اپنی عاقبت برباد کر لیتا ہے۔ ۱۹۶۵ء کے اندر مصر میں منافقت اور منافقین کا بازار بڑا گرم تھا اور شیخ الازہر کے لیے مناسب یہ تھا کہ وہ اس حمام میں ننگا ہونے سے پرہیز کرتے۔ اگر اس سلسلہ میں شیخ الازہر کو نقد جان بھی نذر کرنا پڑتی تو اس سے بڑھ کر ان کے لیے عزت و عظمت کا اور کون سا مقام تھا اور تقویٰ و عزیمت کا اور کون سا راستہ تھا!“ ۳۷

اَیَّامٌ مِّنْ حَیَاتِی

محترمہ زینب الغزالی الجبیلی کی خودنوشت ایام من حیاتی^{۳۸} کا امتیاز یہ ہے کہ یہ اس بلند حوصلہ، جرات و شجاعت کی ہمالہ، دعوت و خطابت اور تحریر و صحافت کی درشہوار عظیم داعیہ حق کی آپ بیتی ہے جس نے جمال عبدالناصر کے دور میں جیل کی بدترین آزمائشوں اور ابتلاؤں کو انگیز کیا مگر پائے ثبات میں ذرا بھی لغزش نہ آنے دی۔ مصنفہ نے امام حسن البنا شہید کے ہاتھ پر خواتین میں سب سے پہلے بیعت کی اور ہر طرح کی ترغیب و ترہیب سے بے پروا ہو کر مصری خواتین و طالبات کو تحریک کے لیے منظم کیا اور ان کی تنظیم السیدات المسلمات کی پہلی صدر منتخب ہوئیں۔ انہوں نے ۱۹۳۷ء ہی میں بانی امام رحمۃ اللہ علیہ سے وابستگی اختیار کر لی تھی جبکہ خواتین کی تنظیم کے قیام کو ابھی چھ ماہ بھی نہ گزرے تھے۔^{۳۹} آغاز میں یہ تنظیم قانون اور دستوری حیثیت سے آزاد تھی کیوں کہ خواتین اخوان سے گہری وابستگی رکھنے کے باوجود انضمام پر اتفاق نہ کر سکی تھیں۔ کچھ دنوں کے بعد مصنفہ نے شیخ محمد الغزالی کے واسطے سے شیخ حسن البنا سے ملاقات کی اور حکومت اسلامی کے قیام کے لیے جدوجہد کرنے پر ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ شیخ امام نے حسب سابق تنظیم کو کام کرنے کی اجازت دی البتہ رابطہ کے لیے شیخ محمد الغزالی کو واسطہ بنایا۔ ۱۹۳۹ء میں جب حسن البنا رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت عمل میں آئی تو تنظیم السیدات المسلمات اخوان میں ضم ہو گئی۔^{۴۰}

فاضل مصنفہ نے خودنوشت کا انتساب اس طرح کیا ہے:

”ان پاکیزہ و مطہر روحوں کے نام جو فضل الہی و رضوان خداوندی پر نازاں و فرحاں اپنے خالق کی بارگاہ میں حاضر ہو گئیں!

ان شہیدوں کے نام جو اللہ کی راہ میں اور اسلام کے راستے میں قتل کیے گئے۔ وہ قربان ہو گئے اور اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر دیا۔ دنیا میں سرخرو ہوئے اور آخرت کی ابدی

کا مایابی سے ہمکنار ہوئے!

ان جیالوں کے نام، جن سے لوگوں نے کہا کہ تمہارے خلاف بڑی فوجیں جمع ہوئی ہیں ان سے ڈرو، تو یہ سن کر ان کا ایمان اور بڑھ گیا اور انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔“^{۴۱}

ان بہادروں کے نام جنہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں عذاب دیا گیا تو راہ خدا کی صعوبتوں سے وہ دل برداشتہ نہ ہوئے اور انہوں نے کسی کمزوری اور تھڑلے پن کا مظاہرہ نہ کیا۔ اپنے شوہر کے نام، مشرق و مغرب کے تمام مسلمانوں کے نام میں یہ کتاب معنون کرتی ہوں اور اللہ سے دعا گو ہوں کہ اس حقیر کاوش کو قبول کرے اور اسے نفع رساں بنائے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَ اِسْرَافَنَا فِيْ اَمْرِنَا وَ يَسِّرْ لَنَا قَدَمَانَا وَ اَنْصُرْنَا عَلٰى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ۔^{۴۲}

محترمہ زینب الغزالی کو اپنی اس خودنوشت کی ترتیب و پیش کش میں بڑا تامل و تردد تھا کیوں کہ نیت اگر درست نہ ہو تو یہ خود نمائی اور آخرت میں رسوائی کا ذریعہ بن جاتی ہے لیکن تحریکی کارکنوں اور اخوانی بیٹوں اور بیٹیوں نے ان پر زور ڈالا کہ یہ اسلام اور تحریک اسلامی کا ان پر حق ہے کہ ان ایام کو ریکارڈ میں لے آئیں جب دعوت اسلامی کو مشرق و مغرب کی ملحدانہ اور باطل پرست طاقتوں سے سابقہ درپیش تھا جب حق و علمبرداران حق کا نام و نشان مٹا دینے کا منصوبہ بنایا گیا تھا اور کتاب و سنت کی معطلی کے خلاف پوری جرات و بے باکی سے اعلان جہاد کرنے والے سپوتوں کی زندگی اجیرن بنا دی گئی تھی۔^{۴۳}

تحریکوں کی عمر

مقدمہ میں فاضل مصنفہ نے تحریک اسلامی کے طریقہ کار اور اپنی مومنانہ بصیرت کا اظہار بھی کیا ہے جس سے ان کی فکری چٹنگی، تحریکات اسلامی کی تاریخ اور منہاج سے ان کی بھرپور

واقفیت کا اندازہ ہوتا ہے اور اسلام کی راہ میں ہر مصیبت و ابتلا کو خندہ پیشانی سے قبول کرنے کی جرأت بھی ظاہر ہوتی ہے، لکھتی ہیں:

”ان پاک باز نفوس کے نام جو اپنے رب کی راہ میں قربان ہوئے اور انسانوں کے ظلم و طغیان کے شکوہ و فریاد سمیت اس کے جلو میں پہنچ گئے!

اس خون کے نام جو اس لیے بہا کہ موج رواں بن جائے اور تاریخ میں آئندہ نسلوں کو ان کے رب کے راستہ پر گامزن رکھے!

”نعم اننا لانستعجل الزمن، عشراتها و مئاتها ليست بذات قيمة في عمر الدعوات والامم ولكن العبرة اننا ثابتون على الطريق مومنون بسلامة، الخطا و وضوح الرؤيه اننا على يقين اننا على حق۔ و كل الذي يعيننا ان نضيف لبنات جديده للبناء۔ المهم الانتعاس والا نتخاذل ولا نتقهقر عن عقيدتنا عقيدة التوحيد، عقيدة العمل، عقيدة البيان، بيان الحق للناس جميعا، بيان عقيدتنا لكل البشر“^{۴۴}

”ہاں، مجھے زمانہ اور سال کی جلدی نہیں ہے کیوں کہ تحریکوں اور قوموں کی عمر میں دس بیس سال یا صدی کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ اہم اور قابل لحاظ چیز یہ ہے کہ ہم راہ حق پر گامزن رہیں اور غلطی و کج روی سے حفاظت اور نکتہ نظر کی صراحت و وضاحت پر ہمارا ایمان ہو۔

ہمیں یقین ہے کہ ہم حق پر ہیں اور ہمیں صرف اس بات کی فکر ہے کہ ہم عمارت میں کچھ نئی اینٹوں کا اضافہ کر دیں۔ اہم بات یہ ہے کہ ہم شکستہ دل نہ ہوں، ضعف اور کم ہمتی کا شکار نہ ہوں اور اپنے عقیدہ سے پسپائی اختیار نہ کریں۔ عقیدہ ہمارا توحید کا عقیدہ ہے، عمل کا عقیدہ ہے اور بیان کا عقیدہ ہے۔ بیان کس بات کا؟ حق کا بیان اور تمام انسانوں کے لیے۔ اپنے عقیدہ کا بیان پوری نوع انسانی کے سامنے!“

وقتِ نکاح کا معاہدہ جہاد

۱۹۵۴ء میں جب حکومت نے اخوان پر پابندی لگادی تو تحریک کی ساری سرگرمیاں پس پردہ انجام دی جانے لگیں۔ محترمہ نذیب الغزالی کے گھر میں شیخ عبدالفتاح اسماعیل اور دوسرے اخوانی رہنماؤں اور طالبات و خواتین کی آمد و رفت بڑھ گئی جس پر ان کے شوہر محمد سالم سالم کو تشویش لاحق ہوئی اور انہوں نے کچھ بے چینی کا اظہار کیا تو پاکباز بیوی نے وقتِ نکاح کا معاہدہ یاد دلایا اور راہِ حق میں ساتھ دینے کی اپیل کی۔ اس جرأت مندانہ موقف کی حکایت خود بہن کی زبانی سنیے :

”میرے شوہر نے پوچھا، کیا اخوان کی سرگرمیاں پھر شروع ہوگئی ہیں؟ میں نے جواب دیا: ہاں! انہوں نے ان سرگرمیوں کی نوعیت جاننا چاہی، میں نے کہا: اخوان کی تنظیم نو ہو رہی ہے۔ جب ان کا تجسس مزید بڑھا تو میں نے کہا شوہر نامدار، کیا آپ کو یاد ہے ہم نے شادی کے وقت کیا معاہدہ کیا تھا؟ انہوں نے کہا: ہاں آپ نے کچھ شرطیں لگائی تھیں آج مجھے اندیشہ ہے کہ جباروں کے چنگل میں نہ پھنس جائیں! پھر وہ خاموش ہو گئے اور سر جھکا لیا۔

میں نے کہا: مجھے وہ باتیں اچھی طرح یاد ہیں جو میں نے آپ کے گوش گزار کی تھیں۔ میں نے آپ سے کہا تھا: میری زندگی کے بعض پہلو ایسے ہیں جن سے آپ کا واقف ہونا ضروری ہے اس لیے کہ آپ میرے شوہر ہونے جا رہے ہیں اور جب آپ شادی پر متفق ہو جائیں تو میرا یہ گوش گزار کرنا ضروری ہے کہ آئندہ اس بارے میں آپ مجھ سے کوئی سوال نہ کریں گے اور اس سلسلہ میں میری جو شرطیں ہیں ان سے میں دست بردار نہ ہوں گی۔ میں تنظیم السیدات المسلمات کے مرکز عام کی صدر ہوں اور یہی برحق ہے۔ لیکن عوام سمجھتے ہیں کہ میں وفد پارٹی کے سیاسی اصولوں کی

علمبردار ہوں جب کہ یہ درست نہیں ہے۔

جس چیز پر میرا ایمان و عقیدہ ہے وہ اخوان کا پیغام اور اس کا مشن ہے۔ مصطفیٰ نحاس سے میرا تعلق تو محض ذاتی رابطہ کی وجہ سے ہے میں نے شیخ حسن البناء سے اللہ کی راہ میں شہادت پر بیعت کی ہے۔ میں نے ابھی تک کوئی ایک قدم بھی ایسا نہیں اٹھایا جس سے میں اس پاکیزہ دائرہ کے اندر کھڑی ہو سکوں البتہ میرا خیال ہے کہ کسی دن میں یہ اقدام کر گزروں گی میں آج بھی اس کی امید رکھتی ہوں اور اسی کا خواب دیکھتی ہوں اور اس وقت جب آپ کا ذاتی مفاد اور معاشی کاروبار میرے اسلامی کار سے متصادم ہوگا اور میں محسوس کروں گی کہ میری ازدواجی زندگی راہ دعوت میں اور اسلامی ریاست کے قیام میں رکاوٹ بن رہی ہے تو ہمارے راستے الگ ہو جائیں گے۔ اس دن آپ نے جواب دینے کے لیے سراٹھایا تھا تو آپ کی دونوں آنکھیں اشک بارتھیں۔ آپ نے فرمایا تھا: آپ کی مادی ضروریات و مطالبات کیا ہیں؟ آپ مہربان کسی اور چیز کا مطالبہ کیوں نہیں کرتیں؟ آپ یہ شرط لگا رہی ہیں کہ میں آپ کو اللہ کی راہ سے نہ روکوں؟ مجھے معلوم نہ تھا کہ استاذ البناء سے آپ کا کوئی تعلق ہے۔ میں تو صرف یہ جانتا تھا کہ تنظیم السیدات المسلمات کے اخوان میں انضمام کے مسئلہ پر آپ دونوں میں اختلاف رائے ہے!

میں نے جواب میں عرض کیا تھا کہ ۱۹۴۸ء کی داروگیر کے موقع پر شہادت سے پہلے ہی ہمارے درمیان اتفاق ہو گیا تھا اور میں نے طے کر لیا تھا کہ شادی کے مسئلہ کو اپنی زندگی سے خارج کر دوں گی اور دعوت کے لیے ہمہ تن یکسو ہو جاؤں گی، اور آج میں آپ سے یہ مطالبہ تو نہیں کر سکتی کہ اس جہاد میں شریک ہو جائیں، البتہ یہ شرط عائد کرنے کا حق رکھتی ہوں کہ مجھے جہاد فی سبیل اللہ کی سعادت سے محروم نہ کریں اور جس دن ذمہ داری کا احساس مجھے مجاہدین کی صف میں لاکھڑا کرے تو آپ مجھ

سے یہ سوال نہ کریں کہ میں کیا کر رہی ہوں۔ ہمارے اور آپ کے درمیان بھرپور اعتماد ہونا چاہیے۔ آپ ایک ایسی عورت کو اپنی رفیقہ حیات بنانے جارہے ہیں جو اٹھارہ سال کی عمر ہی میں جہاد اسلامی کے لیے اور حکومت اسلامی کے قیام کے لیے اپنے آپ کو وقف کر چکی ہے اب اگر شادی اور دعوت دین میں کہیں ٹکراؤ ہوا تو یہ شادی ٹوٹ جائے گی اور دعوت دین میرے وجود میں گردش کرتی رہے گی!

پھر میں نے ایک لمحہ کے لیے خاموشی اختیار کی اور ان کی طرف رخ کر کے پوچھا: کیا آپ کو کچھ یاد آیا؟ بولے ہاں! میں نے کہا تو پھر آج میری درخواست ہے کہ اپنا وعدہ وفا کریں۔ مجھ سے یہ نہ پوچھا کریں کہ میں کن لوگوں سے ملتی ہوں؟ میں اللہ سے دعا کرتی ہوں کہ وہ میرے جہاد کے اجر کو اپنے فضل سے ہم دونوں میں تقسیم کر دے بشرطیکہ میرا عمل اس کی بارگاہ میں مقبول ہو۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ کو مجھے حکم دینے کا حق ہے اور میرا فرض ہے کہ میں اس کی تعمیل کروں لیکن اللہ کی ذات ہم سب سے بڑی ہے اور اس کی دعوت ہماری ذات سے کہیں زیادہ بلند اور بیش قیمت ہے جب کہ ہم دعوت کے اہم ترین مرحلہ سے گزر رہے ہیں!

میری اس طویل گفتگو پر انہوں نے فرمایا: مجھے معاف کر دیں اور اپنا کام جاری رکھیں۔ اللہ برکت دے گا۔ اے کاش کہ میں اپنی زندگی ہی میں اخوان کا مشن مکمل ہوتے دیکھ لوں اور میری آنکھوں کے سامنے اسلامی حکومت قائم ہو جائے! کاش کہ میں جوان ہوتا تو آپ لوگوں کے ساتھ کام کرتا۔“^{۵۵}

فاضل مصنفہ کہتی ہیں کہ اس کے بعد گھر میں کارکن مردوں اور عورتوں کی آمد و رفت بڑھتی گئی لیکن لائق شوہر نے قدم قدم پر تعاون کیا۔ آدھی رات کو بھی دروازے پر دستک کی صدا سننے تو اٹھ کر دروازہ کھولتے۔ مہمان کو ملاقات کے کمرے میں بٹھاتے۔ ملازمہ کو بیدار کر کے کھانا اور چائے وغیرہ تیار کراتے پھر نرمی سے بیوی کو بیدار کرتے اور خاموشی سے اپنے کمرے میں جا کر سو

جاتے۔ اس طرح ایک مجاہد بیوی سے ہر مرحلہ پر تعاون کر کے شوہر نے بھی اجر و ثواب میں برابر کی شرکت کی سعادت حاصل کی۔

کتے جسم سے چمٹ گئے!

محترمہ زینب الغزالی کو جیل میں کس طرح تعذیب و ایذا دی کے خوفناک مراحل سے گزارا گیا اس کی چند جھلکیاں ملاحظہ ہوں:

”اس شیطان نے اپنا ہاتھ بلند کیا اور میرے کانوں اور کنپٹیوں پر بے تحاشا کے برسانے لگا۔ میری آنکھیں بند ہونے لگیں ایسا لگا کہ بجلی کا کرنٹ مس کر گیا ہو۔ بکھرے ہوئے اعضاء اور دریدہ جسموں سے روشنی پھوٹ پڑی۔ میں نے زیر لب کہا: اللہ کی راہ میں!“^{۲۶}

”کمرہ ۲۴ میں قدم رکھتے ہی میری زبان سے نکلا ”بسم اللہ السلام علیکم“ کمرہ بند ہو گیا اور بجلی کے طاقتور بلب روشن ہو گئے۔ یہ دوسری سزا تھی! کمرہ کتوں سے بھرا ہوا تھا! نہ معلوم کتنے کتے تھے!

میں نے آنکھیں بند کر لیں اور شدت خوف سے سینے پر ہاتھ رکھ لیے۔ کمرے کے دروازہ پر زنجیریں چڑھانے اور تالا لگانے کی آوازیں سنیں۔ کتے میرے پورے جسم سے چمٹ گئے۔ سر، ہاتھ، سینہ اور پیٹھ سب کو بھنبھوڑ ڈالا۔ مجھے محسوس ہوا کہ کتوں کے دانت میرے بدن کے ہر حصے میں پیوست ہو چکے ہیں!

میں نے شدید گھبراہٹ میں آنکھیں کھولیں اور خوف و دہشت کے مارے دوبارہ بند کر لیں۔ اپنا ہاتھ بغل کے نیچے دابا اور اسمائے حسنی کا ورد شروع کر دیا۔ آغا زیا اللہ یا اللہ سے کیا اور ایک کے بعد دوسرے اسم مبارک کا وظیفہ پڑھتی گئی اور ادھر کتے بھی مجھ سے چمٹے رہے اور میں ان کے دانتوں کو سر پر، شانہ پر، پیٹھ، سینہ اور تمام بدن پر

پیوست محسوس کرتی رہی۔ بے قرار ہو کر میں نے اپنے رب کو پکارا، اے اللہ تو مجھے
غیروں سے کاٹ کر اپنے لیے یکسو کر لے۔ اے خدائے واحد! تو مجھ سے راضی
ہو جا۔“

اپنے دانت اس کی گردن میں گاڑ دیے

ظالموں نے فوجی جیل میں اس مجاہدہ فی سبیل اللہ کی عفت و عصمت کو داغدار کرنا چاہا لیکن
اسلام کی اس غیور و جسور دختر نے کس طرح اپنا دفاع کیا انہی کی زبانی سنئے:

”پھر حمزہ بسیونی صفوت الروبی سے مخاطب ہوا، صفوت حکم دواور جو کتے کی اولاد
(فوجیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) ثقیل سے پس و پیش کرے اسے فوراً دفتر
بھیجو۔ صفوت فوجیوں کو اس ناپاک ذمہ داری کی تفصیل سمجھانے لگا اس نے بڑی
ڈھٹائی اور بے حیائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایسے غلیظ اور بے ہودہ حرکات و
اشارات اور الفاظ استعمال کیے جو ذلت اور رذالت کی انتہائی پستیوں میں غرقاب
تھے ایک فوجی کو مخاطب کر کے بولا، دیکھ کتے کے بچے، دروازہ بند کر کے ان ہدایت پر
عمل کرنا اور جب تو فارغ ہو جائے تو اپنے ساتھی کو بھی بلالینا کہ وہ بھی داد عیش دے!
فوجی مجھ پر ڈورے ڈالنے لگا کہ ”یہ حکام جو کچھ چاہتے ہیں اس کا اقرار کرلو، میں
تمہیں اذیت نہیں دینا چاہتا۔ اگر میں نے ان کے حکم پر عمل نہ کیا تو مجھے سخت جسمانی
سزا دیں گے“ میں نے پوری قوت سے چیخ کر کہا: خبردار، ایک قدم بھی آگے نہ
بڑھانا! اگر تو آگے آیا تو میں تجھے مار ڈالوں گی، مار ڈالوں گی، سمجھ!

میں نے دیکھا کہ فوجی سنٹا سکر تا میری طرف چند قدم آگے بڑھ آیا ہے۔ میں نے آؤ
دیکھا نہ تاؤ، میرے دونوں ہاتھوں نے اس کی گردن دبوچ لی۔ میں نے ساری قوت
مجمع کی اور بسم اللہ اللہ اکبر کہتے ہوئے اپنے دانت اس کی گردن میں پیوست کر دیے

اچانک وہ میرے ہاتھوں سے چھوٹ کر گر پڑا۔ اس کے منہ سے صابن کی طرف سفید جھاگ بہہ رہا تھا اور یہ وحشی میرے پاؤں پر بے حس و حرکت پڑا تھا۔“^{۴۸}

آیات قرآنی سے استدلال

یہ آپ بیتی آیات قرآنی کے استعمال و استشہاد سے پُر ہے۔ فاضل مصنفہ نے قرآنی آیتوں کا اس طرح بر محل استعمال کیا ہے جیسے انگشتی میں گینہ جڑ گیا ہو۔ جیل افسر ٹمبس بدران جب موصوفہ سے عرض کرتا ہے کہ تحقیقات میں بیان کردہ تفصیل پر اعتراض مت کرنا اور کاغذات میں درج ہر بات کی تصدیق کر دینا اور عدالت سے معذرت کر لینا کہ اخوان نے تمہیں ورغلا یا ہے اور تمہیں اپنی حرکتوں پر ندامت ہے تو کورٹ ہلکا فیصلہ کرے گا اور ہم بھی تمہاری خدمت کر سکیں گے، تو وہ جواب دیتی ہیں:

وَعِنْدَهُ مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبُرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٌ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ۔^{۴۹} (الأنعام: ۵۹)

”اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں، جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ بحر و بر میں جو کچھ ہے، سب سے وہ واقف ہے۔ درخت سے گرنے والا کوئی پتہ ایسا نہیں جس کا اسے علم نہ ہو۔ زمین کے تاریک پردوں میں کوئی دانہ ایسا نہیں جس سے وہ باخبر نہ ہو خشک و تر سب کچھ ایک کھلی کتاب میں لکھا ہوا ہے۔“^{۵۰}

اسی طرح تعذیب کے ایک دوسرے موقع پر ٹمبس بدران نے جب ہدایانی انداز میں یہ ہانک لگائی کہ ”تو چاہتی ہے کہ ہم تمہاری طرح ناکام و نامراد ہوں ہم روس کو چھوڑ دیں جو آدھی دنیا پر حکمراں ہے اور مٹھی، سید قطب یا حسن البناء جیسے لوگوں کی باتیں مان لیں؟ تم سب مجنون اور دیوانہ ہو۔ ہم تمہاری طرح نہیں ہیں“ تو موصوفہ نے برجستہ یہ آیت تلاوت کی:

إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ - وَيَقُولُونَ إِنَّا
لَنَارِكُوا آلِهَتَنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ - ۵۱

”جب ان سے کہا جاتا ہے ”اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے“ تو یہ گھمنڈ میں
آ جاتے ہیں اور کہتے ہیں ”کیا ہم ایک شاعر مجنون کی خاطر اپنے معبودوں کو چھوڑ
دیں؟“ ۵۲

اشعار کا استعمال

آپ بیتی میں جگہ جگہ عربی اشعار بھی استعمال ہوئے ہیں جن سے شوق شہادت تیز ہوتا اور
حرارت ایمانی میں اضافہ ہوتا ہے جیل میں جب ۵ جون ۱۹۶۷ء کو انہیں یقین دلادیا گیا کہ وہ
پھانسی کے تختہ کی طرف جارہی ہیں تو انہوں نے پورے خشوع و خضوع کے ساتھ آیات قرآنی کی
تلاوت شروع کر دی اور یہ اشعار بھی ان کی زبان پر تھے۔

فَلَسْتُ أَبَالِي حِينَ أَقْتُلُ مُسْلِمًا

عَلَى أَيْ حَنْبٍ كَانَ فِي اللَّهِ مَصْرَعِي

”اگر مجھے اسلام و ایمان کی حالت میں قتل کیا جائے تو مجھے پروا نہیں کہ خدا کی راہ میں
کس پہلو مجھے پچھاڑا جاتا ہے!“

اور یہ اشعار بھی وہ گنگنا نے لگائیں:

اقول لها هـ قه طارت شعاعا من الابطال و يحك لن تراعى

فانك ان طلبت بقاء يوم على الاجل لذى لك لم تطاعى

فصبر افي محال الموت صبرا فمانيل الخلود بمستطاعى

میں نے اس سے کہا جب کہ وہ سورماؤں کا رہنما بن چکا تھا، تیرا براہو، تو نے ذرا بھی
فکر نہ کی!

اگر تو مقررہ مدت سے ایک دن زیادہ کی خواہش کرے تو تیری بات نہ سنی جائے گی!
 پس موت کے میدان میں ثابت قدم رہ کیونکہ ابدیت کی زندگی کسی کو میسر نہیں ہے!“^{۵۳}
 اخوانی رہنماؤں کی یہ آپ بیتیاں عربی ادب کے ذخیرہ میں ایک بیش بہا اضافہ ہیں۔ ان
 میں جذبہ کی تپش، نصب العین کی صداقت، مقصد کی صراحت اور ایمان کی حرارت بھی ہے اور
 زبان و ادب کی چاشنی، اظہار کی بلاغت اور تعبیر کی فصاحت بھی۔

تعلیقات و حواشی

- ۱۔ حسن البناء شہید، مذکرات الدعوة والداعیہ، اردو ترجمہ سید معروف شاہ شیرازی، حسن البناء مرحوم کی یادداشتیں، منشورات اسلامی چنار کوٹ ضلع مانسہرہ پاکستان، حرف آغاز ص ۶-۷۔ ڈائری کے آغاز میں شامل حسن البناء شہید کا یہ مقدمہ کتاب کے دوسرے اردو ترجمہ 'حسن البناء شہید کی ڈائری، خلیل احمد حامدی، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۱۹۸۹ء میں موجود نہیں ہے
- ۲۔ حسن البناء شہید کی ڈائری، حوالہ بالا، ص ۱۴۹
- ۳۔ نفس مصدر، ص ۱۵۵
- ۴۔ نفس مصدر، ص ۱۸۷-۱۸۹
- ۵۔ نفس مصدر، ص ۱۹۱-۱۹۲
- ۶۔ نفس مصدر، ص ۱۹۶
- ۷۔ نفس مصدر، ص ۲۳۶-۲۳۸
- ۸۔ نفس مصدر، ص ۳۰۹
- ۹۔ نفس مصدر، ص ۳۲۰
- ۱۰۔ نفس مصدر ۲۰۹-۲۱۰
- ۱۱۔ نفس مصدر، ص ۱۴۲
- ۱۲۔ نفس مصدر، ص ۱۴۳
- ۱۳۔ نفس مصدر، ص
- ۱۴۔ سید قطب، الاطیاف الاربعہ، بحوالہ یوسف العظم، رائد الفکر الاسلامی المعاصر، الشہید سید قطب حیاتہ و مدرستہ و افکارہ، دارالقلم، بیروت، ۱۹۸۰ء، ص ۱۰۲

- ۱۵۔ نفس مصدر
- ۱۶۔ محمود عبد الحلیم، الاخوان المسلمون احداث صنعت التاريخ روية من الداخل، دار الدعوة، الاسكندرية، ۱۹۷۸ء، الجزء الاول، ص ۱۶
- ۱۷۔ نفس مصدر، ص ۱۳-۱۴
- ۱۸۔ قرآن کریم، اعراف: ۱۷۵-۱۷۶
- ۱۹۔ محمود عبد الحلیم، نفس مصدر، ص ۱۴
- ۲۰۔ نفس مصدر، ص ۱۵۔ مشہور اخوانی رہنما استاذ مصطفیٰ مشہور نے مصنف کی شان میں لکھا ہے کہ وہ اس ہر اول دستہ کے سپاہی ہیں، جس نے اس تحریک و جماعت پر سب سے پہلے لبیک کہا، انہوں نے اس کے سائے میں جہاد کیا اور تیسری دہائی سے اس کے تمام واقعات و حقائق میں شریک رہے۔ اللہ نے آپ کو بہترین قوت حافظہ عطا کیا ہے۔ آپ سے یہ برداشت نہ ہو سکا کہ دشمنان دین، بندگان اغراض و مفادات اور کرائے کے قلم کار جماعت کی تاریخ کو مخ کر دیں اور تاریخ کو توڑ مروڑ کر پیش کریں۔ انہوں نے یادداشتوں کو مرتب کرنے کی ذمہ داری لی تاکہ اخوان کی تاریخ پر تحقیق کرنے والوں کو صحت مند لوازمہ فراہم ہو سکے اور حقیقت کا ہر طالب اس کی طرف رجوع کر سکے۔ نفس مصدر، ص ۷-۸
- ۲۱۔ السید عمر تلمسانی رحمۃ اللہ علیہ، یادوں کی امانت، اردو ترجمہ، حافظ محمد ادریس، مدینہ پیشنگ سنٹر دہلی، ۱۹۹۳ء، ص ۴۴
- ۲۲۔ حافظ محمد ادریس، نفس مصدر، مقدمہ، ص ۴۵
- ۲۳۔ نفس مصدر، ص ۱۷۵
- ۲۴۔ نفس مصدر، ص ۱۷۶
- ۲۵۔ نفس مصدر، ص ۶۵
- ۲۶۔ نفس مصدر، ص ۲۱۹-۲۲۰

۲۷۔ نفس مصدر، ص ۵۰۹

۲۸۔ نفس مصدر، ص ۲۳۰-۲۳۱

۲۹۔ نفس مصدر، ص ۴۰۷

۳۰۔ نفس مصدر، ص ۴۱۷، مصنف نے صفحہ ۳۶۱ پر بھی مصر اسرائیل معاہدہ کی مخالفت کی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ”سادات کے دور میں ہم نے کمپ ڈیوڈ معاہدہ کی شروع سے ہی مخالفت کی تھی۔ ہم نے اس کے یوروشلم جانے پر نکیر کی تھی۔ اس وقت مصر میں ہمارے سوا کسی نے بھی زبان نہ کھولی تھی۔ ہم نے کمپ ڈیوڈ اور امن کے معاہدے دونوں کے خلاف اپنی رائے کا اظہار کیا تھا۔ ان معاملات میں صراحت و وضاحت کے ساتھ ہمارا جرات مندانہ موقف کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اس دور میں سادات کے حامی ادباء اور حواریوں نے ہم پر تیر برسائے۔ ہمیں سیاست سے نابلد کہا اور امن دشمنی کا طعنہ دیا گیا۔ جب ان معاہدوں کو عملی جامہ پہنانے کا موقع آیا تب بھی ہم ان کے مقابلے پر اٹھ کھڑے ہوئے۔ مجلہ الدعویہ کے ایک ادارہ میں میں نے لکھا تھا کہ ان معاہدوں کی تطبیق مکمل طور پر ”شر“ ہے۔ یہاں بھی مصنف مرحوم نے یہ گواہی دی کہ سادات سے ملاقات ہوئی تو ان کے دلائل سے وہ قلبی و ذہنی طور پر متفق ہو گیا اور یہ کہ یہ سادات کی نیکی ہے جسے وہ فراموش نہیں کر سکتے۔

۳۱۔ نفس مصدر، ص ۲۴۱-۲۴۲

۳۲۔ البوابة السوداء کا اردو ترجمہ رواد ابتلاء کے نام سے مولانا خلیل احمد الحامدی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے پہلی بار ۱۹۷۸ء میں عبدالحفیظ احمد صاحب نے البدر پبلی کیشنز لاہور سے شائع کیا پھر کچھ مفید اور ضروری اضافوں کے ساتھ مولانا محمد یوسف اصلاحی نے مکتبہ ذکری رام پور سے ۱۹۸۰ء میں شائع کیا۔ موخر الذکر ایڈیشن میں مضامین کی مناسبت سے بہت سے ذیلی عنوانات کا اضافہ کیا گیا ہے، آغاز میں مضامین کی ایک مفصل فہرست بھی شامل کی گئی ہے اور ابتداء میں تعارف کے عنوان سے ایک مضمون کا اضافہ بھی ہے۔ میرے پیش نظر یہی ترجمہ ہے۔

۳۳۔ احمد رائف، البوابة السوداء، نفس مصدر، ص ۸۹-۹۰

۳۴۔ نفس مصدر، ص ۲۰۱-۲۰۲

۳۵۔ نفس مصدر، ص ۲۰۲-۲۰۳ فاضل مترجم نے اس ہولناک واقعہ پر حاشیہ آرائی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ واقعہ دانشوائے مشہور واقعہ سے ملتا جلتا ہے جو مصر میں ۱۹۰۶ء میں پیش آیا تھا۔ ان دنوں مصر پر انگریزی استعمار کا قبضہ تھا مگر انگریز بہر حال بریگیڈیر محمد فوزی کی نسبت رحم دل تھے۔ یہ خیال رہے کہ جون ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ کی قیادت بھی میجر جنرل محمد فوزی نے کی تھی اور پوری مصری قوم کو قعر مذلت میں لا کر پھینک دیا تھا۔ کسی نے بالکل صحیح کہا ہے:

إذا كان الغراب دليل قوم

سيهديهم الى دار البوار

۳۶۔ تفصیل کے لیے دیکھیے، نفس مصدر، ص ۱۷۵-۱۸۰

۳۷۔ نفس مصدر، ص ۱۸۴

۳۸۔ محترمہ زینب الغزالی کی یہ روداد آیام من حیاتی نو جوانوں اور طلبہ کی عالمی تحریک الاتحاد الاسلامی العالمی للمنظمات الطلابیہ کے تعاون سے دار القرآن الکریم للعناویہ بطبعہ و نشر علومہ بیروت لبنان سے ۱۹۸۰ء میں شائع ہوئی۔ اس کا اولین اردو ترجمہ محترم امین عثمانی کے قلم سے ”زنداں کے شب و روز“ کے نام سے ہندوستان پبلی کیشنز دہلی سے ۱۹۸۲ء میں طبع ہوا۔ دوسرا ترجمہ مولانا خلیل احمد الحامدی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا اور مذکورہ اردو ناشر نے کتاب کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا تو مولانا خلیل احمد الحامدی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کو ترجیح دی۔ بہر حال راقم کے پیش نظر عربی ایڈیشن ہے۔

۳۹۔ ایام من حیاتی، نفس مصدر، ص ۳۷

۴۰۔ نفس مصدر، ص ۴۱، ۱۹۵۰ء میں وزیر اعظم حسین سری پاشا کی حکومت تشکیل پائی تو اخوان کو اپنی سرگرمیاں جاری رکھنے کی اجازت ملی۔ حسن اسماعیل الہیسی دوسرے مرشد عام منتخب ہوئے اور اخوان کے مرکزی دفتر کا باقاعدہ افتتاح ہوا۔ اسی تقریب میں زینب الغزالی نے انعام کا اعلان کیا۔

- ۴۱۔ قرآن کریم، ۳: ۱۷۳۔
- ۴۲۔ آیات من حیاتی، حوالہ بالا، ص ۵-۶۔
- ۴۳۔ نفس مصدر، ص ۹-۱۰۔
- ۴۴۔ نفس مصدر
- ۴۵۔ نفس مصدر، ص ۵۳-۵۵۔
- ۴۶۔ نفس مصدر، ص ۷۱۔
- ۴۷۔ نفس مصدر، ص ۷۲-۷۳۔
- ۴۸۔ نفس مصدر، ص ۱۵۱-۱۵۳۔
- ۴۹۔ قرآن کریم، الأنعام: ۵۹۔
- ۵۰۔ آیات من حیاتی، حوالہ بالا، ص ۲۵۶۔
- ۵۱۔ قرآن کریم، الصافات: ۳۵-۳۶۔
- ۵۲۔ آیات من حیاتی، حوالہ بالا، ص ۱۸۲۔
- ۵۳۔ نفس مصدر، ص ۲۸۷۔



دانشوروں اور اادیوں کی کہکشاں

مصنفین و مفکرین کی جماعت

الإخوان المسلمون کے آٹھ مرشدین عام منتخب ہوئے اور ان تمام رہنماؤں نے اپنے اپنے دور میں تحریک اسلامی اور ملک کی قیادت اپنے ذوق و رجحان اور صلاحیت و صالحیت کے مطابق کی۔ ان سب کا مطالعہ اسلام بڑا وسیع و عمیق اور مشاہدہ کائنات و تجزیہ حالات بڑا با بصیرت، چشم کشا اور معنی خیز تھا۔ انہوں نے حق و باطل کی کشمکش میں کاروان اسلام کی علم برداری کی اور قید و بند اور طوق و سلاسل کی تمام آزمائشوں کو خندہ پیشانی سے قبول کر کے دعوت و عزیمت اور جہاد و شہادت کی قدیلیں روشن رکھیں اور تاریخ اسلام میں فریضہ تجدید و احیائے دین کے باضابطہ تسلسل کی ضمانت فراہم کی۔ ان شہدائے حق اور فاتحین سلاسل کی تحریروں اور تقریروں نے عالم اسلام میں احیاء و اصلاح کی لہر دوڑادی۔ ادیبوں اور شاعروں کے قلم میں ارتعاش پیدا کر دیا اور ان کی شاعری اور ان کا ادب لذت و تفریح اور بے مقصدیت سے کنارہ کش ہو کر زندگی کی اعلیٰ اقدار اور آفاقی اصولوں سے ہم آغوش ہو گیا۔

مرشد اول امام حسن البنا کی تحریروں میں سوز و گداز اور حدت و تپش تھی۔ ان کی شخصیت بڑی پرکشش اور سحر آفرین تھی۔ ان کے الفاظ بڑے رسیلے اور میٹھے ہوتے تھے۔ مرشد ثانی حسن اسماعیل ابھیمیؒ فقہ و قانون کے ماہر تھے۔ ان کی تحریروں میں زور استدلال اور شان تفقہ نمایاں تھی۔ ان کی کتاب دعاۃ لاقضاۃ نے جبر و تشدد اور تکفیر کے ہم نواؤں کے ناطقے بند کر دیے اور ان کے سارے دلائل پادر ہوا ہو گئے۔ تیسرے مرشد سید عمر تلمسانیؒ کو تجربات و مشاہدات کا حصہ وافر نصیب ہوا تھا اور عزیمت و استقامت کی تاریخ رقم کرنے کی سعادت ان کے حصے میں آئی تھی۔ ان کے جرات مندانہ موقف نے عالم اسلام کو ان کا دیوانہ بنا دیا۔ چوتھے مرشد عام محمد حامد ابوالنصرؒ کم گو اور

کم نویس تھے مگر عہد ناصری کے مظالم کی روداد لکھی تو پہلی بار تحریک کی کچھ اندرونی کمزوریاں اور منافقین کی ریشہ دوانیاں سامنے آئیں پانچویں مرشد عام مصطفیٰ مشہور ایک کامیاب مصنف، محاضر اور خطیب تھے اور اسلام اور تحریک اسلامی کے مسائل پر کھل کر گفتگو کرتے تھے۔ چھٹے مرشد محمد مامون الہیسی قانون اور عدلیہ کا مضبوط پس منظر رکھتے تھے۔ گفتگو بڑی منطقی اور مدلل ہوتی تھی۔ اتنا محمد مہدی عاکف مجاہد آزادی تھے مگر متانت، وقار اور اعتدال ان کی نمایاں خصوصیات تھیں۔ آٹھویں مرشد ڈاکٹر محمد البدیع کا اسلوب بھی استدلالی اور منطقی ہے۔

مرشدین عام کے علاوہ الإخوان المسلمون کی صفوں میں درجہ اول کے ادیب اور مصنف پیدا ہوئے جنہوں نے انسانیت کے تمام مسائل پر اسلام کی مدلل باوقار اور بے لاگ ترجمانی کی۔ یہ ادیب مصر کے علاوہ شام، لبنان، سعودی عرب، کویت، قطر، عراق، فلسطین، اردن اور عالم عرب اور عالم اسلام کے دوسرے ملکوں میں اپنی تحریروں سے امت اسلامیہ کی رہنمائی کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ ایسے اسلام پسند ادیبوں اور مصنفین کا احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے مگر یہاں صرف چند شخصیات کا مختصر تعارف پیش کیا جا رہا ہے خاص طور سے وہ اعلام اور علماء یہاں زیر بحث ہیں جن کی تحریروں کے اردو تراجم ہوئے اور ان کی تحریروں کے ترجموں نے ہندوپاک کی اسلامی فکر کے ارتقاء پر اپنے اثرات مرتب کیے۔

سید قطبؒ (۱۹۰۶-۱۹۶۶ء)

عالم اسلام کی مایہ ناز شخصیت جسے الإخوان المسلمون کا نظریہ ساز (Ideologue) قرار دیا گیا۔ پورا نام سید قطب ابراہیم حسین شاذلی تھا ۶ اکتوبر ۱۹۰۶ء کو بالائے مصر کے اسیوط شہر کے گاؤں موشا میں پیدا ہوئے۔ والد ابراہیم قطب، مصطفیٰ کامل کی پارٹی الحزب الوطنی کے رکن تھے۔ دس سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا۔ ۱۹۱۸ء میں سرکاری اسکول سے ثانوی تعلیم مکمل کی۔ ۱۹۲۸ء میں دارالعلوم قاہرہ میں غیر رسمی طور سے کلاسز میں حاضری دی مگر ۱۹۳۰ء میں یہاں

باضابطہ داخلہ لے لیا اور ۱۹۳۳ء میں بی۔ اے ایجوکیشن کی ڈگری حاصل کی۔ اپنی ذہانت و صلاحیت کی بدولت اسی کالج میں وزارت تعلیم کی جانب سے استاذ مقرر ہوئے۔ یہاں آپ کی ملازمت ۱۹۵۱ء تک رہی۔ آخر کے کچھ سال آپ نے انسپکٹر آف اسکولز کی حیثیت سے گزارے۔ اسی دوران ۱۹۴۸ء میں سید قطب کو مغربی نظام تعلیم کے مطالعہ کے لیے امریکہ جانے کا موقع ملا۔ وہاں یونیورسٹی آف ناردرن کولوریڈو ٹیچرز کالج کے ولسنز ٹیچرز کالج میں آپ نے داخلہ لیا اور ایجوکیشن میں ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ کیلی فورنیا کی اسٹان فورڈ یونیورسٹی سے بھی آپ نے استفادہ کیا۔ واشنگٹن کے علاوہ نیویارک، شکاگو، سان فرانسسکو، لاس اینجلس اور دوسرے شہروں میں بھی جانے کا آپ کو موقع ملا۔ واپسی پر انگلستان، اٹلی اور سوئزرلینڈ میں بھی چند ہفتے آپ نے گزارے۔ امریکہ کے قیام میں آپ نے مغربی تہذیب کی بربادی کا پچشم خود مشاہدہ کیا اور اسلام پر ان کے ایمان و یقین میں اضافہ ہوا۔

۱۹۳۰ء کے دور میں مصنف نے شاعری، ادب اور تنقید کے میدان میں اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھائے۔ ابتدا میں طلحہ حسین، عباس محمود العقاد اور احمد حسن الزیات سے بڑے متاثر تھے مگر بعد میں ان کے اسلوب اور افکار کے مخالف اور ناقد بن گئے۔ اب امریکہ سے واپس ہوتے ہی ملک کے سماجی، معاشی اور سیاسی و تہذیبی مسائل میں دلچسپی لی اور وزارت تعلیم میں مشیر کے عہدہ پر ترقی کے روشن امکان کو مسترد کر کے ملازمت کو خیر باد کہہ دیا۔ ۱۹۵۳ء میں الإخوان المسلمون میں شرکت اختیار کر لی اور اس کے ترجمان الإخوان المسلمون کے مدیر مقرر کیے گئے۔ بعد میں انہیں جماعت کے مرکزی دفتر میں شعبہ توسیع دعوت کا انچارج اور پھر مکتب الارشاد کا رکن منتخب کیا گیا۔ مارچ ۱۹۵۳ء میں مصر کے معاشرتی، بہبود کے سرکل نے ایک کانفرنس میں شرکت کے لیے دمشق بھیجا جہاں آپ نے مختلف موضوعات پر لیکچر دیے۔ اسی سال دسمبر میں آپ نے بیت المقدس میں منعقد ہونے والی اسلامی کانفرنس میں شرکت کی۔

۱۰ ستمبر ۱۹۵۴ء کو اخبار الإخوان المسلمون حکومت کی طرف سے بند کر دیا گیا کیوں کہ

اس نے اس اینگلو مصری پیکٹ کی مخالفت کی تھی جو ۷ جولائی ۱۹۵۴ء کو جمال عبدالناصر اور انگریزوں کے مابین ہوا تھا۔ یہیں سے اخوان اور ناصر کے مابین کشمکش کا آغاز ہوا۔ اکتوبر ۱۹۵۴ء میں ایک محفل میں تقرر کرتے ہوئے صدر ناصر پر قاتلانہ حملہ ہوا اور حکومت نے اس کی ذمہ داری اخوان پر ڈال دی دوسرے رہنماؤں کے ساتھ سید قطب بھی گرفتار کر لیے گئے۔ ۱۳ جولائی ۱۹۵۵ء کو عوامی عدالت نے آپ کو پندرہ سال قید با مشقت کی سزا سنائی۔ ابھی قید کی زندگی کو ایک ہی سال گزرا تھا کہ حکومت کے ایک نمائندہ نے جیل میں ان سے ملاقات کر کے درخواست کی کہ چند سطریں معافی کی لکھ دیں تو جیل سے آپ کو رہا کر دیا جائے گا مگر سید قطب نے یہ پیش کش ٹھکرا دی۔ ۱۹۶۴ء کے وسط تک موصوف ملک کے مختلف جیل خانوں میں رہے۔ ابتدائی تین سالوں میں آپ کے ساتھ انتہائی جبر و تشدد اور اذیت و تعذیب کا سلوک روا رکھا گیا مگر بعد میں کچھ سانس لینے کی مہلت نصیب ہوئی تو تفسیر قرآن فی ظلال القرآن کی تکمیل میں گئے آخر کار عراق کے صدر عبدالسلام عارف مرحوم کی مداخلت پر آپ کو جیل سے رہائی ملی۔ اگست ۱۹۶۵ء میں سید قطب دوبارہ حکومت کا تختہ الٹنے کے الزام میں گرفتار کر لیے گئے اور ۲۵ اگست ۱۹۶۶ء کو عالم اسلام کے سخت احتجاج کے باوجود پھانسی پر لٹکا دیے گئے۔^۱

سید قطب کی تصانیف کی تعداد ۲۲ ہے، جو اس طرح ہیں:

- ۱۔ فی ظلال القرآن
- ۲۔ العدالة الاجتماعية فی الاسلام
- ۳۔ مشاهد القيامة فی الاسلام
- ۴۔ التصوير الفني فی القرآن
- ۵۔ معركة الإسلام والرأسمالية
- ۶۔ السلام العالمي والإسلام
- ۷۔ دراسات اسلامية
- ۸۔ النقد الادبی: اصولہ و مناهجہ
- ۹۔ نقد کتاب مستقبل الثقافة فی مصر ۱۰۔ کتب و شخصیات
- ۱۱۔ نحو مجتمع اسلامي
- ۱۲۔ امریکہ الٹی رأیت
- ۱۳۔ اشواک
- ۱۴۔ طفل من القرية

- ۱۵۔ المدينة المسحوّرة
 ۱۶۔ الأطفاف الاربعة
 ۱۷۔ القصص الادينية
 ۱۸۔ قافلة الرقيق
 ۱۹۔ حلم الفجر
 ۲۰۔ الشاطئي المجهول
 ۲۱۔ مهمة الشاعر في الحيوة
 ۲۲۔ معالم في الطريق

عبدالقادروودہ (۱۹۵۴م)

شیخ عبدالقادروودہ ایڈوکیٹ اخوان المسلمون کے نمایاں رہنماؤں میں سے تھے۔ موصوف شاہ فاروق کے دور میں مصری عدالت کے جج تھے مگر انہوں نے اس بنا پر اس عظیم منصب سے استعفیٰ دے دیا تھا کہ وہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے غیر الہی قانون کے تحت مقدمات کے فیصلے جائز نہیں سمجھتے تھے۔ اس کے بعد وہ اخوان سے منسلک ہو گئے اور نائب مرشد عام کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ موصوف متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ ان کی بس کتاب کو سب سے زیادہ شہرت نصیب ہوئی وہ التشريع الجنائي الاسلامی (اسلام کا قانون فوجداری) ہے۔ اس کتاب نے دنیا کے قانون داں حلقوں سے بے پایاں خراج تحسین حاصل کیا ہے۔ انہوں نے یہ کتاب ۱۹۵۱ء میں تصنیف کی تھی۔ اس کتاب کی اہمیت و ندرت کے پیش نظر حکومت کی طرف سے یہ فیصلہ کیا گیا کہ مصنف کو فواد الاول انعام دیا جائے مگر شرط یہ لگائی گئی کہ اس کتاب کے دو جملے حذف کر دیے جائیں۔ ایک جملہ یہ تھا کہ اسلام موروثی بادشاہت کا قائل نہیں ہے اور دوسرا یہ کہ اسلام میں کوئی حاکم قانون سے بالا نہیں ہے۔ مصنف نے یہ جملے حذف کرنے سے انکار کر دیا اور اس انعام کو ٹھکرا دیا جو ایک ہزار مصری پونڈ کی مقدار میں انہیں مل رہا تھا۔ انہیں شاہ فاروق کی ناراضگی بھی مول لینا پڑی کیوں کہ ان جملوں کی زبرد براہ راست فاروق پر پڑتی تھی۔ عودہ کی دیگر تصانیف اس طرح ہیں:

”الإسلام وأوضاعنا القانونية (اسلام اور ہمارا قانونی نظام)، الإسلام

وأضاعنا السياسية (اسلام اور ہمارا سیاسی نظام)، المال والحکم فی الاسلام (اسلام میں مالیات اور حکمرانی کے اصول)، الاسلام حائرين جہل أبنائہ وعجز علمائہ (اسلام اپنے فرزندوں کی جہالت اور اپنے علماء کی کوتاہ دستی پر حیران ہے!)“^۱

دسمبر ۱۹۵۴ء میں جن چھ اخوانی رہنماؤں کو پھانسی کی سزا دی گئی ان میں عبدالقادر عودہ شہید بھی تھے۔ پیرس کے اخبار ’فرانس سوار‘ نے ان رہنماؤں کی شہادت کے چشم دید ایمان افروز واقعات لکھے ہیں۔ نامہ نگار کہتا ہے کہ:

”چھٹا اور آخری ملزم جسے دار کی طرف بڑھنا تھا شیخ عبدالقادر عودہ تھے۔ موصوف اخوان کی تحریک کے فکری رہنما ہیں۔ نجیب اور اخوان کے درمیان آپ ہی حلقہٴ اتصال تھے۔ انہوں نے عدالت کے اندر عدالت کے فیصلوں پر بڑی عالمانہ بحث کی اور جب انہیں موت کا فیصلہ سنایا گیا تو جواب میں مسکرا دیے اور شکر یے کے ساتھ اسے قبول کیا۔ یہ ہمارے سامنے اس انداز سے گزرے کہ ان کی گردن بلند تھی اور تحمل قدم قدم سے عیاں تھا۔ آنکھوں میں مسکراہٹ تھی۔ گرجدار آواز سے قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے اور آخر میں انہوں نے چند اشعار پڑھے جن کا مطلب یہ تھا کہ ”اگر میں اللہ کی راہ میں جان دے رہا ہوں تو پھر مجھے کسی چیز کی پروا نہیں ہے۔“ انہوں نے اپنا سرا جھی طرح اوپر اٹھا کر کہا ”میرا خون نظام حاضر کے لیے لعنت ثابت ہوگا۔“ انہوں نے کوئی چیز لینے سے انکار کر دیا۔ تختہٴ دار کی جانب جاتے ہوئے وہ اپنے دونوں جلا دوں سے آگے نکل گئے۔“^۲

مصطفیٰ محمد الطحان

اخوان المسلمون کے بانی اور رہنماؤں کی تحریروں سے متاثر ہوئے اور زندگی اسلامی تحریک کی خدمت میں وقف کر دی۔ ۱۹۳۸ء میں لبنان میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۶۴ء میں استنبول

یونیورسٹی ترکی سے کیمیکل انجینئرنگ میں ایم۔ ایس۔ سی کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۷۹ء تک کویت میں پیٹرولیم کے میدان میں ملازمت کی۔ ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۴ء کے درمیان ترکی میں اسلامی طلبہ تحریکات کے قیام و استحکام کے لیے متحرک رہے۔ ۱۹۶۹ء میں عالم عرب میں موجود استنبول یونیورسٹی کے فارغ التحصیل طلبہ کی تنظیم قائم کی اور انہیں احیائے اسلام کے لیے جدوجہد کرنے پر ابھارا۔ الاتحاد الاسلامی العالمی للمنظمات الطلابیہ کویت کی تاسیس میں پیش پیش رہے اور اس کے قیام کے پہلے سال ہی ۱۹۶۹ء میں خازن مقرر ہوئے۔ ۱۹۶۹ء، ۱۹۷۱ء، ۱۹۷۵ء اور ۱۹۷۷ء کے دوران آپ برابر اس کی جنرل سکریٹریٹ کے رکن منتخب ہوتے رہے۔ جولائی ۱۹۸۰ء میں اس عالمی تنظیم کے جنرل سکریٹری منتخب ہوئے۔ اس تنظیم کے شعبہ اشاعت کتب کی تحت دنیا کی سو سے زیادہ زبانوں میں اسلامی ادبیات کے تراجم اور ان کی نشر و طباعت کے عظیم منصوبہ کے براہ راست نگران بھی رہے عالم اسلام کی اسلامی تحریکات کی خبروں کی اشاعت کے لیے بیک وقت انگریزی اور عربی میں مجلہ الأخبار بلٹین کی ادارت کر رہے ہیں۔ اس وقت المؤتمر العالمی للتجمعات الاسلامیہ کے جنرل سکریٹری ہیں جس کا صدر دفتر استنبول میں ہے۔

فکر اسلامی اور دعوتی و جہادی تحریکات پر آپ نے بیسیوں کتابیں لکھیں جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ الفکر الحرکی بین الإصالة و الإنحراف (تحریکی فکر - بنیاد پرستی اور انحراف کے درمیان)

۲۔ الحركة الإسلامية الحديثة فی ترکیا (ترکی میں جدید اسلامی تحریک)

۳۔ القومية بین النظرية والتطبيق (قومیت - نظریہ اور نفاذ)

۴۔ نظرات فی واقع الدعوة والدعاة (دعوت اور داعی کے مسائل پر غور و فکر کے چند پہلو)

۵۔ نظرات فی واقع المسلمین السياسی (مسلمانوں کی سیاسی صورت حال پر چند

مباحث

- ۶۔ القيادة في العمل الاسلامي (اسلامی کازکی قیادت)
- ۷۔ في التدريب التربوي (تربیتی ٹریننگ کے مسائل)
- ۸۔ حاضر العالم الاسلامي ۱۹۹۱م (۱۹۹۱ء میں عالم اسلام کی صورت حال)
- ۹۔ حاضر العالم الإسلامي ۱۹۹۲م (۱۹۹۲ء میں عالم اسلام کی صورت حال)
- ۱۰۔ فلسطين والمؤامرة الكبرى (فلسطين اور عالمی سازشیں)
- ۱۱۔ مستقبل الإسلام في القوقاز وبلا دماوراء النهر (قفقاز اور بلا دماوراء النہر میں اسلام کا مستقبل)

- ۱۲۔ دور الشباب في إعادة بناء الأمة (امت کی تعمیر نو میں نوجوانوں کا کردار)
- ۱۳۔ النظام الإسلامي منهاج متفرد (اسلام-ایک منفرد نظام)
- ۱۴۔ ردّ على كتاب آيات شيطانية (شیطانی آیات کی تردید)
- ۱۵۔ شخصية المسلم المعاصر (معاصر مسلمان کا تشخص)
- ۱۶۔ تحديات سياسية تواجه الحركة الاسلامية (اسلامی تحریک-سیاسی بحرانوں کے مقابلہ میں)

- ۱۷۔ المرأة في موكب الدعوة (دعوت دین اور خواتین)

ڈاکٹر طہ جابر العلوانی

آپ ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء میں عراق میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی اور ثانوی تعلیم وطن ہی میں حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے مصر گئے اور ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۹ء میں جامعۃ الازہر قاہرہ سے کلیۃ الشریعہ سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ یہیں سے ۱۳۸۸ھ/۱۹۶۸ء میں ایم۔ اے کیا اور ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۳ء میں اصول الفقہ میں پی۔ ایچ۔ ڈی بھی یہیں سے کی۔

ڈاکٹر طہ جابر العلوانی ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء سے ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء تک دس سال جامعۃ الإمام محمد بن سعود ریاض میں فقہ اور اصول فقہ کے پروفیسر رہے۔ علوم وفنون کی اسلام کاری اور لسانی و عمرانیاتی علوم ومسائل کے اسلامی مطالعہ سے فاضل مصنف کو خصوصی دلچسپی رہی۔ یہ تحریک انہیں اخوان کے بانی اور رہنماؤں کی تحریروں اور ان کی صبر و عزیمت کی داستانوں سے ملی۔ چنانچہ ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ایسے ہی ایک علمی و تحقیقی ادارہ کی بنیاد پڑی تو موصوف اس کے مؤسستین میں شامل تھے اس ادارہ کا نام رکھا گیا المعهد العالمی للفکر الإسلامی (International Institute of Islamic Thought) موصوف آج کل اس کے صدر اور بورڈ آف ٹرسٹیز کے رکن رکین ہیں۔ اس ادارہ نے ڈاکٹر اسماعیل راجی الفاروقی شہید کی قیادت میں علمی محاذ پر بڑا قیمتی اور عظیم الشان کارنامہ انجام دیا اور وہ ہے عمرانیاتی علوم کی اسلام کاری کی تحریک کی داغ بیل۔ ڈاکٹر العلوانی رابطۃ العالم الإسلامی مملہ کے مؤسس رکن ہیں۔ ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء سے منظمة المؤتمر الإسلامی اسلامی فقہ اکیڈمی جدہ کے ممبر ہیں اور ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء سے فقہ کونسل آف نارتھ امریکہ کے صدر ہیں۔

اسلامی فقہ آپ کی دلچسپی کا خصوصی موضوع ہے۔ مندرجہ ذیل تصانیف بڑی اہم ہیں:

۱۔ امام فخر الدین رازی کی کتاب المحصول فی علم الفقہ کی ترتیب و تحقیق (چھ جلدوں میں)

۲۔ الاجتهاد و التقليد فی الاسلام

۳۔ حقوق المتہم فی الاسلام (اسلام میں ملزم اور متہم کے حقوق)

۴۔ ادب الاختلاف فی الاسلام (اسلام میں اختلاف کے اصول)

۵۔ أصول الفقہ الإسلامی منہج بحث و معرفة (اسلامی فقہ کے اصول اور منہجیات)

فکر اسلامی کے دوسرے موضوعات پر بھی آپ نے گراں قدر کام کیا ہے مثال کے طور پر:

۱۔ اصلاح الفكر الاسلامی بین القدرات والعقبات، ورقة عمل (فکر اسلامی کی

اصلاح- صلاحیتیں اور رکاوٹیں)

۲۔ الأزمة الفكرية المعاصرة (معاصر فکری بحران)

۳۔ نواظر فی الأزمة الفكرية والمآزق الحضاری فی الأمة الإسلامية (امت مسلمہ کو درپیش فکری و تہذیبی بحران پر کچھ بحثیں) ۵

ڈاکٹر عماد الدین خلیل

موصوف عراق کے شہر الموصل میں ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی اور ثانوی تعلیم کی تکمیل کے بعد بغداد یونیورسٹی سے ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء میں بی۔اے اور ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء میں اسلامی تاریخ میں ایم۔اے کیا۔ اس کے بعد جامعہ عین شمس قاہرہ میں پی۔ایچ۔ ڈی میں داخلہ لیا اور ۱۳۸۸ھ/۱۹۶۸ء میں تاریخ اسلامی میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ آپ ۱۳۸۶-۱۳۸۷ھ/۱۹۶۶-۱۹۶۷ء میں سنٹرل لائبریری الموصل یونیورسٹی عراق کے ڈائرکٹر بھی رہے۔ اسی یونیورسٹی کے آرٹس کالج میں ۱۳۸۷ھ سے ۱۳۹۷ھ تک (۱۹۶۷ء سے ۱۹۷۷ء تک) اسٹنٹ لیکچرار، لیکچرار اور ایسوسی ایٹ پروفیسر رہے اور اسلامی تاریخ، منہاجیات تحقیق اور فلسفہ تاریخ کے مضامین کی تدریس کی۔ ۱۳۹۷ھ سے ۱۴۰۷ھ (۱۹۷۷ء-۱۹۸۷ء) تک آپ نے شعبہ اثریات کے صدر، کلچرل میوزیم لائبریری کے ڈائرکٹر اور عراقی منطقہ شمالی کے آثار قدیمہ اور عجائب گھروں کے جنرل ڈائرکٹوریٹ میں سینیئر ریسرچ فیلو کی حیثیت میں شاندار خدمات انجام دیں۔ آج کل صلاح الدین یونیورسٹی اردنیل عراق کے آرٹس کالج میں اسلامی تاریخ، منہاجیات و فلسفہ تاریخ کے پروفیسر ہیں۔

ڈاکٹر عماد الدین خلیل نے مختلف عرب یونیورسٹیوں اور علمی، تحقیقی اور تربیتی اداروں میں لیکچرز اور توسیعی خطبات دیے اور خلیجی ممالک کی تنظیم Islamic, Educational, Scientific and Cultural Organization (ISESCO) میں مختلف علمی اور تحقیقی منصوبوں کی تکمیل

میں تعاون کیا۔ مختلف عالمی علمی اجتماعات اور کانفرنسوں میں بھی شرکت کرتے رہے ان میں ۱۹۷۱ء کی بغداد میں یونیورسٹی ایجوکیشن پر پہلی انٹرنیشنل کانفرنس اور ۱۹۷۹ء میں قطر میں منعقد سیرت اور سنت نبوی پر تیسری عالمی کانفرنس اہم ہیں۔ اسلامی تاریخ، منہاجیات اور فلسفہ تاریخ نیز ادب و تنقید پر آپ کی تخلیقات بہت قابل قدر ہیں۔ آپ پچاس سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں اور سینکڑوں مقالات و مضامین شائع کرا چکے ہیں۔ آپ کی چند کتابیں یہ ہیں:

- ۱۔ مع القرآن فی عالمہ الرحیب (قرآن کی وسیع کائنات میں)
- ۲۔ آفاق قرآنیۃ (قرآنی آفاق)
- ۳۔ مقال فی العدل الاجتماعی (اسلام کے عدل اجتماعی پر ایک گفتگو)
- ۴۔ العلم فی مواجهة المادیة (سائنس مادیت کے مقابلہ میں)
- ۵۔ مدخل إلى موقف القرآن من العلم الحديث (جدید سائنس کے تئیں قرآن کا موقف)
- ۶۔ حول إعادة تشکيل العقل المسلم (فکر اسلامی کی تشکیل جدید)
- ۷۔ فی الرؤیة الإسلامية (اسلامی تناظر)
- ۸۔ فی النقد الاسلامی المعاصر (معاصر اسلامی تنقید نگاری)
- ۹۔ مدخل إلى نظریة الأدب الاسلامی (ادب اسلامی کا نظریہ)
- ۱۰۔ حول إعادة كتابة التاريخ الإسلامی (اسلامی تاریخ نگاری کی تشکیل نو)
- ۱۱۔ التفسیر الإسلامی للتاریخ (تاریخ کی اسلامی تفسیر)
- ۱۲۔ فی التاريخ الإسلامی - فصول فی المنهج والتحلیل (اسلامی تاریخ: منہاجیات اور تجزیہ پر چند مباحث)
- ۱۳۔ ابن خلدون اسلامياً (علامہ ابن خلدون - اسلام کے علم بردار مفکر)
- ۱۴۔ دراسة فی السیرة (سیرت طیبہ پر ایک مطالعہ)

۱۵۔ الإمارات الأرتقية فى الجزيرة والشام : أضواء جديدة على المقاومة الإسلامية للصليبيين والتتر (جزيرة عرب اورشام میں ارتقى حکومتیں: صلیبیوں اور تاتاریوں کے خلاف اسلامی مزاحمت پر نئی روشنی)

۱۶۔ ملامح الانقلاب الإسلامی فی خلافة عمر بن عبد العزيز (حضرت عمر بن عبد العزيز کے دور خلافت میں اسلامی انقلاب کے نقوش)

۱۷۔ مدخل السی إسلامية المعرفة مع منخطط مقترح لإسلامية علم التاريخ (علم کی اسلام کاری- تاریخ کی اسلامی تشکیل نو پر ورک پلان) کے

ڈاکٹر عبد الحمید احمد ابوسلیمان

سعودی عرب کے شہر مکہ المکرمہ میں شوال ۱۳۵۵ھ / دسمبر ۱۹۳۶ء میں آپ پیدا ہوئے۔ ہائر سکندری کی سند ۱۹۵۵ء میں مکہ سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے قاہرہ تشریف لائے اور وہاں کے کالج آف کامرس سے پولیٹیکل سائنس میں بی۔ اے اور پھر ایم۔ اے کی ڈگریاں حاصل کی۔ ۱۹۷۳ء میں پنسلوانیا یونیورسٹی فلاڈلفیا سے اسلام اور بین الاقوامی تعلقات کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ آپ کے تحقیقی مقالہ کا عنوان تھا:

The Islamic Theory of International Relations: New

Directions for Islamic Methodology and Thought.

بعد میں المعهد العالمی للفکر الاسلامی نے ۱۹۸۷ء میں اسے ترک و احتشام سے شائع کیا۔

ڈاکٹر ابوسلیمان نے سپریم پلاننگ بورڈ میں ۶۲-۱۹۶۲ء میں اس کے قائم معتمد کی حیثیت سے کام کیا۔ ۱۹۶۲ء میں ریاض یونیورسٹی کے اسکول آف کامرس میں اور بعد میں اسکول آف پبلک ایڈمنسٹریشن میں لیکچرار مقرر ہوئے۔ ۱۹۸۲ء سے ۱۹۸۴ء تک پولیٹیکل سائنس شعبہ کے صدر

رہے۔ اس کے بعد دو سال کی رخصت لے کر وہ المعهد العالمی للفکر الاسلامی امریکہ کے ڈائریکٹر جنرل کے منصب پر فائز ہوئے۔

موصوف نے ۱۹۷۲ء میں ایسوسی ایشن آف مسلم سوشل سائنٹسٹس (Association of Muslim Social Scientists) کی بنیاد رکھی تھی وہیں سے علمی و فکری سطح پر اسلام کاری کے لیے ایک بین الاقوامی ادارہ کے قیام کا خاکہ ذہن میں آیا تھا جو دوسرے اصحاب فکر احباب اور رفقاء کے تعاون سے ۱۹۸۱ء میں المعهد العالمی للفکر الاسلامی کی تاسیس کی شکل میں ظہور پذیر ہوا۔ موصوف نے اس عالمی ادارہ کی سربراہی اس کی تاسیس سے لے کر مسلسل فرمائی۔ آپ انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی ملیشیا کے ریکٹر کے عہدہ پر بھی مامور رہے۔

فاضل محقق عالم اسلام کے مسائل و معاملات پر بصیرت و ادراک کے ساتھ مختلف علمی، تحقیقی اور تربیتی و تہذیبی اداروں اور تنظیمات کی رہنمائی میں شریک اور امت مسلمہ کی فکری و دانش ورانہ قیادت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ آپ نے اسلامی میراث کی منہاجیات کو موضوع بحث بنایا ہے۔ آپ کی کچھ اہم تحریریں یہ ہیں:

۱۔ قضية المنهجية في الفكر الإسلامي (فکر اسلامی میں منہاجیات کا مسئلہ)

۲۔ أزمة العقل المسلم (فکر اسلامی کا بحران) ^۵

ڈاکٹر فتحی یکن

لبنان میں اسلامی تحریک کی تخم ریزی کرنے والوں میں فتحی یکن کا نام بہت نمایاں ہے آپ نے امام حسن البنا اور اخوانی رہنماؤں سے کسب فیض کیا۔ ان کی تحریک سے متاثر ہوئے اور لبنان میں اسلامی احیاء تجدید کے فرائض میں لگ گئے۔ آپ کی پیدائش طرابلس میں ۱۹۳۳ء میں ہوئی۔ وہ دراصل 'یکن' خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جس کا اصل تعلق ترکی کے شہر سیواس سے تھا۔ یہ

خاندان علم و تہذیب میں مشہور تھا۔

ابتدائی تعلیم المعهد الامریکی سے حاصل کی۔ ۱۹۶۳ء میں الیکٹرانک انجینئرنگ سے فراغت پائی۔ وہ اپنے مضمون کے ماہر اور تجربہ کار انجینئر تھے۔ انہوں نے ایک ریڈیو اسٹیشن کا خاکہ بنایا جس نے چھٹی دہائی کے اوائل میں 'صوت لبنان الحر' کے نام سے کام کرنا شروع کیا۔ اس ریڈیو اسٹیشن نے چل آگے کر ۱۹۷۴ء میں 'إذاعة صوت المجاہدین' کا نام اختیار کر لیا۔ ۱۹۷۳ء میں آپ نے کراچی یونیورسٹی پاکستان سے اسلامک اسٹڈیز میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ آغاز عمر ہی سے تحریک اسلامی کے مسائل میں دلچسپی لی اور وہاں الجماعة الاسلامیہ کی بنیاد ڈالی۔ اس کے سکریٹری جنرل منتخب ہوئے اور ۱۹۹۲ء میں لبنانی پارلیمنٹ کے رکن منتخب ہونے تک اس منصب پر فائز رہے۔ اس وقت بھی وہ پارلیمنٹ کے رکن اور الجماعة الاسلامیہ کے صدر ہیں۔

لبنان عالم عرب میں کثیر المذاہب والقومیات مخصوص رجحان اور طرز فکر کا حامل ملک ہے۔ ملک کی آبادی تین ملین سے زیادہ نہ ہوگی جبکہ اس کی مساحت دس ہزار چار سو مربع کلومیٹر ہے اور سترہ مذاہب سے زائد وہاں وجود رکھتے ہیں ایسے ملک میں دعوت اسلامی کا اپنا ایک مخصوص اسلوب اور منہاج ہوگا جو عالمی تحریکات اسلامی سے جدا اور ممتاز ہوگا۔ ۱۹۹۲ء کے پارلیمانی انتخابات میں الجماعة الاسلامیہ نے شرکت کی اور دو نشستوں پر کامیابی حاصل کر کے لبنان کی سیاست میں ایک نئے تجربے کا آغاز کیا۔ لبنانی پارلیمنٹ میں تین سال گزارنے کے بعد ڈاکٹر فتحی یکن نے اس تاثر کا اظہار کیا کہ سوویت یونین کے زوال کے بعد بائیں بازو سے تعلق رکھنے والی سیاسی جماعتیں اس وقت شکست و ریخت سے دوچار ہیں اور عوام کو بھی اب احساس ہو گیا ہے کہ یہ ملک و قوم کو خندق میں ڈھکیل رہی ہیں دوسری بات انہوں نے یہ بتائی کہ ناصرزم، قومیت، اشتراکیت اور بعیثت وغیرہ ملحدانہ نظریات اور تحریکوں نے اقتدار میں آنے کے بعد ہر ملک کی تحریک اسلامی کو قید و بند، دار و گیر اور ایذا و تعذیب کا نشانہ بنایا ہے جس کے دو نقصانات

ہوئے ہیں: ۱۔ تحریک اسلامی کو دفاعی پوزیشن اختیار کرنی پڑی۔ ۲۔ تحریک اسلامی عوامی تحریک نہ بن سکی۔ لیکن اب صورت حال تبدیل ہو رہی ہے لبنانی پارلیمنٹ میں پہنچنے کے بعد آغاز میں بڑی دقتیں پیش آئیں۔ اندر سیاسی لابی کی تشکیل تو کجا، طریقہ کار اور منہاج واسلوب کو سمجھنے میں کافی وقت لگا مگر رفتہ رفتہ الجماعة الاسلامیة عقائد و افکار اور عام بنیادی اخلاقیات سے متعلق قانون سازی میں موثر ثابت ہونے لگی۔ دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ تحریک اپنی اثرانی سطح سے نیچے اتر کر عوامی تحریک بنی۔ انداز گفتگو، اسلوب تحریر و تقریر، مسائل کے تجزیہ و پیش کش ہر سطح پر عوام کی دلچسپی اور معیار کو سامنے رکھا جانے لگا اور تحریک اسلامی عوام کے دلوں کی دھڑکن بننے لگی۔ اب جو لٹریچر دعوت و تبلیغ کے لیے شائع ہو رہا ہے اس میں عوامی ذوق و معیار کو پیش نظر رکھا گیا ہے، اور بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں کو اس میں سمونے کی کوشش کی گئی ہے۔

عالمی اسلامی تحریکات کو داخلی سطح پر درپیش بحرانوں کا تجزیہ کرتے ہوئے ڈاکٹر فتحی یکن نے فرمایا کہ اس سیاق میں دو پہلو بہت اہم ہیں:

۱۔ معاشرتی، معاشی، سیاسی، دعوتی، تنظیمی اور منصوبہ بندی کی تمام سطحوں پر قیادت کی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لیے مطلوبہ صفات اور صلاحیتوں کی بڑی کمی محسوس ہوتی ہے اس طرح کی صلاحیتوں کی نشو و نما اور نئے کیڈر کی فراہمی وقت کا اہم ترین مسئلہ ہے۔

۲۔ اسلامی کاز کی سطح پر باہم متصادم تکثیریت بہت سنجیدہ مسئلہ ہے۔ ہر اسلامی گروہ دوسرے پر خطِ تنسیخ پھیرنا چاہتا ہے۔ اس سلسلہ میں مطلوب یہ ہے (ان کان لابداً من التعددية) فيجب أن تكون تعددية توافقية و تماونية و تعاملية وليست تعددية تصادمية (یعنی اگر مختلف گروہوں کا وجود ناگزیر ہو تو ان کے درمیان لازمی طور سے توافق، تعاون اور تکامل ہو۔ وہ باہم معرکہ آرا نہ ہوں۔^۹)

دعوت و تحریک اور اسلام کے مختلف موضوعات پر آپ کی دو درجن سے زائد کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ چند کتابوں کے نام یہ ہیں:

- ۱۔ الاسلام فکرۃ و حرکتۃ و انقلاب (اسلام-نظریہ، تحریک اور انقلاب)
- ۲۔ التربية الوقائية فی الاسلام (اسلام میں احتیاطی تربیت کا تصور)
- ۳۔ ابجدیات التصور الحركی للعمل الاسلامی (اسلامی کاز کے حرکی تصور کی مبادیات)
- ۴۔ القضية الفلسطينية من منظور اسلامي
- ۵۔ البروسترو ٹیکامن منظور اسلامي (پرسترائیکا-اسلام کے تناظر میں)
- ۶۔ الصّحوة الإسلامية مقومًا تھا وموقوفًا تھا (اسلامی بیداری، فرائض اور رکاوٹیں)
- ۷۔ المتغيرات العالمية والدور الاسلامي المنشود (عالمی تبدیلیاں اور اسلام کا مطلوبہ کردار)
- ۸۔ مشکلات الدعوة والدّاعية (دعوت اور داعیان کرام کے مسائل)
- ۹۔ كيف ندعوا إلى الإسلام (ہم دعوت کا کام کیسے کریں؟)
- ۱۰۔ نحو حركة اسلامية عالمية واحدة (ایک عالمی اسلامی تحریک کے قیام کی ضرورت)

ڈاکٹر سعید رمضان (۱۹۲۶-۱۹۹۵ء)

ڈاکٹر سعید رمضان جینیوا سوئزرلینڈ میں ۶۹ سال کی عمر میں ۵ اگست ۱۹۹۵ء کو انتقال کر گئے۔ جد خاکی قاہرہ لایا گیا۔ مسجد رابعہ عدویہ نصر سے جنازہ کی معیت میں لاکھوں آدمیوں نے شرکت کی ۹ اگست کو استاذ اور معلم امام حسن البنا شہید کے جوار میں البساتین قبرستان میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ مصر اور عالم اسلام کی تنظیم الإخوان المسلمون اور اسلامی تحریکات نے ایک عزیز دوست، ایک عظیم مجاہد، شعلہ بیان خطیب، ممتاز مفکر و مصنف اور اخوان المسلمون جماعت کی صفِ اوّل کے رہنما اور داعی کی رحلت پر گہرے دکھ اور قلبی غم و تاسف کا اظہار کیا۔

ڈاکٹر سعید رمضان مصر کے شہر طنطا میں ۱۲ اپریل ۱۹۲۶ء کو پیدا ہوئے اور اس شہر کی اخوان شاخ کے رہنما اور عالم ڈاکٹر ابھی الخولی کے ہاتھوں آپ کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ ۱۹۲۶ء میں لا

کالج قاہرہ یونیورسٹی سے فارغ ہوئے۔ طالب علمی کے دور میں اپنی ایمان افروز، رقت انگیز اور مجاہدانہ شان کی حامل تقریروں کی بدولت بڑے مقبول ہوئے اور یونیورسٹی میں اخوان کی دعوت اور تحریک سے طلبہ کو بڑے پیمانے پر متعارف کرایا اور ان میں فی سبیل اللہ جہاد و شہادت کا جذبہ پیدا کیا۔

چوتھی دہائی میں اخوان نے ماہنامہ مجلہ الشہاب جاری کیا تو ڈاکٹر رمضان ۳۸-۱۹۴۷ء میں اس کے مدیر ہوئے۔ امام حسن البنا آپ سے قریبی لگاؤ اور قلبی تعلق رکھتے تھے، ۱۹۴۹ء میں امام کی شہادت عمل میں آئی تو ڈاکٹر رمضان نے تعلق خاطر کا ثبوت فراہم کرتے ہوئے آپ کی بڑی صاحبزادی سے نکاح کر لیا جن سے پانچ بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئیں۔ پہلے صاحبزادے کا نام ایمن ہے جو سوزرلینڈ کے ایک ماہر ڈاکٹر ہیں، دوسرے صاحبزادے کا نام ڈاکٹر ہانی ہے جنہوں نے جامعہ ازہر سے فلسفہ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے یورپ میں دعوت اسلامی کے کام میں مصروف ہیں، تیسرے صاحبزادے کا نام طارق ہے جنہوں نے ڈاکٹریٹ مکمل کر لیا ہے یہ سوزرلینڈ کے ایک معروف ہفت روزہ میں اسلام اور مسلمانوں کے مسائل پر مسلسل لکھتے رہتے ہیں اور اس وقت مغرب کے لبرل اسلام پسند قلم کار کی حیثیت میں معروف ہیں۔ اس کے بعد بلال اور یاسر اور صاحبزادی اروی ہیں۔

پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد یہاں کی زیارت کرنے والے اولین اخوانی وفد کی ۱۹۴۸ء میں آپ نے قیادت کی اور عالم اسلام میں ہمیشہ اس کی حمایت اور تائید میں سرگرم رہے۔ بعد میں متعدد بار ہندوستان، پاکستان اور جنوب مشرقی ایشیا کا سفر کیا اور یہاں کے دینی، دعوتی اور تربیتی پروگراموں میں لپکھ کر دیا۔

آپ نے مجلہ الشہاب کے بعد ۱۹۵۱ء میں قاہرہ سے ماہنامہ المسلمون نکالا۔ یہ رسالہ پانچویں دہائی میں عالم اسلام کے ممتاز داعیوں، مصنفوں اور ادباء کا ترجمان بن گیا تھا اور اس کا معیار کافی بلند تھا۔ اخوان کے انقلابی کونسل سے اختلاف ہوئے تو حکومت نے رسالہ بند کر دیا۔ ۱۹۵۴ء میں کچھ دنوں کے لیے آپ جیل میں بند کر دیے گئے۔ اسی سال اخوان کو خلاف قانون

قرار دیا گیا اور دار و گیر کا ہنگامہ برپا ہوا تو ڈاکٹر رمضان دعوتِ اخوان کی امانت سینے سے لگائے ملک سے باہر نکل گئے۔ آپ کی عدم موجودگی میں عوامی عدالت میں آپ کے خلاف مقدمہ چلا اور آپ کے خلاف قید بامشقت کی سزا سنائی گئی۔ مصری حکومت نے سب سے پہلے آپ کی شہریت غصب کی۔ ملک سے باہر رہ کر آپ نے حکومت کے مظالم پر مسلسل لکھا اور ناصری دور کے استبداد اور بدترین آمریت سے برابر پردہ اٹھاتے رہے نتیجہ کے طور پر حکومت نے متعدد بار آپ کو قتل کرانے کی سازش کی لیکن وہ ناکام رہی اور اللہ نے غیب سے آپ کی مدد کی۔

مصر سے نکلنے کے بعد ڈاکٹر سعید رمضان نے قدس، شام، لبنان اور اردن میں کچھ وقت گزارے۔ اردن کے دوران قیام میں آپ ۱۹۵۳ء میں مؤتمر العالم الاسلامی کے جنرل سکریٹری رہے۔ آپ نے سعودی عرب میں بھی قیام کیا اور اس دوران رابطۃ العالم الاسلامی کی تاسیس ہوئی تو اس میں پیش پیش رہے۔ پھر یورپ منتقل ہو گئے اور ۱۹۵۸ء میں جنیوا میں مستقل رہائش اختیار کر لی۔ وہاں دعوتِ اسلامی کے کار کو فروغ دینے کے لیے ۱۹۶۱ء میں اسلامی سنٹر قائم کیا یورپ میں مغربی مسلمانوں میں وحدت و اخوت قائم کرنے اور فکرِ اسلامی کو موثر اور بار آور بنانے میں اس مرکز نے نمایاں خدمات انجام دیں۔ ڈاکٹر سعید رمضان نے ۱۹۵۹ء میں کولون یونیورسٹی جرمنی سے قانون میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ مصری حکومت نے ۱۹۵۵ء میں شہریت سے محروم کیا تو اردن، سعودی عرب اور پاکستان کی حکومتوں نے آپ کو ویزے دیے۔ آپ نے عالم عرب، عالم اسلام اور یورپ کے بیشتر ملکوں کے دورے کیے اور وہاں اخوان کی فکر، طریق کار اور اصولوں کو عام کیا۔ وہ یورپ میں اخوان کے سب سے بڑے وکیل اور ترجمان سمجھے جاتے تھے۔ آپ کی چند کتابوں کے نام یہ ہیں:

1. Three Major Problems Confronting the World of Islam

(عالم اسلام کو درپیش تین اہل مسائل)

2. Islamic Law: Its Scope and Equity

پروفیسر محمد قطبؒ

استاذ محمد قطب الاخوان المسلمون کے مفکر و مصنف اور ترجمان سید قطب شہید کے چھوٹے بھائی ہیں۔ پیدائش مصر کے اسی خانوادہ میں ۲۶ اپریل ۱۹۱۹ء کو ہوئی۔ قاہرہ میں ابتدائی اور ثانوی تعلیم کی تکمیل کے بعد جامعہ قاہرہ میں داخلہ لے لیا جہاں انگریزی زبان اور جدید علوم کی تحصیل کی۔ یہاں سے ۱۹۴۰ء میں فارغ ہوئے۔ اس کے بعد ایجوکیشن میں ڈپلوما کیا اور ٹیچرز ٹریننگ کالج سے ایجوکیشن سائیکولوجی کے کورس مکمل کیے۔

استاذ محمد قطب کی زندگی پر ان کے بڑے بھائی سید قطب کے افکار و نظریات اور ان کی قربانیوں کا گہرا اثر پڑا۔ ابتدا ہی سے چھوٹے بھائی کی تعلیم، درسی وغیرہ درسی مطالعہ کی طرف سید قطب نے خصوصی توجہ صرف کی جس کا اعتراف محمد قطب نے کیا ہے:

”سید رحمہ اللہ کے افکار بالکل آغاز سے میرے ذہن پر حاوی رہے۔ میں نے جب ثانوی تعلیم مکمل کی تو وہ مجھے اپنی سوچ کے دائروں میں شریک کرنے لگے اور مختلف موضوعات پر مباحثہ کے مواقع فراہم کرنے لگے اسی لیے ہماری ارواح اور افکار سب باہم دگر گھل مل گئے پھر ایک ہی خاندان کے تعلق محبت و اخوت نے دو آتشہ کا کام کیا اور باہمی قربت اور ہم آہنگی بڑھتی گئی۔“

سید قطب سے قربت اور فکری ہم آہنگی کے باوجود آپ کا میدان کار ادب و تصنیف ہی رہا اور اخوان المسلمون سے باقاعدہ تعلق قائم کرنے میں کوئی دلچسپی نہ لی اور نہ اس طرف رجحان ہی گیا یہاں تک کہ ۱۹۶۵ء میں آپ کو محض اس وجہ سے گرفتار کر لیا گیا کہ آپ قطب خاندان کے چشم و چراغ ہیں اور اپنی تحریروں کی وجہ سے عوام میں مقبول اور ہر دل عزیز ہیں اور اپنے مکتبہ سے اسلام پسندوں کی کتابیں شائع کر رہے ہیں۔ جیل میں محمد قطب اپنے بھائی اور بہنوں کے ساتھ شدید اذیتوں کا نشانہ بنے اور یہیں سے اخوان سے اُن کی عقیدت و محبت اور شیفتگی میں بے پناہ

اضافہ ہو گیا۔ جیل میں آپ ۳۰ جولائی ۱۹۶۵ء سے ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۱ء تک رہے۔ اس دوران اُن کے بڑے بھائی پھانسی کے تختہ پر لٹکائے گئے۔ ایک بھانجا ایذا و تعذیب کے ذریعہ شہید کر دیا گیا۔ تین بہنیں گرفتار رہیں جن میں شہید بھانجے کی ماں بھی شامل تھیں۔ سب سے چھوٹی بہن کو دس سال قید کی سزا دی گئی مگر پورا خاندان اسلام کی راہ میں ثابت قدم رہا اور کسی قسم کی بے صبری اور ادنیٰ گھبراہٹ کا اظہار نہ کیا۔ محمد قطب کہتے ہیں:

”جمن حربی کی آزمائش نے میرے دل پر گہرا اثر کیا کیوں کہ یہ میری زندگی کا انوکھا تجربہ تھا۔ جیل کی بدترین سختی اور تشدد نے بعض پہلوؤں سے مجھے بالکل بدل کر رکھ دیا۔ میں پہلے ادب و شعر اور موہوم احساسات کی دنیا میں سانس لیتا تھا۔ میں حیرانی و درماندگی کا شکار رہتا تھا اور یہ صورت حال میرے نفس میں حقیقی بحران کی وجہ بن جایا کرتی تھی جس میں کئی سالوں تک میں غوطہ زن رہا مگر جیل میں داخل ہوتے وقت کے اولین لمحوں اور اندیشوں نے سارا منظر نامہ بدل کر رکھ دیا۔ اب مجھے احساس ہوا کہ میں واقعی موجود ہوں اور میرا وجود حقیقی ہے اور میرے نفس پر واہمہ نہیں بلکہ حقیقت کی چھاپ ہے یہ حقیقت تھی راہ حق میں مسافت طے کرنے اور دعوت دین کے لیے جدوجہد کرنے کی حقیقت، اور یہ کہ اس راہ کا مسافر ضائع اور برباد نہیں ہوتا بلکہ وہی کامیاب اور راہ یاب ہوتا ہے۔ ان لمحوں نے چوراہے پر مجھے لاکھڑا کیا۔ گم کردہ راہ کی حیرانی ختم ہو گئی اور میں شاہراہ پر گامزن ہو گیا۔“^{۱۲}

استاذ محمد قطب نے اسلام، دعوت اسلامی اور مسلمانان عالم کے موضوعات پر دو درجن سے

زائد کتابیں تصنیف کیں۔ ان میں سے چند اہم کتابوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ الإنسان بین المادیة والإسلام (انسان مادہ پرستی اور اسلام کے درمیان)

۲۔ منهج الفن الاسلامی (اسلامی فن کی منہاجیات)

۳۔ منهج التربية الإسلامية (اسلامی تربیت کی منہاجیات) (دو جلدیں)

- ۴۔ معركة التقاليد (تقليد کے خلاف معرکہ آرائی)
- ۵۔ فی النفس والمجتمع (نفسیات اور معاشرہ کا مطالعہ)
- ۶۔ التطور والثبات فی الحياة البشرية (انسانی زندگی میں جمود اور ارتقا)
- ۷۔ دراسات فی النفس الانسانية (انسانی نفسیات کا مطالعہ)
- ۸۔ هل نحن مسلمون؟ (کیا ہم مسلمان ہیں؟)
- ۹۔ قبسات من الرسول (رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات کی چند جھلکیاں)
- ۱۰۔ شبهات حول الإسلام (اسلام کے خلاف اعتراضات)
- ۱۱۔ جاهلية القرن العشرين (بیسویں صدی کی جاہلیت)
- ۱۲۔ دراسات قرآنية (قرآنی مطالعات) ^{۱۳}

نہیب الغزالیؒ (۱۹۱۷ء-۲۰۰۵ء)

اخوان المسلمون کی اہم ادیبہ و مصنفہ اور قید و بند کے مختلف مراحل سے ثابت قدمی کے ساتھ گزرنے والی داعیہ اسلام کی پیدائش ۲ جنوری ۱۹۱۷ء کو ہوئی۔ والد محترم جامعۃ الازہر کے فارغ التحصیل ایک خوشحال تاجر تھے۔ محترمہ نہیب نے ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل کی اور ثانوی تعلیم کے لیے سرکاری اسکول کا رخ کیا جہاں سے علم حدیث، تفسیر اور دعوت میں سرٹیفکیٹ حاصل کیے۔ والد نے داعی اور معلم کی زندگی بسر کرنے کی ہدایت کی اور جنگ اُحد میں شریک صحابیہ حضرت نسیمؒ بنت کعب المازنیہ کے اسوہ کو ہمیشہ سامنے رکھنے کی تلقین کی۔ نوجوانی میں ہدیٰ شعراویؒ کی تحریک نسواں میں شمولیت اختیار کی مگر جلد ہی یہ حقیقت سمجھ میں آگئی کہ یہ تحریک آزادی اور حقوق کے نام پر خواتین کو گمراہ کر رہی ہے اور یہ کہ اسلام نے عورتوں کو تمام حقوق فراہم کیے ہیں اس لیے کسی اور نظریہ اور نظام کو دستک دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں ۱۹۳۶ء میں آپ نے جماعة السیدات المسلمات کی بنیاد رکھی اور مسلم خواتین و طالبات کو

اسلام کے لیے جدوجہد کرنے پر ابھارا۔ حکومت نے اس تنظیم کی مقبولیت اور توسیع کو دیکھ کر ۱۹۶۴ء میں اس پر پابندی لگادی۔ اُس وقت اس کی ارکان کی تعداد تیس لاکھ تھی۔ مصر کے معروف مسجد جامع ابن طولون میں آپ نے اسلامی موضوعات پر مواعظ و خطبات کا ہفتہ وار سلسلہ شروع کیا تو ابتدا میں تین ہزار خواتین جمع ہوئیں اور پھر یہ تعداد بڑھ کر پانچ ہزار تک پہنچ گئی۔^{۱۵} جماعۃ السیدات المسلمات نے اسلامی خطبات و دروس اور لیکچرز کا انصرام کرنے کے ساتھ ایک جریدہ بھی شائع کیا، ایک یتیم خانہ بھی قائم کیا، غریبوں اور ناداروں کو مالی امداد فراہم کی اور خاندانی تنازعات کے تصفیہ میں بنیادی کردار ادا کیا۔ سیاسی محاذ پر خواتین کو ملک میں نفاذ قرآن و سنت کے مطالبہ کے لیے منظم کیا۔

اخوان المسلمون کے بانی رہنما شیخ حسن البنا نے محترمہ زینب الغزالی سے درخواست کی کہ مقصد کی وحدت اور فکر و نظر میں ہم آہنگی کے پیش نظر جماعۃ السیدات المسلمات اور اخوان کی خواتین شاخ الأخوات المسلمات میں انضمام عمل میں آجائے مگر اس تجویز کو مختلف اسباب کی وجہ سے عملی جامہ نہ پہنایا جاسکا۔ ۱۹۴۹ء میں شیخ البنا کی شہادت سے کچھ قبل باہمی مفاہمت کی یہ راہ نکلی کہ زینب الغزالی نے امام شہید کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اپنی تنظیم کے سلسلہ میں ہر قسم کے فیصلہ کا اختیار مرشد کے حوالہ کر دیا۔ مختلف مصالح کے پیش نظر مرشد عام نے جماعۃ السیدات المسلمات کو آزادانہ کام کرتے رہنے کا مشورہ دیا اور زینب الغزالی کو اپنی بیعت میں شامل کر لیا۔ ۱۹۵۰ء میں ناصر کے دور استبداد میں اس تنظیم نے الاخوات المسلمات کے شانہ بشانہ کام کیا اور جیلوں میں بند اخوانی کارکنوں کے اہل خاندان کی کفالت اور پرورش میں ہاتھ بٹایا۔ ۱۹۶۵ء میں محترمہ زینب الغزالی کو بھی گرفتار کر لیا گیا اور فوجی عدالت نے آپ کو ۲۵ سال قید با مشقت کی سزا سنائی۔ صدر انور السادات کے دور حکومت میں ۱۹۷۱ء میں آپ کو جیل سے رہائی نصیب ہوئی اور اس طرح سزا میں تخفیف ہو گئی مگر قید و بند کے ان ایام میں آپ کو بڑے روح فرسا اور لرزہ خیز مظالم کا نشانہ بنایا گیا۔ جس کی کچھ جھلک آپ کی خود نوشت اَیَّام مِّن

حیاتی‘ (میری زندگی کے چند روز) میں دیکھی جاسکتی ہے۔ یہ کتاب ۱۹۷۷ء میں قاہرہ اور بیروت سے شائع ہوئی۔ خود فاضل مصنفہ نے بیان کیا ہے کہ ایذا و تعذیب کے یہ جاں گداز مرحلے بیشتر مردوں کی قوت برداشت سے باہر تھے اور اگر تو فیق ربانی اور بصیرت خداوندی سے ہم آغوش نہ ہوتیں تو اس کڑی آزمائش میں ثابت قدم نہ رہ سکتی تھیں۔^{۱۸} دراصل جمال عبدالناصر نے انہیں اور عبدالفتاح اسماعیل کو خصوصی ہدف بنا رکھا تھا کیوں کہ ناصر یہ سمجھتا تھا کہ نوجوانوں کو بھڑکانے والے یہی لوگ ہیں۔ زینب الغزالی یہ سمجھتی ہیں کہ جب تک امریکہ اور روس کا زوال نہیں ہوتا اسلام قائم نہیں ہو سکتا۔ کلم انہوں نے اس پروپیگنڈہ پر بھرپور تنقید کی کہ ناصر کے قتل کی سازش میں اخوانیوں کا ہاتھ تھا۔ اُن کے خیال میں نااہل حکمرانوں کے قتل سے اُس معاشرہ کا مسئلہ حل نہیں ہو سکتا جو اسلامی تعلیم و تربیت کا سخت حاجت مند ہے۔ بنیادی مسئلہ اسلام کے اخلاقی نظام کی ترویج و تعفیذ کا ہے۔^{۱۸}

محرّمہ زینب الغزالی پابند سلاسل ہوئیں تو حکومت نے اُن کی تنظیم کو اسی نام کی ایک دوسری تنظیم میں ضم کر دیا۔ جیل سے رہا ہونے کے بعد آپ نے اخوان کے ترجمان الدّعوة میں اسلامی موضوعات پر پھر قلم اٹھایا۔ ستمبر ۱۹۸۱ء میں صدر رسادات نے اس پر پابندی لگادی تو ایک دوسرے رسالہ لواء الاسلام کے ذریعہ قلمی جہاد کا سلسلہ جاری رکھا۔ وہ اپنے آپ کو الاخوان المسلمات کی ماں سمجھتی تھیں اور دعوت اسلامی کے کاز کے لیے اپنے کو یکسو اور وقف کر رکھا تھا۔ اسلام، دعوت اسلامی، اسلامی حکومت کے قیام اور اس کے طریقہ کار کے بارے میں ان کا ذہن بالکل صاف اور یکسو تھا۔ وہ کتاب و سنت کی بنیاد پر اسلامی معاشرہ کی تعمیر سے پہلے کسی قسم کی انقلابی جدوجہد کو سعی لاحاصل تصور کرتی تھیں خواہ اس کے لیے طویل جدوجہد کرنی پڑے۔ کہتی ہیں:

”جی ہاں ہمیں کوئی عجلت نہیں ہے۔ سال دہائیاں اور صدیاں دعوتوں اور تحریکوں کی

عمر میں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔ قابل لحاظ بات یہ ہے کہ ہم راستہ پر ثابت قدم رہیں

اور اپنے طریق کار کی صحت اور نقطہ نظر کی درستگی پر ہمارا اعتقاد محکم ہو۔“ (ص ۹)

”ہمیں یقین ہے کہ ہم حق پر ہیں۔ ہمیں اطمینان ہے کہ ہم ایمان و اسلام کی تعمیر میں کچھ نئی اینٹیں لگا رہے ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ ہم تھرڈ لی کا شکار نہ ہوں، پست ہمت اور بدعہ نہ بنیں اور اپنے عقیدہ سے دست بردار نہ ہوں۔ عقیدہ تو حید کا عمل کا تمام انسانوں کے سامنے حق کو بیان کرنے کا عقیدہ۔ ایمان اس بات پر کہ قید و بند اور تعذیب کا یہ مرحلہ تاریخ کا تسلسل ہے۔ اس سبق کو راہِ حق کے ہر مسافر کو یاد رکھنا چاہیے تاکہ وہ جہاد کی راہ پر گامزن رہے اور داعیانِ دین کا معاملہ کلامی مباحث، لذت اندوزی کی گفتگو اور تاریخ کی داستان تک محدود نہ رہ جائے۔“ (ص ۱۰)

۱۹۶۵ء میں جماعۃ السیدات المسلمات کو خلاف قانون قرار دیا گیا تو ارکانِ خواتین نے جو احتجاجی قرارداد منظور کی اس سے بھی زینب الغزالی اور ان کی ہم خیال خواتین کی اسلامی جرأت و موقف کا اندازہ ہوتا ہے۔ قرارداد کے چند جملے یہ تھے:

”ہم مسلمان خواتین حکومت کے اس فیصلہ کو مسترد کرتی ہیں۔ صدر جمہوریہ جو حکومت کی سیکولرزم کا ڈھنڈورا پیٹتا ہے، ہم پر دھونس نہیں چلا سکتا نہ وزارتِ شئونِ اجتماعیہ ہم پر اپنا فیصلہ نافذ کر سکتی ہے۔ دعوتِ اسلامی کسی جائیداد یا بینک بیلنس کا نام نہیں ہے کہ اللہ و رسول اور امتِ مسلمہ کے دشمن اور ان کی حکومت اسے ضبط کر لے اور اس کا کام تمام کر دے۔

حکومت تمام رقوم اور جائیداد ضبط کر لے مگر ہمارا عقیدہ ہم سے نہیں چھین سکتی۔ ہمارا مشن دعوت اور داعیانِ کرام کا مشن ہے۔ ہم کلمہ توحید کی چھتری تلے کھڑے ہیں۔ خدا کی وحدانیت پر اعتقاد ہمیں مسلسل غیر منقطع جہاد کا پابند بناتا ہے تا آنکہ دین کا فہم و شعور کھنے والوں کے ذریعہ اسلام کی حکومت قائم ہو جائے۔“ (ص ۲۳-۲۴)

عالمِ اسلام کی یہ معروف معلمہ، مبلغہ اور دعوتِ اسلامی کی مجسم تصویر ۸۸ سال کی عمر میں ایک پر آشوب، ابتلا و آزمائش سے بھرپور، عظمت و عزیمت سے مالا مال اور ہر لحاظ سے سعید اور کامیاب

زندگی گزار کر ۸ اگست ۲۰۰۵ء کو خالق حقیقی سے جا ملیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔ ان کی زندگی قرونِ اولیٰ کی مسلمان خواتین کا نمونہ تھی۔

شیخ محمد الغزالیؒ (۱۹۱۷-۱۹۹۶ء)

مصر کے ایک ممتاز مذہبی عالم، داعی اور مفکر ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۷ء میں بحیرہ کے ایک گاؤں نکلا العنت میں پیدا ہوئے۔ بعد میں والد نے نقل مکانی کر کے اسکندریہ میں سکونت اختیار کر لی۔ والد تجارت کا پیشہ کرتے تھے۔ انہوں نے بیٹے کو ابتدائی میں حفظ قرآن پر لگا دیا۔ والد شیخ الاسلام امام ابو حامد الغزالیؒ کے معتقد اور مداح تھے۔ تصوف اور ارباب تصوف سے بے پناہ عقیدت و ارادت رکھتے تھے اپنے بیٹے کا نام محمد الغزالی دراصل ایک خواب کے نتیجے میں رکھا جس میں امام غزالیؒ نے انہیں کچھ اشارے کیے تھے۔ لیکن شیخ محمد الغزالی نے آگے چل کر علم و تحقیق میں جو مسلک اختیار کیا وہ امام غزالی صاحب تہافت الفلاسفہ اور علامہ ابن رشد صاحب تہافت التہافت کے نظریات و منہاجیات کا جامع مسلک تھا۔ اگر امام غزالی ایک فلسفی کا دماغ رکھتے تھے اور امام ابن تیمیہؒ نے ایک فقیہ کا تفقہ پایا تھا تو شیخ غزالی فلسفہ و فقہ کے دونوں میدانوں کے شاگرد اور شناور تھے۔^{۱۹}

محمد الغزالی نے ۱۹۴۱ء میں جامعۃ الازہر سے فراغت حاصل کی اور اپنے ملک اور دوسرے عرب ملکوں میں متعدد اہم مناصب پر فائز رہے۔ مصر میں مساجد کو نسل کے ڈائرکٹر، اسلامی دعوت کے ڈائرکٹر جنرل اور وزارت اوقاف میں انڈر سکرٹری کی حیثیت میں آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ جامعۃ الازہر، جامعۃ الملک عبدالعزیز ریاض اور جامعۃ ام القریٰ مکہ نیز قطر یونیورسٹی میں آپ نے مختلف مرحلوں میں تدریس کے فرائض انجام دیے۔ امیر عبدالقادر اسلامک یونیورسٹی الجزائر کے اکیڈمک ڈائرکٹر بھی آپ رہے۔

دسمبر ۱۹۵۳ء میں اخوان المسلمون کی ہیئت تاسیسی سے آپ کو معطل کر دیا گیا تھا کیوں کہ

دوسرے مرشد عام حسن اسماعیل اہمیشیؒ کے خلاف تحریک عدم اعتماد چلانے والوں میں آپ کو بھی ملوث پایا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ جمال عبدالناصر کی شہ پر یہ تحریک چلی تھی جس کا شکار شیخ محمد الغزالی بھی بن گئے بہر حال اخوان سے اخراج کے بعد بھی تادم حیات اسی فکر اور نظریہ کو سینے سے لگائے دین کی دعوت و اشاعت میں مصروف رہے۔

آپ کی زندگی پر جن اساتذہ و مصنفین کا گہرا اثر پڑا ان میں مندرجہ ذیل بڑے اہم ہیں:

- ۱۔ شیخ عبدالعظیم الزرقانی مصنف 'مناہل العرفان فی علوم القرآن'۔ یہ کلیہ اصول الدین جامعہ ازہر میں استاذ تھے۔
- ۲۔ معبد الاسکندریہ الدینی کے اساتذہ شیخ ابراہیم الغرباوی اور شیخ عبدالعزیز بلال، جو تقویٰ و طہارت کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے۔
- ۳۔ شیخ محمود شلتوت، جو بعد میں جامعہ الازہر کے شیخ مقرر ہوئے۔
- ۴۔ شیخ حسن البناؒ

آخر الذکر کا اثر سب سے زیادہ گہرا پڑا۔ شیخ محمد الغزالی خود لکھتے ہیں:

”امام شہید سے سب سے زیادہ متاثر ہوا۔ وہ عقیدہ و شریعت کے عام علماء سے زیادہ تفقہ رکھنے والے عالم دین تھے۔ وہ ایک قادر الکلام اور فصیح اللسان خطیب تھے۔ الفاظ ان کے منہ سے اُلتے تھے۔ وہ ہمیشہ اصولی گفتگو کرتے تھے فضول بحثوں سے اجتناب کرتے تھے۔ حقائق کو پیش نظر رکھتے تھے اوہام و تصورات کے پیچھے بھاگنے کے قائل نہ تھے۔ حسن البنا کو اُس خوفناک مرحلہ کا پورا ادراک تھا جس سے سقوط خلافت اور انہدام مملکت کے بعد اسلام گزر رہا تھا یہ وہ دور تھا جبکہ مشرقی و مغربی سامراج اسلامی حکومت کے ترکہ کو باہم تقسیم کر چکے تھے۔ اس مرد مومن نے خوفناک اور تہلکہ خیز طوفان کے آگے بند باندھ دیا۔“^{۲۰}

شیخ محمد الغزالی نے جس مکتبہ فکر کو رائج کیا اس کی بنیاد اسلامی تاریخ کے تمام فقہی مسالک اور

فکری رجحانات سے استفادہ پر قائم تھی وہ نفسیات، معاشرت، سیاسیات، اقتصادیات اور تاریخ کے جملہ علوم عمرانی و انسانی کے تجربات و افکار اور دریافت کردہ نظریات سے اخذ و استفادہ کو ناگزیر سمجھتے تھے اسی سے کتاب و سنت کے صحت مند تفقہ کی آمیزش سے اجتہادی راہ پر گامزن ہونا ممکن ہے۔ وہ کہتے تھے کہ:

”احکام شریعت کے تئیں صحت مند نقطہ نظر یا درست فیصلہ اسی وقت ممکن ہوگا جبکہ فہم و تفقہ کا افق کشادہ ہو اور قدیم و جدید علوم سے یکساں واقفیت کا عظیم الشان پس منظر موجود ہو۔ ہمارے اسلاف کا حال تو یہ تھا کہ انہیں فطرت کی سلامتی اور ذہانت و ذکاوت کا ایسا وافر حصہ عطا ہوا تھا کہ اس کی وجہ سے وہ فہم و فیصلہ کی قدرت کے پورے طور پر مالک تھے مگر آج اس دور میں ہم اُن کا معیار اُسی صورت میں باقی رکھ سکتے ہیں جبکہ کئی گنا زیادہ مطالعہ کریں جس طرح دُھندلی نظر کا آدمی خصوصی عینک کا استعمال کرتا ہے تاکہ وہ پڑھ سکے یا دور سے اُن چیزوں کو دیکھ سکے جنہیں وہ عریاں آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا۔“^{۱۷}

شیخ محمد الغزالی نے دعوت و جہاد کے میدان میں چالیس سال گزارے۔ مختلف مرحلوں اور نازک مقامات سے گزرنے کے بعد وہ اس نتیجہ تک پہنچے کہ آج دین کی دعوت و تبلیغ کا کام بڑی تنظیم، منصوبہ بندی اور حکمت کا متقاضی ہے۔ داعی دین کو کتاب و سنت، فقہ اسلامی اور تہذیب اسلامی سے بھرپور واقفیت رکھنے کے ساتھ انسانی تاریخ، علوم کائنات و حیات اور معاصر انسانی ثقافتوں، تہذیبوں، فلسفوں اور نظریات کا بھی شناور ہونا چاہیے۔ اس کے دل و دماغ کے درتپے ہمیشہ وار ہیں تاکہ ان میں تازہ ہوا داخل ہو سکے۔ وہ انانیت، غلت پسندی، اشتعال اور جذبات کا صیدزبوں نہ ہو۔ دشمنان دین کے طور طریقوں اور اسالیب و منہاجیات سے پوری طرح آگاہ ہو۔ شیخ کے نزدیک دعوت و تبلیغ کے میدان میں سب سے زیادہ ضرر رساں اور مہلک چیز فاسد دینداری ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”دعوت اسلامی کے میدان میں چالیس سال کام کرنے کے بعد مجھ پر یہ حقیقت واضح ہوئی کہ اسلامی کا ذکر سب سے زیادہ نقصان فاسد دینداری نے پہنچایا ہے یعنی نفس ایسی غیبی طاقت کی طرف مائل ہو جس سے غلط اغراض و مقاصد کی تکمیل ہو یا اوہام و خرافات کو پھیلنے پھولنے کا موقع ملا۔

مثال کے طور پر دین عقلی بیداری کا پیامبر ہے اور یہ لوگ عقل و ذہن کو خواب آور خوراک فراہم کرتے ہیں۔ دین قلب سلیم کا تقاضا کرتا ہے اور ان لوگوں کے دلوں پر بیمار ذہنیت کا تسلط ہے۔

اس فاسد دینداری کی نقاب کشائی کے لیے تفصیل درکار ہے تاکہ اُن تمام نفسی و عقلی آفات اور بیماریوں کا تذکرہ ہو سکے جو اس مصیبت کا سبب بنتی ہیں۔ امام ابو حامد الغزالی نے اپنی کتاب ’احیاء علوم الدین‘ میں ان آفات اور امراض سے تفصیلی تعرض کے لیے ایک ضخیم حصہ مخصوص کیا ہے اسی طرح امام ابن الجوزی نے اپنی تصنیف ’تلبیس إبلیس‘ میں اس فاسد دینداری کی مختلف صورتوں سے پردہ اٹھایا ہے اور عوام و خواص کو اس سے دور رہنے کی تلقین کی ہے۔“^{۲۲}

شیخ محمد الغزالی نے کم و بیش چالیس کتابیں تصنیف کیں۔ چند اہم کتابوں کے نام یہ ہیں:

- ۱۔ تأملات فی الدین والحیاء (دین اور زندگی کے چند مسائل پر غور و فکر)
- ۲۔ لیس من الإسلام (اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے)
- ۳۔ رکائز الإیمان بین العقل والقلب (عقل و قلب کے درمیان ایمانی ذخیرے)
- ۴۔ الدعوة الإسلامية تستقبل القرن الخامس عشر (دعوت اسلامی پندرہویں صدی کے استقبال میں)
- ۵۔ خلق المسلم
- ۶۔ عقيدة المسلم (مسلم کا اخلاق)

- ۷۔ مشکلات فی طریق الحیاة الاسلامیة (اسلامی زندگی کے مسائل)
- ۸۔ کیف نتعامل مع القرآن (ہم قرآن سے کیسا برتاؤ کریں؟)
- ۹۔ الإسلام المفترئ علیہ بین الشیوعیین والرأسمالیین (اسلام- کمیونسٹوں اور سرمایہ داروں کے اعتراضات کے گھیرے میں)
- ۱۰۔ الإسلام والاستبداد السیاسی (اسلام اور سیاسی استبداد)
- ۱۱۔ الإسلام والأوضاع الإقتصادية (اسلام کا اقتصادی نظام)
- ۱۲۔ الإسلام والطاقات المعطلة (اسلام اور معطل قوتیں)
- ۱۳۔ الإسلام والمناهج الاشتراکیة (اسلام اور اشتراکیت)
- ۱۴۔ التعصب والتسامح بین المسیحیة والإسلام (اسلام اور مسیحیت میں تعصب اور رواداری)
- ۱۵۔ جَدِّ ذِ حیاتک (اپنی زندگی کو تازہ رکھو)
- ۱۶۔ حقیقة القومية العربیة (عرب قومیت کی حقیقت)
- ۱۷۔ دفاع عن العقیدة والشریعة (مستشرقین کے جواب میں اسلامی عقائد کا دفاع)
- ۱۸۔ فقه السیرة (تفہیم سیرت پاک)
- ۱۹۔ فذائف الحق (حق پر اعتراضات)
- ۲۰۔ کیف نفهم الإسلام (اسلام کی تفہیم)
- ۲۱۔ مع الله- دراسات فی الدعوة والدعاة (داعی اور دعوت پر چند مطالعے)
- ۲۲۔ نظرات فی القرآن (قرآن پر غور و تدبر کے چند شذرات)
- ۲۳۔ فی موكب الدعوة (کاروان دعوت کے جلو میں)
- شیخ محمد الغزالی کی ایک اہم تصنیف 'مِنْ هُنَا نَعْلَمُ' (یہاں سے ہمیں علم حاصل ہوتا ہے) ہے جو دراصل خالد محمد خالد^{۲۳} کی تصنیف 'مِنْ هُنَا نَبْدَأُ' (ہم یہاں سے آغاز کرتے ہیں) کا

بھرپور جواب ہے۔ خالد نے اس کتاب میں تہذیبی و ثقافتی گمراہی کا راستہ دکھایا تھا اور اسلام کے نام پر غیر اسلامی فکر کی ترویج کی تھی۔ گرچہ شیخ خالد نے اس فکر سے رجوع کر لیا اور اپنی زندگی کے آخری ایام میں 'الدولة في الإسلام'، لکھ کر کفارہ ادا کر دیا مگر قتل کے بعد جفا سے توبہ کرنے کا نتیجہ پشیمانی کے سوا کچھ نہ نکلا۔ ایک پوری نسل اسلامی تہذیب کے تئیں گم کردہ راہ ہوئی اور مختلف شکوک و شبہات کے دلدل میں پھنس کر رہ گئی چنانچہ شیخ الغزالی نے اس کتاب کے مباحث کی مغالطہ آمیزی اور مصنف کی کج فکری کا سخت اور سنجیدہ نوٹس لیا اور علمی استدلال کے ذریعہ اس کتاب کے پیدا کردہ تمام اعتراضات و شکوک کے کانٹے ایک ایک کر کے نکال دیے۔ چنانچہ اس پہلو پر اسلامی تصور آج مسلمات میں شمار ہونے لگا ہے۔^{۲۴} کسی طرح فاضل مصنف کی ایک اور کتاب 'دستور الوحدة الثقافية بين المسلمين' بڑی اہم ہے۔ مصنف کی یہ بحث بڑی جاندار ہے کہ اگر مسلمانوں میں فکری وحدت موجود ہے تو گویا ہر مسئلہ کو حل کیا جاسکتا اور ہر بیماری دور کی جاسکتی ہے اور اگر یہ فکری وحدت ختم ہو جائے تو اس کی تلافی ممکن نہیں ہے، اور آج یہی صورت درپیش ہے۔ عالم اسلام تہذیبی پسماندگی اور ثقافتی در ماندگی میں مبتلا ہے۔ یہی وہ مرکزی فکر تھی جسے پوری شدت و قوت سے الجزائر ی مفکر مالک بن نبی^{۲۵} نے پیش کیا تھا۔^{۲۶}

مصطفیٰ السباعی (۱۹۱۵-۱۹۶۴ء)

شام کے مفکر، مصنف اور بانی تحریک اسلامی شیخ مصطفیٰ السباعی علماء کے خانوادہ میں شہر محض میں پیدا ہوئے۔ والدین نے دینی تربیت و تعلیم کے ساتھ سیاسی شعور اور سماجی ذمہ داریوں کا احساس بھی بیدار کیا یہی وجہ ہے کہ آگے چل کر موصوف نے فرانسیسی استعمار کے خلاف عملی جدوجہد میں بھرپور حصہ لیا۔ اٹھارہ سال کی عمر میں شیخ نے مصر کا سفر کیا اور یہ سفر ان کی زندگی کے لیے راہ عمل اور نقشہ کار متعین کرنے میں بڑا کارگر ثابت ہوا۔ جامعۃ الازہر میں داخلہ لے کر آپ نے مصر کی اسلامی و سیاسی جدوجہد میں بھرپور حصہ لیا۔ یہیں آپ شیخ حسن البنا سے بیعت ہوئے

اور اخوان المسلمون میں شمولیت اختیار کی۔ ۱۹۳۴ء میں برطانوی استعمار کے خلاف احتجاجی مظاہروں کو منظم کرنے کے جرم میں جیل میں ڈال دیے گئے۔ ۱۹۴۰ء میں انگریزوں نے دوبارہ گرفتار کر لیا اور تخریبی سرگرمیوں میں ملوث ہونے کے الزام میں آپ کو فلسطین کے سرفدکمپ میں منتقل کر دیا گیا۔ ۱۹۴۱ء میں رہائی ملی تو محض آکر انجمن شباب محمد کی بنیاد ڈالی۔ جلد ہی فرانسیسی استعمار نے مختلف سماجی اور سیاسی مصروفیات کی وجہ سے ڈھائی سال کے لیے جیل میں بند کر دیا۔ قید و بند کی یہ مدت ذہنی و جسمانی تعذیب و ایذا دہی کی وجہ سے شیخ کی صحت کے لیے بڑی مہلک ثابت ہوئی مگر ۱۹۴۳ء میں دیوار زنداں سے باہر آئے تو اگلے بیس برسوں میں وہ ایک مجاہد، مصنف، معلم اور قائد تحریک کی حیثیت میں شامی مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکن اور اعداء اسلام کے لیے برہنہ تلوار ثابت ہوئے۔

۱۹۴۶ء میں شیخ مصطفیٰ السباعی نے مختلف اسلامی جمعیتوں کو اتحاد و انضمام کی دعوت دی اور سب نے مل کر شام میں الاخوان المسلمون کی تشکیل کی۔ شیخ السباعی اس کے پہلے مراقب عام منتخب ہوئے۔ آپ نے تحریک کے استحکام کے لیے سخت مجاہدہ کیا۔ اسے سیاسی پارٹی کی حیثیت میں نہیں بلکہ ایک روحانی و اخلاقی اجتماعیت کی حیثیت میں ملک میں ہمہ گیر اسلامی اصلاح و تبدیلی کے لیے رائے عامہ کی ہمواری کے لیے منظم کیا۔ چونکہ دمشق یونیورسٹی میں آپ ایک معلم اور منظم کی حیثیت میں فائز تھے۔ اس لیے نئی نسل کی تربیت کے بہتر مواقع آپ کو میسر آئے۔

شیخ مصطفیٰ السباعی کی اہم تصنیف 'اشتراکیۃ الإسلام' نے کافی ہنگامہ کھڑا کیا۔ مصنف نے دعویٰ کیا کہ مغرب کے مادہ پرستانہ الحادی نظریہ کے علی الرغم اسلام کا تصور اشتراکیت بالکل مختلف اور متضاد ہے۔ اس تصور کی بنیاد انسانی فطرت پر ہے اور یہ زندگی، آزادی، علم، وقار اور ملکیت کے پانچ فطری حقوق پر استوار ہے۔ اللہ اس کائنات کا مالک و متصرف ہے۔ انسان محنت و دیانت کے ذریعہ املاک و جائیداد کے مناسب استعمال پر مامور ہے۔ بنیادی عوامی خدمات کی تعمین و تکافل اجتماعی اور مباہلت (باہم رضامندی) کی بنیاد پر اسلامی قوانین کی تنفیذ کر کے ریاست ایک طرح

سے تنظیم کی ذمہ داری نبھاتی ہے۔ شیخ السباعی کے ان نظریات پر بڑی تنقیدیں ہوئیں کیوں کہ یہ ایک طرح سے اسلام اور سوشلزم کا ملغوبہ تیار کیا گیا تھا۔^{۷۷}

خرابی صحت کی بنیاد پر ۱۹۵۷ء میں السباعی نے جناب عصام العطار کو اپنا جانشین مقرر کر دیا گرچہ روحانی طور پر اپنی وفات تک وہ قیادت کرتے رہے مذکورہ بالا تصنیف کے علاوہ کچھ دیگر کتابوں کے نام اس طرح ہیں:

- ۱۔ السیرۃ النبویۃ - دروس و عبر (سیرت نبوی - عبرت و نصیحت کا خزینہ)
 - ۲۔ من روائع حصارِتنا (ہماری تہذیب کے تابناک پہلو)
 - ۳۔ المرأة بین الفقه والقانون (عورت اسلامی فقہ اور جدید قوانین کے تناظر میں)
 - ۴۔ هكذا علّمتنی الحیاة (خودنوشت)
- آپ نے تین معروف ادبی اور علمی جرائد کی ترتیب و ادارت کے فرائض بھی انجام دیے:
- ۱۔ المنار ۲۔ المسلمون ۳۔ حضارة الإسلام

عبدالبدیع صقر (م ۱۹۸۶ء)

شیخ عبدالبدیع صقر ابو ابراہیم اخوان المسلمون کے سابقون الاولون میں سے تھے۔ ۱۹۳۶ء میں امام حسن البنا سے ملاقات ہوئی تو ان کی فکر اور شخصیت کے اسیر ہو کر رہ گئے۔ دفتر اخوان قاہرہ میں معاون کی حیثیت سے بھی ذمہ داری نبھائی۔ انہوں نے بانی تحریک سے اپنی پہلی ملاقات کا تذکرہ کیا ہے: ”۱۹۳۶ء میں میدان العتبہ قاہرہ میں واقع اخوان کے دفتر میں داخل ہوا تو امام البنا حاضرین سے مجھ گفتگو تھے۔ میں نے انہیں بولتے ہوئے سنا کہ ”دین کو دینا سے الگ کرنے میں سامراج کا میاب ہو چکا ہے۔ یہ تفریق اگر اُن کے مذہب میں درست ہو تو ہمارے مذہب کے مطابق بہر حال غلط ہے۔ آخر مذہبی شخص سیاست اور سیاست داں مذہب سے جدا کیسے رہ سکتا ہے؟ پھر سیاست کا مطلب کیا ہے؟ کیا سیاست کا مطلب یہ نہیں ہے کہ داخل و خارج

میں امت مسلمہ کی تعلیم و تربیت ہو؟ معیشت کے وسائل کی تقسیم ہو اور امن و عدل کا حصول ہو؟ اگر وزارت سیاست کی نمائندگی کرتی ہے تو کیا اللہ کے اس قول میں چھ وزارتیں شامل نہیں ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ
الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ الْبَغْيِ (النحل: ۹۰)

بس اسی وقت سے اخوان کی صفوں میں شامل ہو گئے۔ اس کی ہیئت تاسیسی کے رکن
رکین مقرر ہوئے اور امام البنا کی صحبت میں بارہ سال گزارے۔^{۲۸}

شیخ صقر نے ۱۹۴۰ء میں اپنی معروف کتاب 'کیف ندعو الناس؟' تصنیف کی اور دعوت
دین کے طریقہ کار پر کھل کر گفتگو کی۔ آپ نے انفرادی تزکیہ و تربیت پر زیادہ زور دیا اور اسے
'مفتاح التحویل' (کلید انقلاب) قرار دیا۔ آپ کے مطابق "بنیاد اور اساس نفس انسانی کی
تبدیلی ہے اسی سے معاشرہ کی تبدیلی کی تحریک مکمل ہوتی ہے اور پھر تاریخ کا دھارا بدل جاتا
ہے۔" ۲۹ دعوت اسلامی کے تمام وسائل اور منہاجیات پر گفتگو کرنے کے بعد آخر میں فرماتے ہیں
کہ "ان تمام اشیاء اور ناموں سے بھرپور واقفیت اور اس میدان میں کام کرنے کی توفیق درس و
مطالعہ اور تعلیم و تعلم سے حاصل ہوگی نہ ذہانت اور ہوشیاری سے یہ منزل طے کی جاسکے گی بلکہ اس
کے لیے مجاہدہ نفس و ریاضت اور کھلے چھپے ہر حال میں تقویٰ و خشیت درکار ہے۔" ۳۰

شیخ صقر کی ابتلا و آزمائش میں ثابت قدمی ضرب الشمل تھی۔ ۱۹۴۸ء میں مصر کے استبدادی
دور نے اخوانی رہنماؤں کو قید و بند سے دوچار کیا تو آپ الطور قید خانہ میں بند کیے گئے وہاں
دوسرے ساتھیوں کی ہمت افزائی اور دل جوئی ہی نہیں بلکہ ان کی خدمت بھی کرتے تھے۔ رابطہ
عالم اسلامی کے سابق سکریٹری جنرل عبداللہ العقیل نے بیان کیا ہے کہ وہ جیل میں دوسرے
اخوانی قیدیوں کے بال بھی بناتے تھے اور بڑی عمر کے لوگوں اور مریضوں کے پاخانہ پیشاب تک
صاف کرتے تھے۔

۱۹۵۴ء میں مصر میں ہنگامہ دار و گیر برپا ہوا تو شیخ صقر خلیجی ممالک کی طرف نکل کھڑے

ہوئے۔ قطر اور متحدہ عرب امارت میں ایک طویل عرصہ قیام کیا۔ قطر میں وہ مدیر معارف مقرر ہوئے پھر دارالکتب القطریہ کے ڈائریکٹر کے عہدہ پر فائز ہوئے اس کے بعد حاکم قطر کے ثقافتی مشیر کی حیثیت میں کام کیا۔ انہوں نے علی بن عبداللہ آل ثانی اور ان کے بیٹے احمد بن علی آل ثانی دونوں حاکمان قطر کو اسلام کی کلاسیکی اہمات کتب کی طباعت و اشاعت پر آمادہ کیا۔ خلیجی ممالک میں قیام کے دوران ان کی دعوتی زندگی اور خدمت اسلام کا جذبہ بڑا نمایاں رہا۔ طبیعت کی سادگی، مزاج کی درویشی اور اخلاق کی پاکیزگی میں سرمو انحراف نہ آیا۔ دوہی کے استاذ حیدر رفقہ نے ایک واقعہ بیان کیا ہے جس سے شیخ صقر کے اُجلے کردار پر روشنی پڑتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جن دنوں وہ حاکم قطر کے مہمان تھے میں نے انہیں ایک شب اپنے گھر قیام کرنے کی دعوت دی۔ وہ ازراہ کرم غریب خانہ پر تشریف لائے۔ رات کو کھانے سے فارغ ہو کر استراحت فرمایا۔ صبح کو میں نے دروازے پر دستک دی تو انہیں بیدار پایا۔ فجر سے پہلے تہجد سے فارغ ہو کر وہ تلاوت قرآن میں مشغول تھے۔ فجر کے بعد ہم نے ناشتہ کیا۔ وہ غسل خانہ میں ہاتھ دھونے اور وضو کی تجدید کرنے کی غرض سے داخل ہوئے۔ تھوڑی دیر بعد کیا دیکھتا ہوں کہ وہ حوض کی صفائی کر رہے ہیں۔ میرے لاکھ منع کرنے کے باوجود انہوں نے غسل خانہ کی صفائی کی۔ اصرار کیا تو بولے: بات دراصل یہ ہے کہ میری عادت ہے کہ غسل کرنے کے بعد حوض کی صفائی کر دیا کرتا ہوں تاکہ وہ ہمیشہ صاف ستھرا رہے۔^{۱۳}

شیخ صقر نے ایک بار دوستوں اور عقیدت مندوں کی مجلس میں ایک دلچسپ واقعہ سنایا۔ مصری اعلیٰ جنس کا ایک شخص اخوان کا گرویدہ ہو گیا اور اس نے خفیہ بیعت کر لی۔ اُس نے مصری جاسوسی ادارے کی ایک بڑی الجھن بیان کی۔ وہ کہتا ہے کہ ہم لوگ اخوان کی مخبری اور جاسوسی کے لیے افراد متعین کیا کرتے تھے مگر ہمیں اپنے آدمیوں پر پورا بھروسہ نہ ہوتا تھا۔ ہم اندیشہ ناک رہتے تھے کہ مبادا وہ اخوان سے مل جائے اور یہ اندیشہ سچ ثابت ہو جاتا تھا چنانچہ ایک گرگ باراں دیدہ کو ڈھونڈھ نکالا گیا وہ بڑا ذہین اور مکار شخص تھا۔ ہم لوگوں نے سوچا کہ یہ تیر نشانہ پر لگے گا۔ یہ

اخوان پر ضرب کاری لگائے گا اور ان کی کمر توڑ کر رکھ دے گا۔ ابھی اس کی تقرری کو ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ ایک دن اُس نے دفتر میں آکر ہاتھ جوڑ دیے:

”سرکار! کیونسٹوں میں میری ڈیوٹی لگا دو۔ یہودیوں کے درمیان مجھے بھیج دو۔ میں کافروں کے درمیان بھی جانے کو تیار ہوں۔ مگر ان..... کے بچوں کے پاس میں نہیں جاؤں گا۔“ مجھے بڑا تعجب ہوا۔ میرے استفسار پر وہ کہنے لگا: ”یہ ہر رات قیام کرتے ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں۔ ان کا شیخ انہیں قرآن پڑھاتا ہے۔ ایک رکعت میں ایک گھنٹہ لگ جاتا ہے۔ بڑے جفاکش اور سخت جان ہیں۔ مجھے معاف کرو۔“^{۳۲}

۱۲ ربیع الاول ۱۴۰۷ھ / ۱۳ دسمبر ۱۹۸۶ء کو شیخ صقر مصر کے ایک شہر الزقازیق کے قریب بلیس میں لیکچر دینے کے لیے روانہ ہوئے وہاں سے فراغت کے بعد اپنی گاڑی میں سوار ہو کر الزقازیق کی جانب بڑھے راستہ میں گاڑی حادثہ کا شکار ہو گئی اور جوار رحمت الہی میں چلے گئے۔ آپ نے متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ چند مطبوعہ تصانیف کے نام یہ ہیں:

- ۱۔ کیف ندعو الناس (ہم دعوت کا کام کیسے کریں؟)
- ۲۔ الأخلاق للبنات (لڑکیوں کا اخلاق)
- ۳۔ التجوید وعلوم القرآن
- ۴۔ رحلة الحج
- ۵۔ الوصايا الخالدة (ابدی نصیحتیں)
- ۶۔ شاعرات العرب
- ۷۔ مختارات الحسن والصحيح من الحديث الشريف (صحیح اور حسن احادیث کا انتخاب)
- ۸۔ رسالة الإيمان
- ۹۔ نقد البردہ

- ۱۰۔ نساء فاضلات (عالم و فاضل خواتین)
- ۱۱۔ التربية الأساسية للفرد المسلم (مسلمان کی بنیادی تربیت)
- ۱۲۔ حدیث "الی" دعاة الإسلام (داعیان اسلام سے گفتگو)
- ۱۲۔ الأدعية الماثورة (مسنون دعائیں)

شیخ عبدالفتاح ابو غدہ^{۱۱} (۱۹۱۷ء-۱۹۹۷ء)

شیخ عبدالفتاح بن محمد بشیر بن حسن ابو غدہ شمالی شام کے شہر حلب الشہباء میں ایک دیندار تاجر گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اسی شہر میں المدرستہ العربیۃ الاسلامیۃ میں حاصل کی اس کے بعد المدرستہ الخسرویۃ العثمانیۃ (جواب المدرستہ الثانویۃ الشرعیۃ کے نام سے مشہور ہے) میں داخلہ لیا اور ۱۹۴۲ء میں وہاں سے فراغت حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے کلیۃ الشریعة جامعۃ الازہر میں داخل ہوئے اور ۱۹۴۴-۱۹۴۸ء میں وہاں سے فارغ التحصیل ہوئے۔ پھر اسی یونیورسٹی سے ۱۹۵۰ء میں کلیۃ اللغة العربیۃ سے اصول تدریس میں تخصص کا کورس مکمل کیا۔ حلب میں جن اساتذہ سے کسب فیض کیا ان میں شیخ راغب الطباخ، شیخ احمد الزرقا، شیخ عیسیٰ البانونی، شیخ محمد الحکم، شیخ اسد علی، شیخ احمد الکردی، شیخ نجیب سراج الدین اور شیخ مصطفیٰ الزرقا جیسے علماء کبار شامل ہیں۔ جامعۃ الازہر میں جن شیوخ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا ان میں شیخ محمد الخضر حسین، شیخ عبد المجید دراز، شیخ عبد الحلیم محمود، شیخ محمود ہلتوت اور شیخ عبد اللہ الصدیق الغماری نمایاں ہیں۔ مصر میں قیام کے دوران جن علماء اور مفکرین سے ملاقاتیں ہوئیں ان میں خلافت عثمانیہ کے سابق شیخ الاسلام مصطفیٰ صبری اور شیخ محمد زاہد الکوثری نیز امام شہید حسن البنا بڑی قد آور شخصیات ہیں۔ آخر الذکر سے قربت، محبت اور عقیدت اتنی بڑھی کہ پوری زندگی اخوان المسلمون کو نذر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

مصر کے علاوہ شیخ ابو غدہ نے ہندوستان، پاکستان، سوڈان، المغرب اور عراق وغیرہ

اسلامی ملکوں کے تعلیمی اور دعوتی دورے کیے اور وہاں کے علماء، مفکرین اور دینی و فکری رہنماؤں سے اخذ و استفادہ کیا۔ ان میں مفتی محمد شفیع، مفتی عتیق الرحمن عثمانی، شیخ الحدیث محمد ذکریا کاندھلوی، شیخ الحدیث محمد ادریس کاندھلوی، شیخ محمد یوسف بنوری، شیخ محمد لطیف، شیخ ابوالوفاء افغانی، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا ابوالحسن علی ندوی قابل ذکر ہیں۔

مصر میں تعلیم کی تکمیل کے بعد آپ شام واپس آئے اور ۱۹۵۱ء میں وزارت تعلیم کے تحت تربیت اسلامی مضمون کے مدرسین کے مقابلہ جاتی امتحان میں کامیاب ہوئے چنانچہ حلب کے میٹرک اسکولوں میں گیارہ سالوں تک مدرس رہے۔ اس دوران اسلامی تربیت کے موضوع پر درسی کتب کی تیاری میں بھی حصہ لیا۔ اس مدت میں ائمہ اور خطیبوں کو فارغ التحصیل کرنے والے سرکاری ادارہ المدرسة الشعبانیہ میں بھی آپ نے تدریس کے فرائض انجام دیے۔ اس کے بعد کلیۃ الشریعہ دمشق میں ڈیپوٹیشن پر اصول فقہ، فقہ حنفی اور تقابلی فقہ پر تین سال تک لیکچر دیے اور معجم فقہ المحلّی لابن حزم ظاہری، پروجیکٹ کو بعض احباب اور محققین کے تعاون سے مکمل کیا جسے دمشق یونیورسٹی نے دو ضخیم جلدوں میں شائع کیا۔

شیخ ابو غدہ ۱۹۶۲ء میں شامی پارلیمنٹ کے رکن حلب سے منتخب ہوئے۔ مخالفین کی ریشہ دوانیوں اور ہزار الزام تراشیوں کے باوجود بڑی اکثریت سے آپ نے انتخاب میں کامیابی حاصل کی۔ پارلیمنٹ میں اسلام پسندوں کا دباؤ بنائے رکھا۔ آخر کار ۱۹۶۶ء میں متعدد علماء و مفکرین کے ساتھ شامی حکومت نے آپ کو بھی گرفتار کر لیا۔ تدمر الصحر اوی جیل میں آپ نے گیارہ ماہ بسر کیے۔ ۵ جون ۱۹۶۷ء کے حادثہ کے بعد ظالم حکومت تمام سیاسی قیدیوں کو رہا کرنے پر مجبور ہوئی تو آپ بھی زنداں سے باہر نکلے۔ چند ماہ حلب میں اپنے شاگردوں کے درمیان رہے جب شام کی زمین تنگ ہو گئی تو اسی سال سعودی عرب کا سفر کیا اور جامعۃ امام محمد بن سعود الاسلامیۃ ریاض میں مدرس ہو گئے۔ اس یونیورسٹی کے نصاب و نظام تعلیم کی تشکیل میں آپ نے بھرپور دلچسپی لی چنانچہ وہاں آپ کو بڑی پذیرائی ملی۔ آپ اس کی مجلس علمی کے رکن منتخب ہوئے۔

شیخ ابو غدہ نے شام کی اخوان المسلمون کو منظم و مستحکم کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ کئی بار اس کے مرکزی مناصب پر فائز ہوئے۔ وہ المراقب العام بھی منتخب ہوئے مگر اپنی علمی و دعوتی مصروفیات کی وجہ سے جیسے ہی مناسب قائد میسر آیا تحریک کی قیادت اس کے حوالہ کر دی۔ ۱۹۸۶ء میں جبکہ شامی اخوان کی داخلی صفوں میں انتشار برپا تھا۔ آپ دوبارہ المراقب العام منتخب کیے گئے۔ آپ نے پانچ سال تک یہ ذمہ داری نبھائی تا آنکہ ۱۹۹۱ء میں ڈاکٹر حسن ہویدی کو یہ امانت سونپی اور وہ اگلے مراقب عام منتخب ہوئے۔ ۱۹۹۵ء میں شیخ ابو غدہ کو احساس ہوا کہ وہ شامی حکومت اور اخوان المسلمون کے درمیان تصفیہ کر سکتے ہیں اور طرفین کی غلط فہمیوں کا پردہ چاک کر کے تحریک اسلامی کو ابتلا و آزمائش کے دور سے نکال سکتے ہیں چنانچہ وہ شام واپس آئے مگر انہیں شدید مایوسی کا سامنا کرنا پڑا اور چند مہینوں کے قیام کے بعد وہ پھر ریاض چلے گئے جہاں ۹/شوال ۱۴۱۷ھ/۱۶ فروری ۱۹۹۷ء کو آپ کا انتقال ہو گیا۔

دعوتی و تبلیغی میدان میں شیخ ابو غدہ کی شخصیت بڑی ممتاز تھی۔ شام میں جب تک مقیم رہے فعال اور متحرک داعی کی حیثیت میں عالم اسلام اور مسلمانان شام کے مسائل میں سرگرمی سے حصہ لیتے رہے۔ شہر حلب کی جامع الحموی پھر جامع الثانویۃ الشرعیۃ میں پابندی سے خطبہ جمعہ دینے کے علاوہ تین ہفت روزہ دروس کا اہتمام بھی کرتے تھے۔ ایک نشست ہر نماز جمعہ کے بعد منعقد کرتے تھے اس میں عوام و خواص سب کے سوالات کے جوابات دیتے تھے۔ دینی و سماجی تمام مسائل پر گفتگو ہوتی تھی۔ دوسری نشست ہر منگل کو ہوتی تھی جس میں شیخ کے بحر علم کا اظہار ہوتا تھا یہ مجلس فقہی نوعیت کی ہوتی تھی اس میں تمام مسائل فقہیہ زیر بحث آتے تھے۔ ہر جمعرات کو تیسری مجلس ہوتی تھی جس میں تربیت و تزکیہ کے موضوعات پر تبادلہ خیال ہوتا تھا۔ ڈاکٹر جاسم مہاہل الیاسین نے دو چشم دید واقعات بیان کیے ہیں جن سے شیخ کی دعوتی زندگی کے خدوخال نمایاں ہوتے ہیں۔ ایک منظر وہ تھا جبکہ انہوں نے شیخ کو مغموں اور سخت رنجیدہ پایا۔ وجہ دریافت کی تو فرمایا:

”میرے آنسو کیسے تھمیں، میں رنجیدگی پر کیسے قابو پاؤں جبکہ میری سینکڑوں بہنیں جیل میں ہیں؟ ہم اُن کی عزت و ناموس کے بارے میں کیسے بے فکر اور مطمئن ہو سکتے ہیں جبکہ ہم کو مسجد کے دروازے پر جوتے چھوڑنے میں بھی تردد ہوتا ہے؟“

دوسرا منظر وہ تھا جبکہ تحریک اسلامی کے جیالوں نے ایک اہم اقدام کا فیصلہ کیا مگر قائدین کو اس اقدام کی خطرناکی اور ہلاکت خیز نتائج کا اندازہ ہوا تو شیخ نے اس اقدام سے دست بردار ہونے کا مشورہ دیا۔ ذمہ داران نے کہا: معاملہ بہت نازک ہے۔ نو جوانوں کو کون سمجھائے گا۔ اُن کے لیے زیادہ آسان موت کو گلے لگانا ہوگا۔ شیخ کا موقف تھا کہ نو جوانوں کی جان زیادہ قیمتی ہے۔ مسلمان کی زندگی اللہ کے نزدیک اُس کے گھر سے زیادہ محترم ہے۔ ہم اسے ضائع نہیں ہونے دیں گے۔ مگر مسئلہ یہ تھا کہ بچی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے۔ شیخ اسلامی موقف پر پوری طرح ثابت قدم اور اس کی صحت کے سلسلہ میں کامل اذعان رکھتے تھے وہ نو جوانوں کے درمیان آئے۔ انہیں خطاب کیا۔ خود روئے دوسروں کو اٹکبار کیا اور اس طرح ہزاروں زندگیوں کو تباہی سے بچایا۔^{۳۴}

شیخ ابو غدہ علم و تحقیق کی دنیا کے بادشاہ تھے۔ آپ کی تصانیف کی تعداد بہت ہے۔ چند مشہور کتابیں یہ ہیں:

- ۱۔ صفحات من صبر العلماء علی شذائد العلم والتحصيل (تحصیل علم کی راہ میں آزمائشوں پر علماء کی ثابت قدمی سے متعلق چند صفحات)
- ۲۔ العلماء العزباء الذین أثر واللعلم علی الزواج (شادی پر علم کو ترجیح دینے والے علماء)
- ۳۔ قيمة الزمن عند العلماء (علماء کے نزدیک وقت کی قدر و قیمت)
- ۴۔ الرسول المعلم وأساليبه في التعليم (معلم انسانیت اور ان کے تعلیمی طریقے)
- ۵۔ لمحات من تاريخ السُّنة و علوم الحديث (سنت اور علوم حدیث کی تاریخ کی چند جھلکیاں)

- ۶۔ أمراء المؤمنين فى الحديث
- ۷۔ السنّة النبویة و بیان مدلولها الشرعى
- ۸۔ من أدب الاسلام
- ۹۔ نماذج من رسائل أئمة السلف وأدبهم العلمی (اسلاف کے ادبی رسائل کے چند نمونے)
- ۱۰۔ کلمات فى كشف الأباطیل و افتراءات (چند الزامات اور اعتراضات کے جوابات)
- ۱۱۔ مسألة خلق القرآن وأثرها فى صفوف الرواة والمحدثین و كتب الجرح والتعديل
- شیخ ابو غده نے اسلامی علوم و فنون کی ۳۳ ضخیم امہات کتب تحقیق و تخریج کے بعد شائع کی ہیں۔ یہ کتابیں تحقیق کی اعلیٰ شاہ کار سمجھی جاتی ہیں۔ چند تحقیق شدہ کتابوں کے نام اس طرح ہیں:
- ۱۔ المنار المنیف فى الصحيح والضعیف، امام ابن قیم الجوزیہ
- ۲۔ المصنوع فى معرفة الحديث الموضوع، امام علی قاری
- ۳۔ قواعد فى علوم الحديث، ظفر اللہ تھانوی
- ۴۔ قاعدة فى الجرح والتعديل، تاج الدین السبکی
- ۵۔ المتکلمون فى الرجال، الحافظ السخاوی
- ۶۔ ذکر من یعتمد قوله فى الجرح والتعديل، الحافظ الذہبی
- ۷۔ الموقظة فى علم مصطلح الحديث، الحافظ الذہبی
- ۸۔ قفر الأثر فى صفو علم الأثر، ابن الحسن بنی
- ۹۔ لغة الأریب فى مصطلح آثار الحبيب، الحافظ الزبیدی
- ۱۰۔ جواب الحافظ المنذرى عن أسئلة فى الجرح والتعديل

۱۱۔ التبیان لبعض المباحث المتعلقة بالقرآن، العلامة الجزائری

۱۲۔ الحلال والحرام وبعض قواعدهما فی المعاملات المالية، ابن تیمیہ

۱۳۔ رسالة المسترشدين، الإمام الحارث المحاسبي

۱۴۔ رسالة الألفة بين المسلمين، امام ابن تیمیہ ومعها رسالة فی الإمامة، للإمام ابن

حزم الظاهري، وغيره۔ ۳۵

شیخ محمد محمود الصوّافؒ (۱۹۱۵-۱۹۹۲ء)

شیخ محمد محمود الصوّافؒ اوائل شوال ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۵ء میں شمالی عراق کے شہر الموصل میں پیدا ہوئے۔ آغاز عمر ہی سے طلب علم کے بڑے دلدادہ اور حریص تھے جن شیوخ سے آپ نے بچپن میں استفادہ کیا ان میں شیخ عبداللہ النعمہ سرفہرست ہیں آپ کے ہاتھ سے ۱۹۳۶ء میں شیخ الصوّافؒ نے اجازہ حاصل کیا۔ استاذ نے جب جمعیۃ الشبان المسلمین کی بنیاد رکھی تو شیخ الصوّافؒ اس کے سب سے کم سن رکن تھے۔ علوم شریعت کی تحصیل کے لیے جامعۃ الازہر کا رخ کیا اور چھ سالہ نصاب کی تکمیل تین سال ہی میں کر لی۔ چار سال کی جگہ دو سالوں میں عالمیت کا نصاب اور دو سالوں کے بجائے ایک سال میں تخصص کا کورس مکمل کر لیا۔ طالب علم کی ذہنی استعداد اور محنت و قابلیت کو دیکھ کر شیخ الازہر مصطفیٰ المرغانی (۱۸۸۱-۱۹۴۵ء) ۳۶ نے فرمایا: ”بیٹے، تم نے تو معجزہ کر دکھایا۔ الازہر میں وہ کارنامہ انجام دیا جو یہاں کے لیے بالکل نیا ہے۔“ ۳۷

ازہر میں تعلیم کے دوران آپ کی ملاقات امام حسن البنا شہید سے ہوئی اور ۱۹۴۶ء میں جب آپ بغداد واپس آئے تو اخوان المسلمون میں شامل ہو چکے تھے۔ بغداد آ کر کلیۃ الشریعہ میں استاذ مقرر ہو گئے مگر جلد ہی طلبہ میں مقبولیت کی وجہ سے حاسدین کی سازشوں کا شکار ہوئے اور آپ کو اس ملازمت سے معطل کر دیا گیا اور وزارت المعارف میں انسپکٹر کے عہدہ پر آپ منتقل کر دیے گئے۔ ۱۹۴۷ء میں تقسیم فلسطین کی قرارداد منظور ہوئی تو شیخ الصوّافؒ نے عراقی عالم شیخ

امجدالزہاویؒ کی نگرانی میں 'جمعیۃ إنقاذ فلسطین' قائم کی اور عراق کے طول و عرض میں دورے کر کے عامۃ الناس کو یہودیوں کے خلاف جہاد کرنے کے لیے آمادہ کیا۔ وہ ملک کے مختلف علاقوں سے مجاہدین کے دستے فلسطین بھیجنے لگے اور عوام کے تعاون سے اسلحہ کی خریداری کے لیے بڑی رقم جمع کیں۔ بغداد میں فلسطینی کاز کی حمایت میں متعدد جلسوں اور جلوسوں کی قیادت کی۔ جرأت و شہامت اور بے خونی آپ کا طرہ امتیاز تھی۔ عراقی حکومت نے اصرار کیا کہ دونوں ملکوں کے درمیان وحدت کا پیغام لے کر وہ شام کا سفر کریں اور حکومت کی نمائندگی کرتے ہوئے اتحاد کے امکانات کا جائزہ لیں۔ شیخ نے حکومت کی نیت بدتاڑ کر اس پیش کش کو مسترد کر دیا اور نتیجہ کے طور پر عتاب کا نشانہ بنے اور ملازمت سے برطرف کر دیے گئے مگر قلندرانہ جاہ و جلال سے دست بردار نہ ہوئے۔ انہوں نے استعمار کا مقابلہ کرنے اور دعوت دین کے کاز کو منظم کرنے کے لیے جمعیۃ الأخوة الاسلامیۃ کی بنیاد رکھی۔

شام میں جب کمیونسٹ برسر اقتدار آئے اور انہوں نے بدترین ملوکیت کا مظاہرہ کیا تو شیخ الصوّاف ان کے مظالم کا خصوصی ہدف بنے۔ کمیونسٹ جمعیۃ إنقاذ فلسطین کے دفتر پر حملہ آور ہوئے۔ وہاں کا سارا ساز و سامان لوٹ لیا اور عمارت میں آگ لگا دی۔ انہوں نے بغداد کی مسجد ابوحنیفہ کو بھی معاف نہ کیا۔ شیخ یہاں درس دیا کرتے تھے۔ کمیونسٹوں نے مسجد کے اندر آگ لگا دی اور اس کا الزام شیخ الصوّاف کے سر تھوپ کر انہیں گرفتار کر لیا۔ حکومت کے کارندے روزانہ شام کو شیخ کو پکڑ لے جاتے تھے اور نماز فجر کے وقت انہیں واپس کرتے تھے تو اُن کے پاؤں ورم زدہ اور جسم پر ضرب کے نشانات ہوتے تھے۔ پولیس دھمکیاں دیتی تھی ”ہم تمہارے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو ناصر نے اخوانیوں کے ساتھ کیا ہے“۔ وہ ڈراتی تھی کہ حکومت جلد ہی تمہیں قتل کر دے گی۔ آپ کے خلاف فوجی عدالت میں مقدمہ چلا اور آپ جیل میں ڈال دیے گئے۔ بغداد کے قریب بعقوبہ جیل میں آپ کو رکھا گیا تا آنکہ عبدالکریم قاسم نے آپ کو رہا کیا۔ اس کے بعد شیخ نے عراق کو خیر باد کہنے کا فیصلہ کیا۔ چھپتے چھپاتے دمشق پہنچے اور وہاں سے سعودی عرب

چلے گئے جہاں کلیۃ الشریعہ مکہ میں آپ نے مدرس کا فریضہ انجام دینا شروع کیا۔
 شاہ فیصل شہید (۱۹۰۶-۱۹۷۵ء) ^{۳۸} نے اپنے دور حکومت میں شیخ الصوّاف کو اپنا مخصوص
 نمائندہ بنا کر مختلف عرب اور مسلم حکومتوں کے پاس اپنا پیغام لے کر بھیجا۔ شیخ نے ایک کتاب لکھی
 ہے 'رحلاتی إلى الديار الإسلامية' (مسلم ممالک میں میرے اسفار)۔ اس میں شیخ نے
 افریقہ و ایشیا کے مسلمان ملکوں کی سیاحت اور وہاں کے سربراہوں سے اپنی ملاقاتوں کا حال لکھا
 ہے۔ شاہ فیصل سے شیخ کو بڑی عقیدت و محبت تھی وہ انہیں 'شہید القدس' کہتے تھے۔ ایک مجلس میں
 شیخ نے یہ چشم دید حقیقت بیان کی کہ جون ۱۹۶۷ء میں یہودیوں کے ہاتھوں بیت المقدس کی بے
 حرمتی کا المیہ پیش آیا تو شاہ فیصل نے تین دنوں تک غم و الم کے مارے کھانے کو ہاتھ نہ لگایا۔ شیخ کہا
 کرتے تھے کہ شاہ فیصل نے آزادی فلسطین کے حصول کے لیے لشکرِ جہاد تیار کرنے کا عزم کر لیا تھا
 اور اسی وجہ سے وہ شہید کر دیے گئے۔

شیخ الصوّاف آخری سالوں میں استنبول میں مقیم ہو گئے تھے۔ وہاں ارباب ثروت سے مالی
 تعاون وصول کر کے حفظ قرآن کے مختلف مدارس اور مراکز کی مدد کیا کرتے تھے استنبول کے ہوائی
 اڈہ پر ۱۲ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ مطابق ۹ اکتوبر ۱۹۹۲ء کو آپ کا انتقال ہوا تو ترکی حکومت نے مقبرہ
 الفاتح استنبول میں آپ کی تدفین کی تجویز رکھی لیکن آپ کی وصیت کے مطابق مکہ مکرمہ میں آپ
 کی تدفین عمل میں آئی۔ زندگی کے اخیر ایام میں اسلام پسندوں کے درمیان مفاہمت و مصالحت
 کی کوشش آپ کی اولین ترجیح رہتی تھی۔ استنبول ہوائی اڈہ سے وفات سے چند لمحات پہلے اپنے
 بیٹے ڈاکٹر مجاہد کو ٹیلی فون پر خبر دی کہ "میں استنبول ہوائی اڈہ سے بول رہا ہوں۔ بس اب جہاز
 پر سوار ہونے والا ہوں۔ انشاء اللہ چند گھنٹوں میں تم لوگوں کے پاس ہوں گا۔ وہاں سے کابل
 کے سفر کا انتظام کر لیا گیا ہے۔" بیٹے نے جواباً کہا کہ کابل کا سفر خطرناک ہے کیوں کہ مجاہدین
 کے درمیان آپس میں جنگ ہو رہی ہے۔ شیخ نے فوراً کہا کہ "اسی لیے تو میں وہاں فوراً پہنچنا
 چاہتا ہوں۔" شیخ نے مختلف علمی و دینی موضوعات پر متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ چند کتابوں

کے نام یہ ہیں:

- ۱۔ المسلمون وعلم الفلك (علم فلکیات اور مسلمان)
- ۲۔ المخططات الإستعمارية لمكافحة الإسلام والمُسلمين (اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جنگ لڑنے کے لیے سامراجی منصوبے)
- ۳۔ القيامة رأى العين
- ۴۔ تعليم الصلوة
- ۵۔ الصيام
- ۶۔ زَوَاجَاتُ النَّبِيِّ الطَّاهِرَاتِ
- ۷۔ رِحَلَاتِي إِلَى الدِّيَارِ الْإِسْلَامِيَّةِ^{۳۹}

ڈاکٹر نجیب الکیلانیؒ (۱۹۳۱-۱۹۹۵ء)

ڈاکٹر نجیب الکیلانیؒ ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء میں ایک مصری گاؤں شرشابہ میں ایک کسان خاندان میں پیدا ہوئے۔ ۱۳۶۹ھ/۱۹۴۹ء میں طنطا سے ثانویہ کا سرٹیفکیٹ حاصل کیا پھر میڈیکل کالج قاہرہ یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ ابھی آخری سال کے طالب علم تھے کہ ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء میں اخوان المسلمون سے تعلق رکھنے کے جرم میں گرفتار کر لیے گئے۔ مقدمہ چلا اور دس سال قید کی سزا ہوئی۔ وہ بجن حربی، بجن اسیوط، بجن القناطر، بجن مصر العموی، بجن القاہرہ، ابوزعبیل اور طرہ کے قید خانوں میں بدترین سزائیں برداشت کرتے رہے آخر کار صحت کی تشویش ناک صورت حال کی وجہ سے ۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ء میں رہائی نصیب ہو گئی۔ تعلیم کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا اور ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء میں طب کی ڈگری حاصل کی۔ طبابت کے پیشے کے ساتھ ناول، ڈرامے اور قصے بھی برابر لکھتے رہے مگر یہ ساری تخلیقات تعمیری، بامقصد اور ظلم کی اندھی بہری قوتوں کے خلاف صدائے رستاخیز ہوتی تھیں۔ ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء میں جمال عبدالناصر نے ماسکو سے اعلان کیا کہ اُن تمام افراد کو دوبارہ

گرفتار کر لیا جائے جو اس سے پہلے پابند سلاسل رہ چکے ہیں۔ ڈاکٹر کیلانی پھر ایک بار پس دیوار زنداں ڈھکیل دیے گئے اور جولائی ۱۹۶۷ء کی شکست کے بعد ہی وہ آزاد ہو سکے۔ دار و گیر کے ان صبر آزماء مراحل نے آپ کی تحریروں میں سوز و گداز بھی پیدا کیا اور جہادی لکار بھی۔ وہ زندگی بھر ظلم و جبر کے خلاف تیغ بردار رہے اور عدل و اخوت، مساوات و حریت اور حقوق انسانی کے احترام کے وکیل اور نمائندے رہے۔

ڈاکٹر نجیب الکیلانی نے ستر سے زائد کتابیں لکھیں۔ موضوعات کے تنوع، جذبہ کی حرارت اور سادہ و عام فہم ادب کی وجہ سے معاصر اسلام پسند ادیبوں میں ان کا نام بڑا ممتاز ہے۔ انہوں نے ناول، قصہ، شعر، تنقید، فکر اسلامی اور طب کے تمام پہلوؤں پر قلم اٹھایا ہے اور با مقصد اور تعمیری ادب کے ذخیرہ کو مالا مال کیا ہے۔ وہ زندگی بھر اس نقطہ نظر کی حمایت و وکالت کرتے رہے کہ دین اور ادب و فن میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ جن لوگوں نے تصادم اور تفریق پیدا کی ہے وہ مذہب اور اسلام کے دشمنوں کے آلہ کار بن کر ان کے مخصوص مفادات کی تکمیل کر رہے ہیں یا پھر وہ کم فہمی اور لاعلمی کا شکار ہیں اور اسلامی شریعت کے مزاج اور اس کی روح سے نا آشنا ہیں۔ اسلام ترقی یافتہ ادب اور فن کا مخالف کیسے ہو سکتا ہے وہ تو اس کی ہمت افزائی کرتا اور ایسے ادب کی تخلیق پر زور دیتا ہے۔ مسلمان روح اور جسم دونوں کا مرکب ہے اور دونوں کے تقاضوں کی تکمیل اسلامی اخلاق و آداب کے دائرہ میں رہ کر کرتا ہے۔ کویت کے جریدہ القدس کو ۱۹ جنوری ۱۹۸۱ء کو انٹرویو دیتے ہوئے ڈاکٹر نجیب الکیلانی نے بیان کیا کہ:

”میں نے اپنی زندگی کا آغاز ایک شاعر کی حیثیت سے کیا۔ میں بس شعر کہتا تھا اور وہ بھی زیادہ تر سیاسی اور جذباتی اشعار ہوا کرتے تھے۔ پھر میں نے ناولوں کی طرف توجہ دی۔ اور وزارت تربیت اور تعلیم کے ایک بڑے مقابلہ میں اپنا ناول ”الطریق الطویل“ (لمبار است) لے کر شریک ہوا۔ یہ دراصل دوسری جنگ عظیم اور مصری معاشرہ بطور خاص گاؤں پر اس کے اثرات پر مشتمل تھا۔ ناول نگاری کی یہ میری پہلی

کوشش تھی۔ میں نے انعام حاصل کیا حالانکہ اس وقت میں جیل میں تھا۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ شرکاء کے نام اصلی نہ تھے اور کوڈ نمبر کی وجہ سے انہیں پہنچانا آسان نہ تھا۔ نتائج کے اعلان کے بعد ہی لوگوں کو معلوم ہو سکا کہ انعام یافتہ ایک قیدی ہے۔ میں نے عرب اسلامی معاشرہ کے مسائل پر متعدد چھوٹے چھوٹے قسطے لکھے جیسے 'ارض الأنبياء' (سرزمین انبیاء)، 'عمر يظهر في القدس' (بیت المقدس میں حضرت عمرؓ کا ظہور)، 'لیالی ترکستان' (ترکستان کی راتیں)، 'عمالقة الشمال' (شمال کے عمالقہ)، 'عذرأء جا کرتا' (جا کرتا کی دوشیزہ)، 'اليوم الموعود' (صلیبی جنگوں پر ناول)، 'قائل حمزة' (اسلامی دور پر ناول) وغیرہ۔

ان ناولوں میں سے 'عذرأء جا کرتا' دراصل اس کشمکش اور تصادم کی کہانی ہے جو انڈونیشیا میں اسلام اور کمیونزم کے درمیان مدتوں جاری رہی اور ڈھائی لاکھ سے زیادہ مسلمان جس کی بھینٹ چڑھ گئے۔ اس ناول کا ترجمہ انڈونیشی زبان میں بھی ہوا۔ عمالقة الشمال میں ناہنجیریا کے مسلمانوں کی مشکلات اور مسائل کو ناول کے رنگ میں بیان کیا گیا ہے جبکہ 'لیالی ترکستان' میں ترکستانی مسلمانوں پر سایہ فگن ظلم و جبر کی سیاہ راتوں کو ناول کی شکل دی گئی ہے۔ 'الظّل الأسود' میں مصنف نے حبشہ کے مسلمانوں پر ہوئے مظالم کی نقاب کشائی کی ہے اس میں ڈاکٹر کیلانی نے اری ٹیریا کے انقلاب سے تاریخی دستاویزات حاصل کیے ہیں۔ تاریخی ناولوں میں 'امرأة عبد المتجلى'، 'مملكة العنب' اور 'اقوال ابو الفتوح الشرقاوى' بہت اہم سمجھے جاتے ہیں۔

شعر و شاعری کے میدان میں مصنف نے تقریباً دس دیوان شائع کیے جیسے عصر الشهداء، أغاني الغرباء، أغنيات الليل الطويل، مدينة الكبائر، نحو العلاء، مهاجر اور كيف ألقاك؟

تنقید کے میدان میں مصنف کی درج ذیل مطبوعات بڑی اہم ہیں: الإسلامية والمذاهب الأدبية، إقبال الشاعر الشاعر، مدخل إلى الأدب الإسلامي، رحلتی مع الأدب

الإسلامی، آفاق الأدب الإسلامی۔ ڈرامہ نگاری کے میدان میں مصنف نے قدم رکھا تو بڑے مقبول اور اہم ڈرامے لکھے جیسے 'علیٰ اسوار دمشق'، 'حول المسرح الإسلامی'، 'نحو مسرح إسلامی' (یہ دونوں کتابیں اسلامی ڈرامہ نگاری کے اصول و مبادیات سے متعلق ہیں) اور 'علیٰ ابواب خیبر' وغیرہ۔ فکری مسائل پر بھی مصنف کی تخلیقات بڑی وقیع اور قابل قدر ہیں جیسے 'تحت رأیة الإسلام' (اسلام کے پرچم تلے)، 'الطریقۃ الی اتحاد الإسلامی' (اسلامی اتحاد کی راہ)، 'أعداء الإسلامیة' (اسلامیت کے دشمن) اور 'حول الدین والدولة' (دین اور مملکت کے مسائل) وغیرہ۔

ڈاکٹر نجیب الکلانی نے ۲۴ سال کی جلاوطنی و غربت کی زندگی گزارنے کے بعد وطن واپسی کا منصوبہ بنایا۔ زندگی کے آخری ایام بڑے صبر و شکر کے ساتھ وطن ہی میں گزارے آخر کار ۵/شوال ۱۴۱۵ھ/۶ مارچ ۱۹۹۵ء کو زندگی و موت کے درمیان ایک طویل کشمکش کے بعد موت کو فتح حاصل ہوگئی اور مصر ہی میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ اخوان المسلمون اور اس کے بانی کی پرکشش شخصیت اور اس کے ہمہ گیر اثرات کا تذکرہ موصوف نے اپنی خودنوشت 'لمحات من حیاتی' (میری زندگی کے چند لمحے) میں تفصیل سے کیا ہے اس سے موصوف کی اخوان سے جذباتی وابستگی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

”بلاشبہ مصر ماضی و حال میں دنیا میں اسلام کی ضیاء پاشی کا مرکز رہا ہے۔ اس کے اسلام پسند علماء اور مفکرین کی تصنیفات وہ قیمتی توشہ ہیں جس سے روئے زمین میں پھیلے ہوئے فرزندان امت مسلمہ خوراک حاصل کرتے ہیں۔ بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں جنم لینے والی اس کی سب سے بڑی اسلامی تحریک، جس کی کرنیں امام شہید حسن البنا نے چار داگ عالم میں پھیلائیں، دعوت اسلامی کے میدان میں کام کرنے والوں کے لیے مینارۃ نور ہے۔ یہ تحریک اپنے تمام واقعات، اپنی میراث، اپنے مردان کار اور اپنے دائمی معرکوں کے ساتھ ایک اہم تاریخی تجربہ ہے

جو حرکت و عمل کی دعوت دیتا اور مسلسل آمادہ پیکار رہنے پر ابھارتا ہے۔ اس تحریک نے ہر ملک کے مورخین اور محققین کی توجہ مبذول کر لی ہے۔ یہاں تک کہ روس، امریکہ اور مشرقی و مغربی یورپ میں بھی اس پر مطالعہ اور تحقیق کے مراکز قائم ہو چکے ہیں۔“^{۱۲}

اخوان نے فکر و ادب کے میدان میں لازوال نقوش چھوڑے ہیں۔ ادیبوں اور قلم کاروں کی ایک بڑی کھیپ فراہم کی ہے جو پوری دنیا میں احیائے اسلام کی شمع روشن کیے ہوئے ہیں یہاں تو مشتے نمونہ از خروارے ادیبوں اور قلم کاروں کا مختصر ترین خاکہ پیش کیا گیا ہے ورنہ یہ حکایت لذیذ بھی ہے اور طویل ترین بھی۔

حواشی و تعلیقات

- ۱۔ سید قطب شہید کی تحریر کی، ادبی اور علمی زندگی کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ کیجیے۔ ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی اور محمد صلاح الدین عمری، فولاد ہے مومن۔ سید قطب شہید کی حیات و خدمات کا تجزیہ، ہندوستان پبلی کیشنز، دہلی، ۱۹۹۳ء، صفحات ۴۰۰
- ۲۔ خلیل احمد حامدی، اخوان المسلمون تاریخ دعوت، خدمات، ص ۸۰-۸۱
- ۳۔ نفس مصدر، ص ۸۷
- ۴۔ مصطفیٰ محمد الطحان، وسط ایشیا میں اسلام کا مستقبل، اردو ترجمہ ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی، ہلال پبلی کیشنز، علی گڑھ، ۱۹۹۶ء، ٹائٹل کا آخری صفحہ
5. Taha Jabir al-Alwani, *Ijtihad, International Institute of Islamic Thought, Herndon, USA, 1993, p 32*
6. Taha Jabir al-Alwani & Imad al-Din Khalil, *The Quran and the Sunnah: The Time-Space Factor, International Institute of Islamic Thought, Herndon, USA, 1991, pp. 57-58*
- ۷۔ عماد الدین خلیل، مدخلٌ إلىِ اسلامیة المعرفة مع مخطط مقترح لاسلامیة علم التاريخ، المعهد العالمی للمفکر الاسلامی، ہیرنڈن، امریکہ، ۱۹۹۱ء، ٹائٹل صفحہ ۲
7. Abdul Hamid A. Abu Sulayman, *The Islamic Theory of International Relations, IIIT, Herndon, 1987, Title Cover, p. 2*
- ۹۔ ہفت روزہ المجتمع کویت، شمارہ ۱۱۵۲، ۸/ محرم ۱۴۱۶ھ/ ۶/ جون ۱۹۹۵ء، ص ۲۲
- ۱۰۔ ہفت روزہ المجتمع کویت، شمارہ ۱۱۶۲، ۱۸/ ربیع الاول، ۱۴۱۶ھ/ ۱۵/ اگست ۱۹۹۵ء، ص ۴۱

- ۱۱۔ محمد المجذوب، علماء و مفكرون عرفتهم، الجزء الثاني، دارالاعتصام قاہرہ، ۱۹۸۶ء، ص ۲۷۸
- ۱۲۔ نفس مصدر، ص ۲۸۰
- ۱۳۔ تفصیل کے لیے دیکھیے محمد اشرف علی کاپی- ایچ- ڈی مقالہ محمد قطب- مساهمۃ فی النثر العربی الحديث، غیر مطبوعہ، زیر نگرانی ڈاکٹر محمد صلاح الدین عمری، شعبہ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ۱۹۹۵ء
- ۱۴۔ ہدیٰ شعراوی (۱۸۷۹-۱۹۴۷) مصری تحریک نسواں کی ایک اہم رہنما، بالائے مصر کے علاقہ المنیا میں پیدا ہوئیں۔ پورا نام نور الہدیٰ سلطان تھا مگر ہدیٰ شعراوی کے نام سے معروف ہوئیں۔ ابتدائی تعلیم و تربیت قاہرہ ہی میں ہوئی۔ حفظ قرآن کے ساتھ فرانسیسی زبان میں بھی مہارت حاصل کر لی۔ تیرہ سال کی عمر میں چچا زاد علی شعراوی سے شادی کی۔ ایک سال کے بعد ہی سات سال کے لیے شوہر سے علیحدگی ہو گئی اس دوران ایک خواتین سیلون میں کام کیا جہاں سے وہ تحریک نسواں سے متعارف ہوئیں۔ ۱۹۰۰ء میں شوہر کے ساتھ دوبارہ رہنے لگیں چنانچہ دو بچوں ایک بیٹی ثبوتہ اور بیٹے محمد کی ماں بنیں۔ ۱۹۰۹ء میں قاہرہ یونیورسٹی اور الحریۃ کے دفاتر میں پہلی بار خواتین کے لیے خواتین کے ذریعہ لیکچرز کا اہتمام کیا۔ ۱۹۱۴ء میں خواتین کے اندر مغربی بیداری پیدا کرنے کے لیے الإتحاد النسائي التهديبي کی بنیاد رکھی اور اسی مقصد کے لیے ایک دوسری انجمن جمعية الرقي الأدبية للسيدات المصرية (مصری خواتین انجمن برائے ادبی ترقی) کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔ ان تنظیموں کا مقصد ادب و ثقافت کے خوشنما نعوں کے ذریعہ مصری خواتین کو اسلام کے خلاف بغاوت پر آمادہ کرنا تھا۔ میاں اور بیوی نے مل کر فتنہ کو خوب ہوا دی۔ ۱۹۱۹ء میں خواتین کی ایک احتجاجی ریلی منظم کرنے کے بعد وفد پارٹی کی خواتین شاخ کی مرکزی صدر (لجنة الوفد المركزية للسيدات) مقرر کر دی گئیں اس کے بعد انہوں نے قومی جنگ آزادی میں خواتین کی پُر تشدد شرکت کے لیے راہ ہموار کی اور انگریزوں کے تجارتی سامانوں کی خرید و استعمال کے خلاف منظم تحریک چلائی۔ ۱۹۲۳ء میں آزادی کے حصول کے بعد شعراوی

نے الاتحاد النسائي المصري کی تاسیس کی اور اس کی صدر مقرر ہو کر مصر میں پہلی تحریک نسواں کی بھرپور قیادت کی۔ اسی سال روم کی ایک بین الاقوامی خواتین کانفرنس میں شرکت کے بعد وطن واپس آئیں تو ایک سیاسی مظاہرہ میں شرکت کرتے ہوئے عوام کے سامنے پہلی بار چہرے کا حجاب نوچ کر پھینک دیا اور پھر بے حجابی ان کا شعار بن گئی۔ ۱۹۲۳ء میں انہوں نے خواتین کے مفت علاج کے لیے دارالتعاون الاصلاحی، کاسنگ بنیاد رکھا۔ ۱۹۲۵ء میں فرانسیسی زبان میں ایک ماہوار رسالہ *L'Egyptienne* جاری کیا۔ ۱۹۳۷ء میں عربی زبان میں ماہنامہ 'المصرية' کا بھی آغاز ہو گیا۔ ان دونوں رسالوں نے تحریک نسواں کے افکار و نظریات کی خوب اشاعت کی اور اسلام کے روایتی تصورات پر حملے کیے۔ ۱۹۳۸ء میں ہدیٰ شعراوی کو خواتین کانفرنس برائے دفاع فلسطین کی میزبانی کا شرف بھی حاصل ہوا۔ ۱۹۴۳ء میں قاہرہ میں *Arab Feminist Conference* کا اہتمام و انصرام بھی آپ ہی نے کیا۔ ۱۹۴۵ء میں الاتحاد النسائي العربي کی تشکیل ہوئی تو اس کی اولین صدر آپ ہی منتخب ہوئیں۔ ۱۹۴۷ء میں وفات سے کچھ قبل ہی حکومت مصر نے آپ کو اعلیٰ ترین امتیاز سے نوازا۔

15. *The Oxford Encyclopedia of the Modern Islamic World, Vol. II, p. 64 (Oxford University Press, 1995)*

۱۶۔ زینب الغزالی، آیام من حیاتی، بیروت دار القرآن اکریم للعتایة بطبعہ و نشر علومہ، ص ۱۷۰-۱۷۱

۱۷۔ نفس مصدر، ص ۱۵۱ ۱۸۔ نفس مصدر، ص ۱۸۴

۱۹۔ قطب عبد الحمید قطب، خطب الشیخ محمد الغزالی فی شئون الدین والحیة، دار الاعتصام، قاہرہ، ۱۹۸۷ء، الجزء الاول، ص ۱۳

۲۰۔ نفس مصدر، ص ۱۴

۲۱۔ نفس مصدر، ص ۱۵ ۲۲۔ نفس مصدر، ص ۱۷

۲۳۔ خالد محمد خالد مصر کے معروف و متنازع مصنف اور مقالہ نگار ۱۹۲۰ء میں صوبہ شرقیہ میں پیدا ہوئے۔
 کلیۃ الشریعہ جامعہ الازہر سے ۱۹۴۷ء میں گریجویشن کیا اور اس کے بعد وہیں سے فن تدریس میں سرٹیفکٹ کا کورس بھی مکمل کیا۔ عربی زبان کے ایک استاذ کی حیثیت سے انہوں نے ملازمت شروع کی۔ اس کے بعد وزارت تعلیم کے ادارۃ الثقافة میں اور وزارت ثقافت کی ہیئۃ الکتاب کے ساتھ بھی مدتوں منسلک رہے۔ بعد میں شعبہ إشراف علیٰ إدارة تحقیق التراث کے سپروائزر بھی مقرر ہوئے۔ تیس سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں۔ مختلف علمی، ادبی اور سیاسی موضوعات پر قلم اٹھایا اور الشرق الأوسط لندن، المسلمون، المصور، الازہر اور الوفد جیسے اخبارات و جرائد میں آپ کے افکار شائع ہوتے رہے۔ آپ کی پہلی تصنیف 'مِنْ هُنَا نَبْدَأُ' ۱۹۵۰ء میں شائع ہوئی تو علماء ازہر کے سخت احتجاج کی وجہ سے حکومت نے اسے ضبط کر لیا پھر قاہرہ ڈسٹرکٹ کورٹ کے حکم سے یہ ضابطی منسوخ ہوئی۔ اس کتاب میں دین اور ریاست کی تفریق کی وکالت کی گئی تھی اور ۱۹۶۰ء میں علی عبدالرازق کی طبع شدہ کتاب الإسلام و اصول الحکم کے افکار کی حمایت کی گئی تھی۔ مصنف نے معتدل جمہوری سوشلزم، موثر برتھ کنٹرول اور حقوق نسواں کا مطالبہ کیا تھا۔ ان افکار کا اظہار مصنف نے اپنی دوسری کتب جیسے 'مُواطنون لازعایا' (۱۹۵۱ء) اور 'معاً علی الطريق' - محمد و المسیح' (۱۹۵۸ء) میں بھی کیا۔ اسی طرح اپنی ایک اور تصنیف 'الدیمقراطیۃ ابدأ' (۱۹۵۳ء) میں بھی یہی نظریہ پیش کیا۔ ۱۹۸۱ء میں اپنی نئی کتاب 'الدولة فی الإسلام' میں مصنف نے اپنے سیکولر نظریہ سے توبہ کیا اور اسلام کے مذہبی و شہری مشن کی تنفیذ کے لیے حکومت کی ضرورت محسوس کی۔ اسلامی حکومت میں آزادی کے تصور پر انہوں نے زور دیا اور شورائى نظام کو پارلیمانی جمہوریت کے مشابہ قرار دیا۔

۲۴۔ عمر عبید حسنہ، تقدیم، مشکلات فی طریق الحیاة الإسلامية ل محمد الغزالی، کتاب الأئمة، قطر،

۱۴۰۲ھ، ص ۱۲

۲۵۔ مالک بن نبی (۱۹۰۳-۱۹۷۳ء) الجزائر کے بہت بڑے اسلامی مفکر تھے۔ آپ کی پیدائش کے

وقت ملک پر فرانسیسیوں کا تسلط تھا۔ انہوں نے ملک کی تہذیب، تمدن اور شخص کو مخ کرنے کے لیے عسکری، سیاسی، علمی محاذوں پر جنگ چھیڑ رکھی تھی۔ اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے شیخ عبدالحمید بن بادیس نے ۱۹۱۳ء میں جمعیۃ العلماء المسلمین کی بنیاد ڈال دی تھی۔ ۱۹۳۰ء میں مالک بن نبی نے الیکٹرکل انجینئرنگ کی تحصیل کے لیے پیرس کا سفر کیا تو وہ ایک مستغرب طالب علم تھے۔ مغرب کا مطالعہ انہوں نے ایک مسلمان کی حیثیت سے کیا۔ وہاں مسلمانوں کی تمام تحریکوں سے انہیں آشنائی ہوئی، امیر شکیب ارسلان اور گاندھی سے ملاقات کی۔ ۱۹۵۲ء میں انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۶۳ء میں الجزائر واپس آئے تو ہائر ایجوکیشن کے ڈائریکٹر مقرر ہوئے مگر تحریک و تفکیر سے دست کش نہ ہوئے۔ کچھ سالوں تک قاہرہ میں بھی مقیم رہے۔ آخری سالوں میں فرانسیسی کے علاوہ عربی میں بھی براہ راست لکھنے لگے تھے۔ وفات وطن ہی میں ہوئی۔ ۱۹۳۶ء میں پہلی فرانسیسی تصنیف الظاہرۃ القرآنیۃ منظر عام پر آئی جس کا عربی ترجمہ بھی شائع ہوا۔ ۱۹۴۷ء میں عربی میں ناول 'لیک' شائع کیا۔ ۱۹۴۸ء میں فرانسیسی میں *The Conditions of Renaissance*، ۱۹۵۴ء میں فرانسیسی میں اور ۱۹۸۸ء میں انگریزی میں *Islam in History & Society* شائع ہوئی۔ دو جلدوں میں 'مذکرات شاہد القرن' دلچسپ خودنوشت ہے۔ دوسری کتب یہ ہیں: *In the Whirl Wind World of the Battle* (1961); *The Afro-Asiatism* (1956); *The Ideological Struggle in the Colonized Countries* (Arabic, 1957); *The New Social Edification* (Arabic, 1958), *The Idea of Islamic Common Wealth* (Arabic, 1958)

۲۶۔ عمر عبید حسنہ، حوالہ بالا، ص ۱۳

27. *The Oxford Encyclopedia of the Modern Islamic World*, Vol. IV, pp. 71-72.

- ۲۸۔ مجلہ الدعوة، قاہرہ ۱۹۷۷ء
- ۲۹۔ عبدالبدر صقر، کیف ندعو الناس، المکتب الاسلامی، بیروت، طبع ششم، ۱۹۷۷ء، ص ۱۰
- ۳۰۔ نفس مصدر، ص ۱۶۵
- ۳۱۔ ہفت روزہ المجتمع، شمارہ ۱۲۵-۱۲۶، ۳ ربیع الاول، ۱۴۱۸ھ/۸ جولائی ۱۹۹۷ء، ص ۵۰
- ۳۲۔ نفس مصدر، ص ۵۱
- ۳۳۔ المجتمع کویت، شمارہ ۱۲۳۹-۱۸ شوال ۱۴۱۷ھ/۲۵ فروری ۱۹۹۷ء (الشیخ عبدالفتاح ابو غزہ) ص ۳۴-۳۵
- ۳۴۔ نفس مصدر، ص ۳۶ (النجم الذی أفل)
- ۳۵۔ نفس مصدر، ص ۳۷
- ۳۶۔ محمد بن مصطفیٰ بن محمد بن عبدالمعتم (معروف محمد مصطفیٰ المراغی) (۱۲۹۸-۱۳۶۴ھ/۱۸۸۱-۱۹۴۵ء) مصر کے مشہور مصنف اور داعی اصلاح و تجدید بالائے مصر کے علاقہ جرجا کے ایک گاؤں المرائع میں پیدا ہوئے۔ قاہرہ میں تعلیم حاصل کی۔ مفتی محمد عبدہ کی شاگردی اختیار کی۔ مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ شرعی قضا کی ذمہ داری نبھائی۔ ۱۹۰۸-۱۹۱۹ء میں سوڈان کے قاضی القضاۃ رہے اسی دوران انگریزی زبان سیکھی۔ ۱۹۲۸ء میں الازہر کے شیخ مقرر ہوئے مگر ایک سال تک ہی اس عہدہ پر کام کر سکے۔ ۱۹۳۵ء میں دوبارہ اسی عہدہ پر مامور ہوئے اور پھر تاحیات اس منصب پر کام کرتے رہے۔ اسکندریہ میں وفات ہوئی۔ قاہرہ میں جسد خاکی کی تدفین ہوئی۔
- شیخ المراغی نے مختلف کتابیں تصنیف کیں۔ چند کتب کے نام یہ ہیں: ۱۔ بحث فی ترجمۃ القرآن الکریم إلى اللغات الأجنبية (یہ رسالہ قرآن کریم کے دوسری زبانوں میں ترجمہ کے دلائل پر مشتمل ہے)۔ ۲۔ تفسیر سورة الحجرات ۳۔ تفسیر سورة الحديد وآیات من سورة الفرقان ۴۔ تفسیر سورتی لقمان والعصر ۵۔ الدروس الدینیة (مختلف رسائل کا مجموعہ) ۶۔ بحوث فی التشريع الإسلامی (اسلامی شریعت کے مختلف مباحث) ۷۔ کتاب

الأولياء والمحجورين۔

۳۷۔ مصطفیٰ محمد الطحان، حاضر العالم الاسلامی عام ۱۹۹۲م، المركز العالمی للكتاب الاسلامی،

کویت، ۱۹۹۲، ص ۶۸

۳۸۔ فیصل بن عبدالعزیز بن عبدالرحمن الفیصل آل سعود (۱۳۲۳-۱۳۹۵ھ/۱۹۰۶-۱۹۷۶ء) شہر

ریاض میں ۱۲/صفر ۱۳۲۳ھ (۱۹۰۶ء) میں پیدا ہوئے۔ عقوان شباب میں مملکت سعودی عرب

کے نشو و استحکام کے لیے جاری متعدد معرکوں میں حصہ لیا۔ ۱۹۲۷ء میں والد نے برطانیہ سے گفتگو

کے لیے آپ کو نمائندہ بنا کر بھیجا جس کے نتیجہ میں ۲۰/۵/۱۹۲۷ء کو معاہدہ جدہ پر دستخط ہوئے اور

برطانیہ نے ملک عبدالعزیز کی حکومت کو تسلیم کیا۔ اس کے بعد ایشیا و یورپ کے مختلف ملکوں میں

متعدد کانفرنسوں میں حکومت کی نمائندگی کی، اور عالمی فورمز میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔

دوسری عرب چوٹی کانفرنس اور ۱۹۶۴ء میں مصر میں ناوابستہ ممالک کی کانفرنس کی صدارت کی۔

مملکت کے مختلف صوبوں کی گورنری، مجلس شوریٰ کی صدارت، وزارت خارجہ کی ذمہ داری اور آخر

میں وزارت عظمیٰ کی قیادت کے مختلف مراحل میں آپ کی صلاحیت آزمودہ اور معترف تھی چنانچہ

والد محترم کے انتقال کے بعد ۱۱/۳/۱۳۷۳ھ/۹/۱۱/۱۹۵۳ء کو بھائی کو مسند نشین اور فیصل کو ولی عہد

تسلیم کیا گیا، اور گیارہ سالوں کے بعد وہ موقع بھی آیا کہ ۲۷/جمادی الاخریٰ ۱۳۸۴ھ/۳/۱۱/۱۹۶۴ء کو

آپ مملکت سعودی عرب کے قانونی حکمران تسلیم کیے گئے۔ شاہ فیصل نے اپنے دور حکومت میں

تین جہتوں میں کام کیا: مملکت کی ترقی و استحکام اور اس کی جدت کاری، اسلامی مجد و شرف کا احیاء

اور عرب اسلامی اتحاد کے لیے جدوجہد اور عربوں کے حقوق کی بازیافت۔ ۱۳/ربیع الاول ۱۳۹۵ھ

کو اپنے بیٹے فیصل بن مساعد بن عبدالعزیز کی گولیوں کا نشانہ بن کر شہید ہوئے۔

۳۹۔ المتجمع کویت، شمارہ ۱۲۷-۱۲۸/جمادی الاخریٰ ۱۴۱۸ھ/۷/اکتوبر ۱۹۹۷ء، ص ۵۱

۴۰۔ المتجمع، شمارہ ۱۳۲۶، ۲۸/رجب ۱۴۱۹ھ/۷/نومبر ۱۹۹۸ء، ص ۳۸-۵۰

شہادت گہِ الفت میں
(نظامِ تربیت کے لازوال نقوش)

ہدف بھی اہم ہے اور وسیلہ بھی

اسلامی تحریک اور دوسری تحریکات میں ایک بنیادی فرق یہ بھی ہے کہ معاصر تحریکات میں تربیت و ٹریننگ اور اس کے وسائل و ذرائع اور خطوط و نقوش کی تعیین میں جواز اور عدم جواز کی بحث کی حیثیت ثانوی ہوتی ہے۔ اُن کی نگاہ مقصد اور ہدف پر جمی رہتی ہے اور تربیت اور وسائل تربیت کو ضمنی شئی قرار دے کر اُن کے لیے اخلاقی و غیر اخلاقی، جائز و ناجائز، قانونی و غیر قانونی اور مفید انسانیت و خلاف انسانیت تمام طریقوں، منہاجیات اور نظاموں کو بروئے کار لایا جاتا ہے مگر اسلامی تحریک کی نگاہ میں سیلہ بھی اتنا ہی اہم ہے جتنا ہدف۔ ذریعہ بھی اُسی قدر پاکیزہ، اخلاقی، قانونی اور انسانیت نواز ہونا چاہیے جتنا نصب العین مقدس اور پاکیزہ ہے:

اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں: إِنَّ اللَّهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَةَ وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شُفْرَتَهُ وَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ^۱

(اللہ نے ہر کام میں حسن و عمدگی کو واجب کیا ہے۔ جب تم ذبح کرو تو اچھی طرح ذبح کرو اور جب قتل کرو تو اچھی طرح قتل کرو۔ تم اپنے خنجر کی دھارتیز کر لیا کرو اور اپنے ذبیحہ کو راحت پہنچاؤ)

اسلامی تحریک کی کامیابی کے لیے ناگزیر ہے کہ اس کا نظم بڑا ٹھوس اور اس کی منصوبہ بندی ہر طرح سے جامع اور مکمل ہو اور دوسری طرف اس کے کارکنوں کی اعلیٰ فکری و اخلاقی تربیت کی بھرپور ضمانت حاصل ہو۔ اگر یہ دونوں اوصاف موجود ہوں تو حالات کے تھپیڑے، شدائد و مظالم کے طوفان اور ترغیب و ترہیب کے تمام ہتھکنڈے اسے منزل سے دور نہیں کر سکتے بلکہ یہ تمام

آزمائش اسے کندن کی طرح کھرا بنا دیتی ہیں اور کامیاب اور سرخ رو کر کے لیلیٰ منزل سے ہم آغوش کرتی ہیں۔ تحریک اسلامی پاکستان کے ایک اہم کارکن اور ماہیہ ناز عالم وداعی مولانا غلیل احمد حامدی (۱۹۲۹-۱۹۹۳ء) نے مضبوط نظم اور مستحکم منصوبہ بندی کی مثال اُس ستھری مشینری سے دی ہے جو اپنی پوری طاقت کو بروئے کار لا کر اعلیٰ سے اعلیٰ مصنوعات تیار کر کے ناظرین کو درلہ حیرت میں ڈال دیتی ہے۔ انہوں نے تربیت کو اس برقی رو کے مشابہ قرار دیا ہے جس کے بل بوتے پر مشنری اپنے یہ تمام معجزات دکھاتی ہے۔^۲

معاشرتی روحانیت

الإخوان المسلمون مصر کے شیخ الہی الخولی نے داعیان دین کے لیے تین قسم کے عقلی، روحانی اور نفسی ذخائر کو لازمی قرار دیا ہے:

۱۔ حقیقت پسندانہ عقلیت (العقلية الواقعية) جو محض نظریاتی نہ ہو بلکہ عملی اور حسی ہو۔

۲۔ معاشرتی روحانیت (الروحانية الاجتماعية)

۳۔ ایجابی فطرت جو سلبی نہ ہو بلکہ اقدام و عمل پر آمادہ رہتی ہو۔^۳

فاضل مصنف نے معاشرتی روحانیت کی مثال برق آفریں مشین (Dynamo) سے دی ہے جو جذبہ کی قوت اور باطن کی طاقت کی بجلی پیدا کرتی ہے اور داعی کی فکری و نظری اور تحریری و تقریری صلاحیتوں اور عملی اقدامات کو مشین کے دوسرے آلات کے مماثل قرار دیا ہے جو اس لیے حرکت کرتے ہیں کہ ان جاری و ساری طاقتوں کو فکر و نظر، تحریر و تقریر اور کردار و عمل کے ذریعہ سے واضح کر سکیں۔ اگر داعیان دین اس معاشرتی روحانیت سے خالی ہوں تو ان کی زندگی اس ڈانکو ہی سے خالی ہو جائے گی اور ان کا اندرون تباہ و ویران ہو جائے گا، جس میں حرکت یا اشارہ کرنے کی طاقت ہی نہ رہے گی، اور اس محرومی و بے مائیگی کے باوجود اگر وہ دعوت دین کے فریضہ میں دل چسپی دکھا رہے ہیں تو اس کا مطلب ہوگا کہ وہ انانیت پسند ہیں، زبردستی دعوت کا کام کر رہے

ہیں حالانکہ دعوت الی اللہ کے کار سے انہیں لگاؤ نہیں ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے:

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ۔“^۴

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو اگر تم تقویٰ اختیار کرو گے تو اللہ تمہارے لیے 'فرقان' ۵
بہم پہنچا دے گا اور تمہاری برائیوں کو تم سے دور کر دے گا اور تمہارے قصور معاف
کر دے گا۔ اللہ بڑا فضل فرمانے والا ہے۔)

اس آیت میں 'فرقان' کا جو لفظ استعمال ہوا ہے اس کا مطلب شیخ نے الہام شدہ روح بیان کیا ہے
جس کی تشبیہ انہوں نے ڈاکمو سے دی ہے۔^۶

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ معاصر اسلامی تحریکوں نے تربیت، تزکیہ اور معاشرتی روحانیت پر
کافی زور دیا ہے اور انہوں نے اپنے اپنے حالات و ضروریات کے تحت اس کا جامع خاکہ اور فکری
و عملی نظام بھی مرتب کیا ہے مگر تجربات و حوادث اس حقیقت کو تباہ کر رہے ہیں کہ
تربیت و تزکیہ کی جانب سے ادنیٰ لاپرواہی ناقابل تلافی نقصان کا سبب بن رہی ہے۔ عالم اسلام
میں جاری اسلامی مزاحمت اور احیاء کی مختلف داستانیں، تنظیمیں اور تحریکیں اس حقیقت کا
واضح گواہ اعلان کر رہی ہیں کہ آج تربیت کے نقص نے عالمی تحریک اسلامی کو بہت پیچھے دھکیل دیا
ہے اور مختلف ملکوں میں یہ تکلیف دہ منظر دیکھنے میں آرہا ہے کہ:

رفتم کہ خارا ز پاکشم محمل نہاں شد از نظر

یک لحظہ غافل بودم و صد سالہ را ہم دور شد

خاکسار کی نظر میں یہ تربیت کے نقص ہی کا نتیجہ ہے کہ افغانستان میں روس جیسے سپر پاور کو
زبردست شکست دینے اور فتح مبین سے ہم کنار ہونے کے بعد وہاں کی اسلامی قوتیں ایک
دوسرے کا گلا کاٹ رہی ہیں اور پورا ملک ان کے باہم دست و گریباں ہونے کی وجہ سے کھنڈر
میں تبدیل ہو چکا ہے۔ تربیت کی کمی کے علاوہ اس المناک مظہر کی کیا توجیہ کی جائے کہ اخوان

المسلمون کے تصور اسلام سے متاثر ہو کر اور اس کے لٹریچر سے استفادہ کر کے ہی شکری احمد مصطفیٰ (۱۹۴۲-۱۹۷۸ء) نے جماعة المسلمين (جو مصری اخبارات میں جماعة التكفير والهجرة کے نام سے معروف ہوئی) کی بنیاد رکھی، موجودہ مسلم معاشرہ کو جاہلی معاشرہ قرار دے کر وہاں سے ہجرت کر جانے کو واجب قرار دیا اور مخالفین کا قتل عام کرنا شروع کیا حتیٰ کہ مصری خفیہ ایجنسی کے ایجنٹ بن کر اس کے کارکنوں نے اخوانیوں کو بھی قتل کیا۔ مکہ کیا یہ تربیت کا نقص نہ تھا کہ ترکی کے مرد مجاہد شیخ بدیع الزماں سعید نورسی (۱۸۷۰-۱۹۶۰ء) کے انتقال کے بعد ان کے پیروؤں نے ملٹی سلامت پارٹی اور اس کے رہنما پروفیسر نجم الدین اربکان کی مخالفت شروع کی قومی انتخابات میں مذہب دشمن سیاسی جماعت جسٹس پارٹی کے حق میں ووٹ دیے۔ سلامت پارٹی کو شکست سے دوچار کرنے کے لیے اس کے قائد کے خلاف بے بنیاد اور جھوٹے بیانات دیے اور اسے بدنام کرنے کے لیے تمام اوجھے ہتھکنڈے استعمال کیے۔^۵

ترہیتی ادبیات

یہ بات کسی قدر باعث اطمینان ہے کہ اب عالم اسلام کی تمام تحریکوں نے پچھلے تجربات کی روشنی میں تربیت و تزکیہ کے تمام پہلوؤں پر کافی توجہ دی ہے اور بڑی مربوط اور منظم حکمت عملی کے ساتھ اور نئے جوش و ولولہ کے جلو میں ترہیتی کارگاہیں منعقد ہو رہی ہیں، انفرادی تزکیہ پر زور دیا جا رہا ہے، اور اجتماعی صالح قیادت بروئے کار لانے کے لیے منصوبہ بندی ہونے لگی ہے۔ عربی، اردو، انگریزی اور دوسری مقامی و بین الاقوامی زبانوں میں ترہیتی کتب لکھی جا رہی ہیں، ایک زبان سے دوسری زبانوں میں تراجم کے سلسلے شروع ہو گئے ہیں اور اس وقت تزکیہ و تربیت کے موضوع پر کتابوں کا اچھا خاصا ذخیرہ فراہم ہو گیا ہے۔ مثال کے طور پر الاخوان المسلمون کی ترہیتی ادبیات میں مندرجہ ذیل کتابیں بڑی اہم ہیں:

۱۔ رسالة التعلیم، شیخ حسن البنا (ان رسائل کے رواں ترجمے مولانا محمد عنایت اللہ سبحانی نے

’مجاہد کی اذان‘ کے نام سے کر دیے ہیں جو مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی سے متعدد بار چھپ چکی ہے۔)

۲۔ تذکرۃ الدعاة، البھی الخولی، اس کا اردو ترجمہ خاکسار نے تحریک اور دعوت کے نام سے کیا ہے جس کا پہلا ایڈیشن ہندوستان پہلی کیشنز دہلی سے ۱۹۸۳ء میں، دوسرا ایڈیشن ’داعی اور دعوت‘ کے نام سے فیصل انٹرپرائز لاہور سے اور تیسرا ایڈیشن بیروت سے ۱۹۸۳ء میں شائع ہوا ہے۔

۳۔ اصول الدعوة، ڈاکٹر عبدالکریم زیدان (عراق)

۴۔ جند اللہ ثقافت و اخلاقاً، پروفیسر سعید ڈی

۵۔ فی آفاق التعالیم، پروفیسر سعید ڈی، اردو ترجمہ، اخوان المسلمون: مقصد، مراحل، طریقہ کار، کے نام سے، عبید اللہ فہد فلاحی، پہلا ایڈیشن ہندوستان پہلی کیشنز دہلی سے ۱۹۸۲ء میں، دوسرا ایڈیشن ادارہ مطبوعات طلبہ لاہور سے ۱۹۸۳ء میں اور تیسرا ایڈیشن وہاں سے ۱۹۹۶ء میں شائع ہوا۔

۶۔ مشکلات الدعوة والداعیہ، استاذ فتنی مکن، اردو ترجمہ، عبید اللہ فہد فلاحی، پہلا ایڈیشن دہلی سے ۱۹۸۳ء میں ’تحریک اسلامی مشکلات، مسائل، آزمائشیں‘ کے عنوان سے، دوسرا ایڈیشن لاہور سے ۱۹۸۳ء میں، تیسرا ایڈیشن بیروت سے ۱۹۸۳ء میں، چوتھا ایڈیشن دہلی سے ۱۹۹۶ء میں طبع ہوا۔

۷۔ فی ظلال الدعوة، سید قطب۔

۸۔ ثقافة الداعیة، ڈاکٹر یوسف القرضاوی، اردو ترجمہ مولانا سلطان احمد اصلاحی، فکری تربیت کے اہم تقاضے کے عنوان سے ہندوستان پہلی کیشنز دہلی سے اور دعوت دین کے علمی تقاضے کے عنوان سے مع تحقیق و حواشی مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی سے ۱۹۹۲ء میں شائع ہوا۔

۹۔ مدرسة حسن البناء، ڈاکٹر یوسف القرضاوی، اردو ترجمہ 'اخوان المسلمون کا تربیتی نظام' کے نام سے، عبید اللہ فہد فلاحی، پہلا ایڈیشن دہلی سے ۱۹۸۲ء میں، دوسرا ایڈیشن لاہور سے ۱۹۸۲ء میں، تیسرا ایڈیشن دہلی سے ۱۹۸۸ء میں اور چوتھا ایڈیشن دہلی ہی سے ۱۹۹۶ء میں طبع ہوا۔

۱۰۔ خُلق المُسْلِم، شیخ محمد الغزالی، اردو ترجمہ 'اسلامی کردار' کے نام سے، عبید اللہ فہد فلاحی، پہلا ایڈیشن دہلی سے ۱۹۸۲ء میں اور دوسرا ایڈیشن ۱۹۹۶ء میں طبع ہوا۔

۱۱۔ قُبَسَاتٌ مِنَ الرِّسُول، استاذ محمد قطب، اردو ترجمہ 'روشنی کی لکیریں' کے نام سے، مترجم ابو مسعود اظہر ندوی، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی۔

۱۲۔ دليل التدريب القيادي، یہ اخوانی فکر کے علم بردار ڈاکٹر ہشام یحییٰ الطالب کی تصنیف ہے جو انگریزی میں *Training Guide for Islamic Workers* کے نام سے اور اردو میں 'اسلامی کارکنوں کے لیے تربیتی گائیڈ' کے عنوان سے عبید اللہ فہد فلاحی کے قلم سے قاضی پہلی شہزادینڈسٹری بیوٹرز دہلی سے ۱۹۹۸ء میں طبع ہوئی ہے۔

۱۳۔ کیف ندعوا؟، عبد المبدی صقر، ترجمہ جاوید احسن فلاحی، 'ہم دعوت کا کام کیسے کریں؟' کے عنوان سے ہندوستان پہلی کیشنز دہلی سے ۱۹۸۲ء میں طبع ہوا۔

۱۴۔ کیف ندعوا إلى الإسلام، فتیٰ یکن، ترجمہ 'دعوت و تبلیغ کے رہنما اصول' کے عنوان سے ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی نے کیا۔ اسلامک بک فاؤنڈیشن دہلی نے ۱۹۹۷ء میں اسے شائع کیا۔

۱۵۔ مَنَاهِجُ التَّرْبِيَةِ الْإِسْلَامِيَّةِ، محمد قطب، اردو ترجمہ 'پروفیسر ساجد الرحمن صدیقی کے قلم سے 'اسلام کا نظام تربیت' کے عنوان سے ۱۹۹۲ء میں اسلامک بک فاؤنڈیشن دہلی نے شائع کیا۔

۱۶۔ السيرة النبوية دروس وعبر، ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی، اردو ترجمہ 'سیرت نبوی: عبرت و

نصیحت کا لازوال خزانہ کے عنوان سے منزل حسین فلاحی کے قلم سے ہندوستان پہلی کیشنز دہلی نے ۱۹۸۳ء میں شائع کیا۔

۱۔ فقہ السیرۃ، شیخ محمد الغزالی۔

جماعت اسلامی ہندوپاک نے تربیت و تزکیہ کے موضوع پر جو کتابیں تیار کی ہیں اور جن کا ارکان جماعت و کارکنان اسلامی کی زندگیوں پر گہرا اثر مرتب ہوا ہے ان میں سے حسب ذیل کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ان کتابوں کی زبان عام فہم اور اسلوب دل نشین ہے اور یہ زیادہ تر عملی تربیت سے بحث کرتی ہیں:

۱۔ تحریک اور کارکن، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ انتخاب و ترتیب: خلیل احمد حامدی۔ یہ دراصل ان تقریروں اور تحریروں کا مجموعہ ہے جو مختلف مواقع پر اور مختلف مراحل میں قائد تحریک نے کارکنوں اور ارکان کے سامنے کی تھیں۔ اس کا عربی میں ترجمہ تذکرۃ دعاۃ الاسلام کے نام سے بیروت سے شائع ہوا اور پھر ترکی اور دیگر زبانوں میں اس کے تراجم ہوئے۔ اس میں دعوت اسلامی اور اس کے طریق کار کے ساتھ اخلاقی اوصاف و نقائص پر بھرپور گفتگو کی گئی ہے۔

۲۔ تعمیر سیرت کے لوازم، نعیم صدیقی۔

۳۔ تحریکی کام کا خاکہ، نعیم صدیقی۔ یہ فاضل مصنف نے ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور کے اشارات کے لیے رقم کیا تھا جسے بعد میں علیحدہ سے کتابچہ کی صورت میں شائع کیا گیا۔

۴۔ تزکیہ نفس، مولانا امین احسن اصلاحی

۵۔ اسلام آپ سے کیا چاہتا ہے۔ مولانا سید حامد علی۔

۶۔ اپنی اصلاح آپ، نعیم صدیقی۔

۷۔ اسلام۔ ایک نظام تربیت، مولانا انعام الرحمن خاں۔

۸۔ تحریک اسلامی میں کارکنوں کے باہمی تعلقات، خرم مراد۔

- ۹۔ آداب زندگی، محمد یوسف اصلاحی۔
 - ۱۰۔ تزکیہ نفس اور ہم، مولانا محمد فاروق خاں۔
 - ۱۱۔ کلام نبوت، مولانا محمد فاروق خاں، دو جلدیں (احادیث کا انتخاب اور ان کی عام فہم تشریح)۔
 - ۱۲۔ زادراہ، مولانا جلیل احسن ندوی (منتخب احادیث کی تربیتی تفہیم)۔
 - ۱۳۔ نماز اور اس کے اذکار، مولانا سید حامد علی۔
 - ۱۴۔ چند تصویریں سیرت کے اہم سے، ہرم مراد۔
 - ۱۵۔ ہم تحریک اسلامی کے کارکن کیسے بنیں؟ مولانا سید جلال الدین عمری۔
 - ۱۶۔ اساس دین کی تعمیر، مولانا صدر الدین اصلاحی۔
 - ۱۷۔ انتخاب حدیث، مولانا عبدالغفار حسن رحمانی (احادیث کی آسان توضیح)۔
 - ۱۸۔ راہ عمل، مولانا جلیل احسن ندوی (احادیث تربیت کا انتخاب اور ان کی مؤثر تشریح)۔
 - ۱۹۔ محسن انسانیت، نعیم صدیقی، سیرت رسول کی مختصر مگر انقلابی تفہیم۔
 - ۲۰۔ سیرت طیبہ، ابوسلیم عبدالحی، عوام کے لیے سیرت رسول پر آسان اور مختصر ترین کتاب۔
- فرد- تربیت کا محور و مرکز

اسلامی تحریکات نے تربیت و تزکیہ کا جو پروگرام بنایا اس میں فرد کو بنیادی اہمیت دی گئی کیوں کہ اسلامی شریعت کا خطاب فرد سے سب سے پہلے ہے عذاب و ثواب کا سارا فلسفہ فرد ہی کے گرد گھومتا ہے، احکام و قوانین فرد کو پہلے مخاطب بناتے ہیں، جواب دہی اور ذمہ داری ہر فرد پر بحیثیت فرد کے ہے۔ اور افراد کی اصلاح و تزکیہ ہی کے ذریعہ صالح اجتماعیت وجود میں آسکتی ہے اسی لیے مولانا مودودیؒ نے ۱۱ نومبر ۱۹۵۱ء کو جماعت اسلامی پاکستان کے اجتماع عام کراچی میں فرمایا تھا کہ:

”ہمارے پیش نظر ابتدا سے یہ حقیقت ہے کہ اسلامی نظام محض کاغذی نقشوں اور زبانی دعوؤں کے بل پر قائم نہیں ہو سکتا۔ اس کے قیام اور نفاذ کا سارا انحصار اس پر ہے کہ آیا اس کی پشت پر تعمیری صلاحیتیں اور صالح انفرادی سیرتیں موجود ہیں یا نہیں۔ کاغذی نقشوں کی خامی تو اللہ کی توفیق سے علم اور تجربہ ہر وقت رفع کر سکتا ہے لیکن صلاحیت اور صالحیت کا فقدان سرے سے کوئی عمارت اٹھا ہی نہیں سکتا اور اٹھا بھی لے تو سہار نہیں سکتا۔“^۹

اصلاح نفس پر زور

الجزائر میں اسلامی احیاء اور مزاحمت کے بانی امام عبدالحمید بن بادیس^{۱۰} (۱۸۸۹-۱۹۴۰ء) نے اصلاح و تربیت پر اتنا زور دیا اور اپنی تمام سرگرمیوں میں اس پر اتنی توجہ صرف کی کہ ان کی تحریک جمعیۃ العلماء المسلمین (سن تاسیس ۱۹۳۱ء) کو خالص تربیتی و اصلاحی جمعیت سمجھ لیا گیا اور ملک کے سیاسی و سماجی اور معاشی مسائل سے آنکھیں بند رکھنے کا الزام اس پر عائد کیا گیا۔ الجزائر کی ۱۳۲ سالہ غلامی (۱۸۳۲-۱۹۶۲ء) اور فرانسیسی استبداد اور پورے ملک کے عربی و اسلامی تشخص کو ختم کر کے اس پر فرانسیسی تہذیب و ثقافت کو مسلط کرنے کی ظالمانہ مکر وہ سازش کے باوصف امام ملک کی نجات کے لیے جو طریق کار اختیار کرتے ہیں وہ اخلاقی اصلاح، عقائدی تطہیر اور تعمیر سیرت پر مرکوز ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں:

”پختہ اور مکمل تربیت ہی صحیح عقیدے اور بلند اخلاق کی ضامن ہے، جزائری سوسائٹی کو فرانسیسی سامراج نے ذلت و پستی کے جس قعر مذلت میں گرا دیا ہے اسے تربیت کے ذریعہ ہی دوبارہ زندہ کیا جاسکتا ہے جیسا کہ ہم دوسرے اسلامی ملکوں میں دیکھتے ہیں کہ مسلم معاشرہ کے اندر حرارت و زندگی اور اسلامی روایات سے تعلق تربیت ہی کے ذریعہ پیدا ہوا ہے۔“^{۱۱}

امام اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

”نفس کی اصلاح عقائد اور بلند اخلاق ہی کے ذریعہ ممکن ہے اور یہ دونوں چیزیں علم کی پائیداری اور نیت کی درستگی سے حاصل ہو سکتی ہیں اور جب دل کی اصلاح ہو جائے گی تو پورا جسم درست ہو جائے گا۔ تمام اعضاء و جوارح اپنی ذمہ داریوں کو صحیح طور سے انجام دینے لگیں گے لیکن اگر نفس عقیدہ، اخلاق، علم اور نیت کے اعتبار سے درست نہ ہو تو پورا جسم فاسد ہو جائے گا اور اعضاء و جوارح غلط کام کرنے لگیں گے۔ نفس کی اصلاح ہی درحقیقت فرد کی اصلاح ہے اور فرد کی اصلاح معاشرہ کی اصلاح ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو تمام شرعی احکام بالواسطہ اصلاح نفس پر اپنی توجہ مرکوز کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حق و صداقت، عدل و انصاف اور خیر و احسان کے جو احکام دیے ہیں ان سب کا مقصد نفس کی اصلاح ہے اور اسی طرح اللہ نے ظلم و زیادتی، فتنہ و شر اور کذب و بہتان سے جو روکا رہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ساری برائیاں نفس کو فساد کی طرف لے جاتی ہیں۔“^{۱۱}

اسی لیے علامہ انور الجندی نے شیخ ابن بادیس کی مساعی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے تبصرہ کیا کہ فوجی معرکہ آرائی سے الجزائر جیسی مفلس، بے تنق و تنگ اور پسماندہ قوم فرانسیسیوں کو شکست نہ دے سکتی تھی نہ اس ظالم سامراج کے مقابلہ میں کوئی عسکری مزاحمت تا دیر تک سکتی تھی۔ اس کے خلاف جہاد کا سب سے مؤثر طریقہ وہی تھا جو بن بادیس نے اختیار کیا یعنی قوم کی اخلاقی و روحانی تربیت۔^{۱۲}

اوصاف تربیت

جماعت اسلامی نے فرد کے اخلاقی و روحانی تزکیہ کے لیے جو نظام تربیت ترتیب دیا اس میں متصوفانہ اصطلاحات سے اجتناب کرتے ہوئے^{۱۳} عام فہم اور آسان الفاظ میں فرد کے اخلاقی

اوصاف و محاسن سے بحث کی۔ مولانا مودودی نے اسلامی تحریک کے کارکنوں کے لیے ضروری قرار دیا کہ وہ انفرادی حیثیت میں مندرجہ ذیل چار اوصاف کے فرداً فرداً مالک ہوں:

۱۔ اسلام کا صحیح فہم

۲۔ اسلام پر پختہ ایمان

۳۔ قول و عمل میں مطابقت

۴۔ دین بحیثیت مقصد

کارکنان تحریک کے اندر چند اوصاف کی من حیث الجماعت موجودگی ناگزیر ہے، وہ یہ ہیں:

۱۔ اخوت و محبت

۲۔ باہمی مشاورت

۳۔ نظم و ضبط

۴۔ تنقید بغرض اصلاح

تکمیلی اوصاف، جو اصلاح و تعمیر کے مقصد میں کامیاب ہونے کے لیے ضروری ہیں، مولانا

مودودی کے نزدیک حسب ذیل ہیں:

۱۔ تعلق باللہ اور خلوص

۲۔ فکر آخرت

۳۔ حُسن سیرت

۴۔ صبر و استقامت

۵۔ حکمت

مولانا نے اُن نقائص کی بھی نشاندہی کی ہے جس سے تحریک اسلامی کے کارکنوں کو مبرا ہونا

لازم ہے:

۱۔ کبر و غرور

۲۔ احساس بندگی

۳۔ نمود و نمائش

۴۔ نیت کا کھوٹ

یہ وہ برائیاں ہیں جو ہر خیر اور بھلائی کی جڑ کاٹ دیتی ہیں۔ اس کے بعد مولانا مودودی نے اُن برائیوں کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جو اساس و بنیاد کو تو نہیں ڈھاتیں مگر اپنی تاثیر کے لحاظ سے جلد یا بدیر تباہ کن ثابت ہوتی ہیں:

۱۔ نفسانیت

۲۔ مزاج کی بے اعتدالی

۳۔ ضعف ارادہ^{۱۴}

بیعت کے دس عناصر

الإخوان المسلمون کے بانی شیخ حسن البنا شہید تحریک اسلامی کی تشکیل و تاسیس سے پہلے طریقہ حصاب سے منسلک تھے اور اوراد و وظائف اور اذکار کا خصوصی اہتمام کرتے تھے۔ وہ تصوف اور متصوفین سے بیزار ہونے کے بجائے ان کے قدرداں اور معترف تھے اور انہیں اسلامی نظام کی تنفیذ کی جدوجہد میں شریک کرنے کے لیے برابر کوشاں تھے۔ انہوں نے فرد کی اصلاح و تزکیہ کے لیے جو نظام وضع کیا تھا اس پر تصوف کے اثرات کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ انہوں نے بیعت کے دس ناگزیر اجزاء پر زور دیا ہے جو دراصل اسلامی شخصیت کے عناصر ترکیبی ہیں:

- | | | |
|--------------------------------|-----------|---------------|
| ۱۔ فہم | ۲۔ اخلاص | ۳۔ عمل |
| ۴۔ جہاد | ۵۔ قربانی | ۶۔ اطاعت کیشی |
| ۷۔ ثابت قدمی | ۸۔ یکسوئی | ۹۔ بھائی چارہ |
| ۱۰۔ باہمی اعتماد ^{۱۵} | | |

چالیس واجبات

- ۱۔ تلاوت قرآن
- ۲۔ تدبیر قرآن
- ۳۔ مطالعہ تاریخ و سیرت
- ۴۔ جسمانی صحت کا احترام
- ۵۔ منشیات سے پرہیز حتیٰ کہ بیڑی، سگریٹ اور تمباکو نوشی سے بھی اجتناب
- ۶۔ صفائی کا خیال
- ۷۔ ہمیشہ سچ بولو
- ۸۔ وفا کی پاسداری
- ۹۔ شجاعت اور تحمل
- ۱۰۔ باوقار بنو
- ۱۱۔ باغیرت اور حساس بنو
- ۱۲۔ عادل اور انصاف پرور بنو
- ۱۳۔ خدمت خلق کو شعار بناؤ
- ۱۴۔ نرم خور اور کریم النفس بنو
- ۱۵۔ ٹھوس علم حاصل کرو
- ۱۶۔ آزاد پیشہ اختیار کرو
- ۱۷۔ سرکاری ملازمت کے پیچھے مت پڑو
- ۱۸۔ اپنی ڈیوٹی خوش اسلوبی سے انجام دو
- ۱۹۔ حقوق و فرائض میں چابکدست رہو

- ۲۰۔ حرام کمائی سے دور رہو
- ۲۱۔ سود کے قریب نہ جاؤ
- ۲۲۔ پدیشی مال استعمال مت کرو
- ۲۳۔ غریبوں کا خیال رکھو
- ۲۴۔ آمدنی کا ایک حصہ بچاتے رہو
- ۲۵۔ اسلامی اخلاق کا احیا کرو
- ۲۶۔ غیر اسلامی عدالتوں کا بائیکاٹ کرو
- ۲۷۔ رضائے الہی کو مقصود بناؤ
- ۲۸۔ طہارت کا اہتمام کرو
- ۲۹۔ نماز قائم کرو
- ۳۰۔ روزہ وحج ادا کرو
- ۳۱۔ جہاد کی تیاری کرو
- ۳۲۔ اپنا احتساب کرو
- ۳۳۔ نفس سے جہاد کرو
- ۳۴۔ شراب سے اجتناب کرو
- ۳۵۔ صحبتِ بد سے دور بھاگو
- ۳۶۔ لہو و لعب سے جنگ کرو
- ۳۷۔ باہم دوست بن جاؤ
- ۳۸۔ اپنی فکر کے وفادار رہو
- ۳۹۔ دعوت کو عام کرنے کی جدوجہد کرو
- ۴۰۔ جماعت سے ہمیشہ وابستہ رہو۔ ۱۶

نظام تربیت

عالمی اسلامی تحریکوں نے اپنے اپنے حالات و ظروف اور ضروریات و مقتضیات کے مطابق فرد کی اصلاح و تربیت کا جو نظام مرتب کیا وہ قرآن و سنت کی مشترکہ بنیادوں اور حالات و عوامل کے مختلف تقاضوں پر قائم ہے۔ اسی لیے ان نظامہائے تربیت میں یک گونہ اختلاف نظر آتا ہے اور یہ بالکل فطری ہے۔ شیخ عز الدین القسام (۱۸۷۱-۱۹۳۶ء) نے فلسطین میں تنظیم الجہادیہ قائم کی تاکہ فلسطین کو آزاد کرا سکیں یہ عسکری تنظیم مندرجہ ذیل اصولوں پر قائم ہوئی تھی:

- ۱۔ ارکان کے انتخاب میں حد درجہ احتیاط سے کام لیا جائے۔ چنانچہ شیخ قسام نے اپنے چند دوستوں کا برسوں مطالعہ کرنے کے بعد آزادی کا خفیہ نصب العین ان پر افشا کیا تھا۔
- ۲۔ مکمل رازداری کی پالیسی، یہاں تک کہ تنظیم کے اراکین کے حقیقی نام خفیہ رکھے جاتے تھے اور انہیں ان کے تحریکی ناموں سے پکارا جاتا تھا۔ ارکان عرصہ تک ایک دوسرے کو شناخت نہیں کر پاتے تھے یہ رازداری کی انتہا تھی۔

۳۔ نظریہ اختصاص کی مکمل رعایت۔ حسب صلاحیت افراد کو ذمہ داریاں سونپی جاتی تھیں۔ شیخ قسام نے اس مقصد کے لیے سات شعبے قائم کر رکھے تھے:

- (۱) تنظیم مجاہدین، ہتھیار چلانے کی مشق، بہم پہنچانا اس شعبہ کا کام تھا۔ اس کے ذمہ دار عثمانی جلادت تھے۔

(۲) گوریلا تربیت ٹیم، صہیونی سازشوں کے خلاف رائے عامہ کو ہموار کرنا اور اس کا فوری تدارک کرنا اس شعبہ کا کام تھا اس کے انچارج الحاج حسین عمادہ تھے۔

(۳) شعبہ مالیات، چندہ کی وصولیابی اور ہتھیاروں کی خریداری اس کا کام تھا۔ اس کے ذمہ دار افراد تھے شیخ حسن باہر اور شیخ نمر سعدی۔

(۴) شعبہ ابلاغیات، طلبہ، علماء، اماموں اور تعلیم یافتہ طبقہ کے اندر روح جہاد پھونکنا اس

شعبہ کی ذمہ داری تھی۔

(۵) سیاسی شعبہ، عالم عرب کی نامور شخصیات سے رابطہ قائم کرنا، عربوں کے درمیان اختلافات ختم کرانے کی کوشش کرنا اور دوسرے سیاسی مسائل نمٹانا اس شعبہ کے فرائض میں شامل تھا۔ اس کے انچارج ناجی ابو زید تھے۔ یہ افراد حکومت کے پولیس شعبہ میں ملازم تھے بلکہ یہودیوں کے درمیان گھل مل کر رہتے تھے۔

(۶) شعبہ امور عامہ، عوامی مظاہروں میں شرکت اور رفاہی کاموں میں دلچسپی اس کے فرائض میں شامل تھی اس کے ذمہ دار شیخ محمد مخزومی تھے۔

(۷) شعبہ کفالت، شہداء کے خاندانوں کی دیکھ رکیھ اور ان کے بچوں کی کفالت اس شعبہ کی ذمہ داری تھی۔^{۱۸}

۱۹۲۹ء میں برطانوی فوج کی مدد سے یہودیوں نے مسجد اقصیٰ اور یروشلم پر غاصبانہ قبضہ کی تدابیر اختیار کرنے کا عمل تیز کر دیا تو فلسطینیوں نے شدید مزاحمت کی ایک ہفتہ تک جھڑپیں ہوتی رہیں چھ سو سے زائد شہری شہید اور زخمی ہوئے۔ اس عوامی جہاد کا آغاز ہوتے ہی تحریک کے بعض افراد نے جن میں ابو ابراہیم کبیر (خلیل محمد عیسیٰ) پیش پیش تھے، مطالبہ شروع کر دیا کہ اب اعلان بغاوت کا وقت آگیا ہے مگر شیخ عز الدین قسام نے کسی عاجلانہ اقدام کی سخت مخالفت کی اور اپنی منصوبہ بندی اور حکمت عملی پر ہی کاربند رہنے کا حکم دیا:

”ابھی اعلان بغاوت کا وقت نہیں آیا ہے۔ ابھی حالات کا باریکی سے مطالعہ کرنے

کی ضرورت ہے اور جس کسی کو اس سے اختلاف ہے تو اس کا راستہ الگ ہے اور ہمارا

اس سے کوئی تعلق نہیں ہے اور جب تک حالات طور مکمل طور پر سازگار نہ ہو جائیں

اس وقت تک بغاوت کا اعلان ہرگز نہیں کیا جاسکتا۔“^{۱۸}

چنانچہ کارکنوں کی جانب سے بار بار مطالبے اور اصرار کے باوجود ۱۹۳۳ء سے پہلے اس طرح کے کسی عسکری اقدام کی اجازت نہ دی۔

قرآن وسنت کا مطالعہ

جماعت اسلامی ہند و پاک نے فرد کی تربیت و تزکیہ کا جو نظام اور ہیکل ترتیب دیا اس میں بنیادی اہمیت قرآن و حدیث کے براہ راست مطالعہ کو حاصل رہی۔ مولانا مودودی کی تفسیر تفہیم القرآن، مولانا امین احسن اصلاحی کی تفسیر تدبر قرآن اور سید قطب کی تفسیر فی ظلال القرآن کے اردو ترجمہ نے کارکنوں کی تربیت پر زبردست اثرات مرتب کیے۔ ہفت روزہ درس قرآن، دعوتی اجتماع، حلقہ مطالعہ قرآن، ماہانہ تربیتی اجتماعات، احتسابی جائزے، اجتماع ارکان نے تربیت و تزکیہ اور تنقید و احتساب کے بھرپور مواقع فراہم کیے۔ سالانہ ششماہی تربیت گاہوں، صوبائی اور مرکزی سطح کے ذمہ داران کے کیمپوں نے قائدانہ تربیت کے اصول سکھائے اور افہام و تفہیم، تنقید و احتساب، احترام فکر و نظر اور رواداری، باہمی مشاورت اور اجتماعیت کے آداب کی تعلیم دی۔

تربیت و تہذیب نفس کے خارجی ذرائع میں جماعت اسلامی نے میدان عمل میں کارکنوں کی تربیت کو موثر قرار دیا۔ اس کا نظام تربیت خانقاہی نہیں بلکہ تحریکی ہے۔^{۱۹} وہ چند اور ادو وظائف کی تکرار یا ظاہری وضع قطع میں چند ترسیمات کو نظام تربیت میں جگہ نہیں دیتی بلکہ اصلاح معاشرہ کی جدوجہد کے لیے افراد تیار کرنے کا مقصد اس کے تربیتی نظام پر حاوی ہے۔ بگاڑ کے خلاف جدوجہد، مخالفین کی مخالفتیں برداشت کرنا، غلط فہمیوں کو رفع کرنا، زیادتیوں پر صبر کرنا، مزاحمتوں کو دور کرنا، الزامات کو برداشت کرنا، شبہات کا ازالہ کرنا، صبر اور نماز سے مدد لینا اور حکمت و تحمل کی خُو پیدا کرنا وہ اوصاف ہیں جو میدان عمل میں دعوت کا کام کرنے سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ تبلیغی و فود کے ذریعہ منتخب علاقوں میں تبلیغ دین کرنا، کردار پر انگشت نمائی کے نتیجہ میں احتساب نفس کرنا، خدمت خلق کے پروگراموں کے ذریعہ ضبط نفس، انکسار و تواضع اور فرد تنی کی صفات کو پروان چڑھانا کارکنان دعوت اسلامی کی تعمیر سیرت کے موثر ذرائع ہیں۔

معاشرہ ہی کو جماعت اسلامی نے اپنے کارکنوں کی تعمیر سیرت اور تزکیہ نفس کے لیے،

بہترین تربیت گاہ قرار دیا۔ ۲۰ جماعت نے تزکیہ کا یہ طریقہ ایجاد کیا کہ دین کا کام کرتے ہوئے گالی تو کھائی جائے مگر کسی کو جواب گالی میں نہ دی جائے۔ جھوٹے الزامات لگیں تو جواب میں جھوٹا الزام نہ لگایا جائے۔ مفاد کا لالچ دیا جائے تو کارکن راہ حق پر ثابت قدم رہیں۔ نقصان ہو تو دل برداشتہ نہ ہوں۔ پھر ان تمام مواقع پر کھلم کھلا محاسبہ اور بے لاگ تنقید ہوتا کہ غلطیوں کی نشاندہی ممکن ہو سکے اور ان کی اصلاح کی جاسکے۔

تزکیہ مطلوب ہے

بعض علماء کرام اور مشائخ کی جانب سے جماعت اسلامی کے تربیتی نظام پر یہ اشکال وارد کیا گیا کہ اس میں انفرادی تعمیر و تکمیل پر زور نہیں ہے اور اسلام کے اجتماعی سیاسی نظام کے تصورات کے جلو میں تزکیہ کا پہلو دب گیا ہے اس کے جواب میں مولانا مودودی نے وضاحت کی کہ جماعت اسلامی کے نزدیک اصل چیز فرد کی تکمیل ہے۔ اجتماعی و سیاسی نظام بجائے خود مطلوب نہیں بلکہ فرد کی تکمیل میں معاون ہونے کی حیثیت سے ہی مطلوب ہے۔ پھر اس پہلو پر بھی روشنی ڈالی گئی کہ جماعت کے مصنفین، مفکرین اور علماء کی تحریروں میں بلاشبہ اسلام کے اجتماعی و عمرانی پہلوؤں پر زور پایا جاتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ علماء سلف نے عام طور سے اخلاق اور عبادات کے انفرادی پہلو ہی کو پیش کیا ہے اور اجتماعی اخلاقیات کی طرف بہت کم توجہ کی ہے۔ اس خلا کو جماعت اسلامی نے پُر کیا، اس لیے کہ مغرب کے اجتماعی نظام اور فلسفے اپنے لٹریچر اور ذرائع ابلاغ کے ذریعہ اس قوت سے دنیا میں پھیلے کہ انفرادی حیثیت میں صحیح العقیدہ مسلمان بھی اس سے متاثر ہونے لگے چنانچہ اکابرین جماعت نے دین کی خدمت کا فوری تقاضا یہی باور کیا کہ جس پہلو سے اسلامی ادبیات کا فی مالدار ہے اس میں اضافہ کرنے کے بجائے اُس پہلو پر توجہ دی جائے جس میں اسلاف کی عطیات میں تشنگی محسوس ہوتی ہے اور یہی بزرگان سلف کا طریقہ کار تھا کہ انہوں نے اپنے دور میں جس فتنہ کی شدت زیادہ محسوس کی اور جس پہلو پر انہیں نقص یا خلا کا

احساس ہو اسی کے مدارک پر انہوں نے اپنا زور صرف کیا۔^{۲۱}

شہادت کا نشہ

جماعت اسلامی کے قیام کو آج تقریباً سات دہائیاں گزر گئی ہیں۔ اس دوران اسلام کے تمام پہلوؤں پر عظیم الشان لٹریچر تیار کیا گیا اور اس لٹریچر کے دنیا کی تمام زبانوں میں ترجمے ہوئے۔ یہ خدمات دور جدید کی تمام اسلامی تحریکوں پر فائق اور برتر ہیں اور اس پہلو سے جماعت اسلامی نہایت منفرد اور ممتاز نظر آتی ہے مگر آج بھی انفرادی تربیت اور تزکیہ کا پہلو اس کے نظام تربیت میں کسی قدر دھندلا نظر آتا ہے۔ ممکن ہے کہ اس تبصرہ میں زیادہ وزن محسوس نہ کیا جائے کیوں کہ آزمائشوں میں اسی نظام تربیت سے فارغ التحصیل کارکنان بڑی حد تک سرخ رو پائے گئے اور ارکان و کارکنان کی ایک بڑی تعداد ثابت قدم اور مستقل مزاج ثابت ہوئی۔ ثبوت میں جماعت اسلامی مشرقی پاکستان کے کارکنوں کی قربانیوں کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ وہ انہی تربیت گاہوں سے تیار ہو کر نکلے تھے۔ اسی لٹریچر نے ان کو نشہ شہادت سے سرشار کیا تھا۔ البدر نے جو عہد وفا نبھایا اور جان دے کر بھی اسلام و ایمان کی جولانج رکھی اس پر جماعت اسلامی بجا طور پر یہ کہہ سکتی ہے کہ:

بہ مشتاقاں حدیث خواجہ بدر و حنین آور تصرف ہائے پنہانش چشم آشکار آمد
دگر شاخ خلیل از خون مانمناک می گردد بہ بازار محبت نقد ماکامل عیار آمد^{۲۲}

(غزوات بدر و حنین کے آقا ﷺ کی بات عاشقوں تک پہنچی۔ حضور کے باطنی کمالات نظر میں صاف ظاہر ہو گئے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے نخل کی شاخ ہمارے لبو سے پھر سرسبز و شاداب ہو گئی اور بازار محبت میں ہماری پونجی بالکل کھری ثابت ہوئی۔)

محمد عبدالمالک جنہیں اسلامی نظام تعلیم کے نفاذ کے حق میں مہم چلانے پر دن دھاڑے گولی ماری گئی۔ مصطفیٰ شوکت عمران، جس کے ساتھ سید الشہداء حضرت امیر حمزہؓ کا معاملہ روا رکھا گیا،

محمد الیاسؒ، جس کو ٹرک کے پیچھے باندھا گیا اور پھر ٹرک کو پوری رفتار سے چلا دیا گیا یہاں تک کہ روح پرواز کر گئی۔ عطاء الرحمنؒ جس کی ایک ایک انگلی ہتھوڑے سے توڑی گئی، ہاتھ پاؤں کاٹے گئے، چہرہ کو نوچا گیا۔ عبدالحق بیوپاریؒ، جس کے بازوؤں اور گلے کو رسی سے جکڑا گیا یہاں تک کہ آنکھوں میں خون جم گیا۔ محمد مجیب الرحمنؒ، جس کی ناک اور کان کاٹے گئے، پھر گلے میں رسی ڈال کر شہر میں گھمایا گیا، پھر دونوں بازو کاٹ دیے گئے، عبد الوہابؒ، معین الدینؒ، عبدالباقیؒ اور محمد یونسؒ جن کو ہاتھ پاؤں باندھ کر ندی میں ڈبو دیا گیا، مصطفیٰ کمالؒ، جس کی انگلیاں کاٹی گئیں، دونوں بازو کاٹے گئے، ظالموں نے اس کا لہوا اپنے چہرہ پر ملا، قمقمے لگائے اور پھیر سینے پر رافٹل رکھ کر لیلیٰ دبائی گئی، ابوالحسینؒ، جس کا گوشت ہڈیوں سے چھیل کر اس طرح الگ کر دیا گیا جس طرح قصاب جانوروں کا کرتا ہے۔ محمد علیؒ، جس کو بجلی کے کھمبے کے ساتھ باندھ کر ایک ایک عضو کاٹا گیا۔ پھر نعش کو سر بازار کھمبے کے ساتھ لٹکا دیا گیا۔ یہ تو چند نام ہیں، ورنہ ہر فرد ایسی ہی دشوار گھاٹی سے گزرا گیا، نہ معلوم کتنے اور ایسے تھے جن کے اعضاء کاٹے گئے۔ گوشت نوچا گیا، درختوں سے لٹکایا گیا، پانی میں ڈبو یا گیا، زندہ گڑھوں میں دفن کیا گیا:

بنا کر دند خوش رسے بخاک و خون غلطیدن خدا رحمت کنداں عاشقان پاک طینت را
(خاک و خون میں لوٹنے کی کیسی اچھی رسم انہوں نے ڈالی۔ خدا ان نیک سرشت عاشقوں پر رحمت کرے!)

اور ان میں ہر ایک عزیمت و عظمت کی ایسی تصویر کہ دیکھنے والے اپنی انگلیاں کاٹ لیں، مجو حیرت ہو جائیں۔ ہر ظلم و ستم کے باوجود اپنی جگہ پہاڑ کی طرح قائم و ثابت رہے۔
ہے جسارت آفریں شوق شہادت کس قدر

اور تسلیم ہاں کا انداز بھی نرالا۔ موت کے گھاٹ اتارے گئے تو مسرور و شادمان تھے۔ چہرے ایسے چمک رہے تھے کہ جیسے دولہا کا چہرہ، ضاحکۂ مُسْتَبْشِرَة۔^{۲۳}

عشرتِ قتلِ گہ اہلِ تمنا مت پوچھ عیدِ نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا^{۲۴}

علماء کی اصلاح کا ایجنڈا

جمعية العلماء المسلمين الجزائر کا تربیتی نظام امام عبدالحمید بن بادیس کے اس اصول پر کارفرما تھا کہ ”عام مسلمانوں کی اصلاح اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ علماء اپنی اصلاح نہ کریں۔ علماء کی مثال امت کے دل سے دی جاتی ہے جب دل درست ہوتا ہے تو پورا جسم تندرست ہوتا ہے اور جب دل فساد کا شکار ہو جاتا ہے تو سارا جسم فساد و بگاڑ پر آمادہ ہو جاتا ہے اس لیے اگر ہم عوام کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں تو پہلے نظام تعلیم کو درست کرنا ہوگا۔“^{۲۵} یہی نقطہ نظر مولانا حمید الدین فراہی (۱۹۶۳-۱۹۳۰ء) کا بھی تھا۔ وہ بھی خرابیوں کی جڑ علماء کی فکری و عملی بے راہ روی کو قرار دیتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ جب تک ان کی اصلاح نہ ہو، کوئی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ وہ پہلے علماء کی اصلاح کرنا چاہتے تھے اور ان کی اصلاح کو مسلمانوں کی اصلاح کا ذریعہ بنانا چاہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ عالم اسلامی کے تمام علماء کو مخاطب بنانے کے لیے انہوں نے اپنے افکار کے اظہار کا ذریعہ عربی زبان کو بنایا تھا۔^{۲۶}

تعلیم و تربیت کے ذریعہ اصلاح معاشرہ کے فریضہ کی انجام دہی کے لیے جمعیت العلماء المسلمین نے ساڑھے تین سو سے زائد مدارس قائم کیے جن سے ڈیڑھ لاکھ کے قریب ماہر علماء فارغ ہو کر نکلے۔ ان مدارس کے نصاب میں مندرجہ ذیل کتابیں داخل تھیں:

- ۱۔ پیام ربانی سے براہ راست واقفیت کے لیے قرآن کریم اور اس کی تفسیر
- ۲۔ رسول اکرم ﷺ کی سیرت و شخصیت اور اقوال و افعال کی معرفت کے لیے امام مالک کی کتاب الموطا۔

۳۔ عربی زبان و ادب اور اسلامی تہذیب سے واقفیت کے لیے بنیادی مآخذ

۴۔ تاریخی شعور سے واقفیت کے لیے مقدمہ ابن خلدون۔^{۲۷}

جمعیت العلماء کا بنیادی تصور تھا کہ جزائری نوجوان کی گم گشتہ شخصیت کی بازیافت عرب اسلامی

تشکیل پر موقوف ہے۔ چنی و فکری تعمیر کے بعد ہی جزائری عوام کو سیاسی و سماجی اور قومی تحریکوں میں شامل کیا جائے تاکہ عرب اسلامی تہذیب کے دائرہ میں رہ کر وہ دفاع و وطن کا فریضہ انجام دیں۔ اسی لیے جمعیت العلماء کے افکار و نظریات میں 'عروبہ' کے تصور کو کلیدی حیثیت حاصل تھی۔ فرانس کی مستقل پالیسی یہ تھی کہ جزائری عوام کو عربی زبان سے کاٹ کر فرانسیسی زبان سیکھنے پر مجبور کرے چنانچہ ۸ مارچ ۱۹۳۸ء کو پارلیمنٹ میں ایک قانون منظور کر کے عربی کو غیر ملکی زبان قرار دے دیا گیا اسے جمعیت العلماء نے جزائری قوم کی عزت و کرامت پر سنگین حملہ تصور کیا چنانچہ امام عبدالحمید بن بادیس نے اس قانون کی خلاف ورزی کرنے کا اعلان کرتے ہوئے بیان جاری کیا کہ:

”بخدا ہم اپنے خلاف ہونے والی سازشوں کو خوب سمجھ چکے ہیں۔ ہم اسلام اور عربیت کے دشمنوں کے خلاف اعلان جنگ کرتے ہیں! ہم نے یہ جنگ لڑنے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے۔ انشاء اللہ ہم تمام مخالف قوتوں اور رکاوٹوں کے باوجود دین اسلام اور عربی زبان کی تعلیم و تدریس کو جاری رکھیں گے۔ ہمیں اس ارادہ سے کوئی چیز باز نہیں رکھ سکتی۔ ہم کسی قیمت پر اپنے ہاتھوں سے اس کا خون نہ ہونے دیں گے۔ ہمیں یقین ہے کہ انجام ہمارے ہاتھ ہوگا۔ خواہ مشکلات کی کتنی یورش ہو، فتح و نصرت ہمارا مقدر ہوگی، اس لیے کہ ہمارا اس پر مکمل ایمان ہے اور ہم اس کے عینی شاہد بھی ہیں۔ اسلام اور عربی زبان کو ہمیشہ باقی رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے خواہ پوری دنیا اس کی مخالف ہو جائے!“^{۲۸}

دلچسپ بات یہ ہے کہ جمعیت العلماء المسلمین کا یہ ترتیبی نظام سیاست اور سیاسی مسائل و موضوعات سے کنارہ کش اور بیزار تھا۔ اس کے دستور میں یہ صراحت موجود تھی کہ یہ ”ایک دینی، اصلاحی اور ترتیبی تنظیم ہے جس کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔“^{۲۹} اور تنظیم کی دس سالہ کارکردگی کا جائزہ لیتے ہوئے اس کے صدر تاسیس نے جمعیت کی مذہبی و اصلاحی ہیئت پر ہی زور دیا۔ انہوں نے فرمایا:

”امت مسلمہ میں کہیں ایسی علمی تنظیم قائم نہ ہوئی جس نے اہل بدعت کی پھیلائی ہوئی بدعتوں کا اُن کے دینی و دنیوی اقتدار کے علی الرغم ایسا جم کر مقابلہ کیا ہو جیسا کہ الجزائر کی جمعية العلماء المسلمین نے کیا۔ اس کے آزاد و مختار علماء نے، جو کسی وظیفہ خواری پر نہیں جیتے تھے، دس سال سے کچھ زیادہ مدت سے اصلاحی مہم کا بیڑا اٹھا رکھا ہے۔ اس کی کامیابی کے لیے صرف اللہ کی خاطر جہاد کیا ہے اور صبر کا دامن نہیں چھوڑا۔ انہوں نے الجزائر کی جمعية العلماء المسلمین جیسی دینی تنظیم قائم کی۔ یہاں تک کہ اللہ کے فضل و احسان سے یہ اصلاحی تحریک مضبوط بنیادوں پر مستحکم عمارت کی شکل میں قائم ہو گئی جس کی گھنی سایہ دار شاخیں اور ثمرات طیبہ نہ صرف الجزائر بلکہ پورے شمالی افریقہ پر سایہ فگن ہیں۔“^{۳۱}

تجزیہ نگاروں کی اس رائے سے اتفاق کیا جاسکتا ہے کہ جمعية العلماء المسلمین کا یہ دینی اور غیر سیاسی ہیکل حکمت و مصلحت پر مبنی تھا، اور یہ کہ اس کے اغراض و مقاصد، مطالبات اور سرگرمیوں کا رخ سیاسی اصلاح اور دفاع وطن اور جنگ آزادی کی جانب بالکل واضح تھا مگر اس پر اصلاح عقائد، تشکیل مدارس اور تعمیر و تزکیہ نفس کے اہداف غالب اور حاوی تھے۔^{۳۲} یہاں اس کی صراحت ضروری ہے کہ عبدالحمید بن بادیس اور جمعية العلماء المسلمین کی تحریروں میں اسلام اور عربیت دونوں لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے تھے۔ عربیہ پر فخر اسلام پر فخر کے مرادف تھا۔ اس عربیہ کا کوئی تعلق اس ’عرب قومیت‘ سے نہ تھا جو بعد میں لعنت بن کر عالم عرب پر مسلط ہوئی اور اتحاد عالم اسلامی کی راہ میں سنگ گراں بن کر کھڑی ہو گئی۔

مناجات کا اہتمام

الإخوان المسلمون کا تاریخی نظام بڑا موثر، جاندار، حیات بخش اور انقلاب پرور تھا اور اس کی بڑی وجہ شیخ حسن البنا شہید (مرشد عام اول) کی جاذب نظر، پُرکشش اور سحر انگیز شخصیت

تھی۔ آپ کی ذات اسلامی تربیت کا اعلیٰ نمونہ تھی۔ سلسلہ حصابیہ سے وابستگی، اور ادواذکار کے اہتمام اور وظائف و نوافل اور شب بیداری و تہجد گزاری سے خصوصی شغف نے آپ کی شخصیت میں بڑی دل آویزی پیدا کر دی تھی۔ مرشد عام نے خود ایک رسالہ 'مناجات' تحریر کیا تھا جس میں تہجد اور رات کے پچھلے پہر کی نمازوں کی فضیلت، دعا و استغفار کی اہمیت اور اس سلسلہ کی آیات و احادیث اور آثار کا تذکرہ کیا ہے۔ اخوانی کارکنوں میں رسالہ بڑا مقبول ہوا اور تربیتی پروگراموں میں اس سے بڑے اہتمام اور ذوق و شوق سے استفادہ کیا گیا۔ مرشد عام کا ایک دوسرا رسالہ 'الماثورات' ہے جس میں مسنون دعائیں اور اوراد و وظائف شامل ہیں یہ دراصل امام نوویؒ کی تصنیف کتاب الأذکار اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی کتاب الکلم الطیب کے انتخابی حصوں پر مشتمل ہے۔ اخوان نے اس رسالہ کو حرز جان بنایا اور اس کی ساری دعائیں یاد کر لیں اور صبح و شام انہیں دوہرانے کو اپنا وظیفہ بنایا۔^{۳۲}

الإخوان المسلمون نے تزکیہ نفس کے جو وسائل اختیار کیے ان میں ایک 'احتسابی چارٹ' کی خانہ پری بھی ہے۔ اس چارٹ میں روزمرہ کی زندگی سے متعلق سوالات درج ہوتے ہیں۔ کارکن ان سوالات کو اپنے سامنے رکھے اور ہاں یا نہیں میں اس کا جواب دے تاکہ وہ خود محاسبہ کر سکے کہ اس نے اصولوں کی مخالفت کی ہے یا اس سے کوتاہی سرزد ہوئی ہے۔ محاسبہ کا یہ عمل رات میں ہوتا ہے جبکہ دن بھر کے کاموں کو نمٹانے کے بعد وہ بستر پر دراز ہوتا ہے۔ سوالات کی نوعیت کچھ اس طرح ہوتی ہے:

کیا آج تم نے تمام نمازیں وقت پر ادا کی ہیں؟

کیا نماز باجماعت کا اہتمام کیا ہے؟

کیا آج قرآن سے متعین کردہ حصہ کی تلاوت کی ہے؟

کیا مسنون دعاؤں کا آج تم نے اہتمام کیا؟

کیا آج اپنے کسی بھائی سے محض اللہ کے لیے ملاقات کی؟

وغیرہ وغیرہ۔ ۳۳

دس نصیحتیں

مرشد عام نے اخوانی کارکنوں کو دس نصیحتیں کی ہیں جو 'الوصایا العشر' کے نام سے معروف ہیں۔ یہ وصیتیں ہر اخوانی کے پاس محفوظ رہتی ہیں اور وہ ہمیشہ ان کی روشنی میں اپنی سرگرمیوں کا جائزہ لیتا رہتا ہے۔ وہ ان وصیتوں میں کہتے ہیں:

- ۱۔ حالات خواہ کچھ ہوں، اذان کی آواز کانوں میں پڑتے ہی نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔
- ۲۔ قرآن کی تلاوت کرو یا اس کا مطالعہ کرو یا اسے سنو یا اللہ کو یاد کرو اور اپنا کوئی وقت بے فائدہ کاموں میں صرف نہ کرو۔
- ۳۔ فصیح عربی بولنے کی کوشش کرو اس لیے کہ یہ اسلام کا شعار ہے۔
- ۴۔ کوئی بھی معاملہ ہو، اس میں زیادہ بحث مباحثہ مت کرو اس لیے کہ اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔
- ۵۔ زیادہ نہ بنو اس لیے کہ جس دل کا تعلق اللہ سے ہو وہ سنجیدہ اور باوقار ہوتا ہے۔
- ۶۔ ٹھٹھانہ کرو۔ مجاہد مت کوشش اور محنت کے علاوہ کسی چیز سے واقف نہیں ہوتی۔
- ۷۔ مخاطب سے اپنی آواز بلند نہ کرو کہ اس میں رعونت پائی جاتی ہے اور مخاطب کو تکلیف ہوتی ہے۔
- ۸۔ افراد کی غیبت اور اداروں کی زخم کاری سے بچو اور خیر کے سوا کوئی بات نہ کہو۔
- ۹۔ اپنے جس بھائی سے ملو اس کا مکمل تعارف حاصل کرو گرچہ وہ تم سے اس کا مطالبہ نہ کرے اس لیے کہ ہماری دعوت کی بنیاد محبت اور باہمی تعارف پر ہے۔
- ۱۰۔ فرائض بہت ہیں اور وقت کم۔ دوسروں کی اُن کے اوقات کے صحیح استعمال میں مدد کرو اور اگر تمہیں کوئی کام ہو تو اسے جلد نمٹاؤ۔ ۳۳

الإخوان المسلمون نے جو تربیتی نظام وضع کیا اس کے مطابق ارکان کے چار درجے بنائے گئے، پہلا درجہ نصیریہ یا انصار کا، دوسرا درجہ مجاہد کا، تیسرا درجہ نقیب کا اور چوتھا درجہ نائب کا۔ ان

چاروں درجات کے اراکین کا علمی معیار، ان کے اوصاف و خصوصیات اور شرائط و فرائض کو ذیل کے تین جدولوں کی مدد سے سمجھا جاسکتا ہے:

علم و ثقافت کا جدول ۳۵

مضمون	پہلا درجہ نصر انصار دوسرا درجہ مجاہد تیسرا درجہ نقیب چوتھا درجہ نائب
۱۔ قرآن	ترتیل سے تلاوت سورہ انفال اور سورہ بقرہ کا مطالعہ تفسیر کی بنیادیں، کرنا، سورہ کہف، واقعہ، توبہ کا مطالعہ اور وحفظ، علوم القرآن فی ظلال القرآن
۲۔ حدیث	امام نووی کی چالیس حدیثیں اور مسنون دعائیں
۳۔ اصول ثلاثہ	خلاصہ
۴۔ فقہ	نماز، زکوٰۃ کی فقہ، کسی فقہ کی کتاب جیسے نور الایضاح کی خواندگی
۵۔ اصول فقہ	اختلاف کے لیے اصول فقہ - فقہ کے اصول دو ڈاکٹر ادیب صالح فقہوں کی معلومات

- ۶۔ توحید اصول عقائد اور توحید کی اساسيات
شرح الجوهره يا عقيدہ کی اہم بنيادیں
- ۷۔ تصوف رسالۃ المسترشدين تربيتنا الروحیۃ إحياء علوم الدین
- ۸۔ عربی زبان قطر للنئی، لبلاغۃ شذور الذهب
لواضحۃ لفظ کی صحت تحریر کی مشق اور خطابت کی مشق
کے لیے کسی کتاب کا مطالعہ
- ۹۔ تاریخ اسلامی نور الیقین، تہذیب سیرت صحابہ السیرہ صور من حیاۃ الرسول
- ۱۰۔ موجودہ عالم اسلام
- ۱۱۔ جدید ثقافت شہادت حول الإسلام
- حیاء الصحابة، رجلاں عن مذكرات الفتوحات الدعوة والداعية الإسلامية از ریختی موضوع پر موجود سارے لٹریچر کا لٹریچر کا مطالعہ مطالعہ
- مولانا مودودی کی داعیان دین کی کتب کتابوں کا مطالعہ

۱۲۔ اسلامیات

جدید اسلامی تحریکات کے معاشیات پر
مصنفین کی کتب جن کتابیں جیسے ڈاکٹر
سے جدید فکر و نظریات کا تجارتی مدخل
مطالعہ بھی ہو سکے الٰہی اقتصاد

الاسلامی

التبشیر والاستعمار، مسلسل مطالعہ
الغارة البروتو
کولات

۱۳۔ اسلام اور من أجل خطوط

مسلمانوں کے الٰہی الامام

خلاف سازشیں

اور منصوبے

مدخل الٰہی دعوة مختلف نظاموں،
الاخوان طریقہ ہائے کار
المسلمین، رسالہ اور دساتیر کا
التعالیم، جند اللہ مطالعہ
ثقافة وأخلاقاً

۱۴۔ فقہ الدعوة الصّراع بین

الفكرة الاسلامیة

و الفكرة الغربیة

۳۶ اوصاف کا جدول

مرآئ اوصاف

پہلا درجہ نصیر انصار نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا اور جماعت کے لیے اپنی وفاداری کو خالص کرنا
دوسرا درجہ مجاہد مومنوں کے لیے سراپا رحمت اور کافروں کے لیے سراپا غیظ و غضب، جان و مال کی
 قربانی اور تمام وفاداریوں کو جماعت کے لیے خالص کرنا
تیسرا درجہ نقیب حلم و بردباری، وقار و سنجیدگی جو کسی منصب کے لیے ضروری اور مناسب ہے۔
سخاوت و شرافت، سب و طاعت، شجاعت و بے باکی

چوتھا درجہ نائب سچائی، امانت داری، اسلام کی مکمل اطاعت، ظاہری، باطنی لحاظ سے اس کے آگے کامل سپر اگلدنگی، شعور، اشاعت دعوت اور تبلیغ دین، تعلیم و تربیت سے مکمل دلچسپی

فرائض کا جدول ۳۷

پہلا درجہ نصیر انصار خاص و عام اجتماعات میں شرکت، زکوٰۃ کی رقم جماعت کے حوالہ کرنا، دعاؤں کا ورد کرنا، قرآن کے ایک متعین حصہ کی تلاوت کرنا، نوافل و سنن کی نگہداشت، نماز چاشت اور تہجد کی عادت

دوسرا درجہ مجاہد اس درجہ کی خصوصیات و اوصاف کے تمام تقاضے، معروف میں مکمل اطاعت تیسرا درجہ نقیب اطاعت کے لیے اس قیادت کے ہاتھ پر بیعت جو شورائی نظام سے ابھرے کسی فرد کے بجائے پوری جماعت کی طرف آنے کی دعوت

چوتھا درجہ نائب جماعت کے اصولوں کی روشنی میں شوریٰ کی اکثریت کے فیصلوں پر صاد کرنا اور انہیں برضا و رغبت تسلیم کرنا

الأخوان المسلمون نے ان تینوں درجات یا مراحل کے علمی و ثقافتی معیار کی تعیین، اوصاف و خصوصیات کی نشاندہی اور فرائض و شرائط کی تکمیل کی تعیین کے ساتھ ایسے حلقوں اور سرکلوں کی تشکیل کا بھی اہتمام کیا جن کی صحبت میں ہر درجہ کا کارکن مطلوبہ اوصاف پیدا کر سکے اور اپنے فرائض کی ادائیگی میں سہولت محسوس کر سکے یعنی تربیت و تزکیہ کے ذریعہ وہ زمین، ماحول، اور فضا میسر آجائے جس کی موجودگی میں دعوت دین کا بارگراں بسہولت اٹھایا جاسکے ان تینوں درجات کے مختلف حلقوں کی تفصیل کے لیے مندرجہ ذیل جدول دیکھیے:

حلقوں کا جدول ۳۸

پہلا درجہ یہ ممکن ہے کہ ایک حلقہ میں پروفیسر سعید حوئی کی کتاب من اجل خطوط الإمام، مکمل نصیر انصار ہو جائے اور خصوصیات و اوصاف اور فرائض کا مطالعہ کرنے اور ان کا پابند بننے کی کوشش کی جائے اور اگر ممکن ہو تو اس درجہ کے علمی و ثقافتی لٹریچر کی ہر کتاب کا مطالعہ حلقہ بنا کر کیا جائے۔

دوسرا درجہ مجاہد ۱۔ روحانی حلقہ

۲۔ جذبات و احساسات کو تحریک دینے والا حلقہ

۳۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی عادت ڈالنے کے لیے حلقہ

۴۔ ورزش اور جسمانی تربیت کا حلقہ

تیسرا درجہ نقیب ایک حلقہ ہو جس میں حلقوں، محفلوں، خاندانی و گھریلو نشستوں اور اجتماعات اور

تحریکی نشستوں کے انتظامات پر گفتگو ہو۔ اس حلقہ میں پروفیسر سعید حویلی کی کتاب

المدخل الى دعوة الإخوان المسلمين کا مطالعہ مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

چوتھا درجہ نائب ایسے حلقہ کا اہتمام جس میں نائبین کے فرائض کی انجام دہی کی صلاحیت اور

استطاعت پیدا ہو سکے اور اس حلقہ کا انتظام بھی نائبین ہی کا شعبہ کرے۔

توضیحات

۱۔ اوپر جدول نمبر ۱ میں انصار کے لیے بھی اصول ثلاثہ کے مطالعہ کی سفارش کی گئی ہے

اور نقیبوں کے لیے بھی۔ یہ کوئی تضاد نہیں ہے۔ پہلے درجہ کے کارکن بس خلاصہ یاد کریں گے اور

دوسرے درجہ کے داعی ان پر عبور حاصل کریں گے۔

۲۔ اخوان کے کارکن چار درجوں میں منقسم ہیں۔ صوفیاء کی اصطلاح میں یہی لوگ مرشد

کے جانشین ہوتے ہیں۔

۳۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی کارکن علم و ثقافت میں آگے نکل جائے مگر اوصاف و فرائض میں

پیچھے ہو یا علم و اوصاف میں ترقی کر لے مگر فرائض میں کوتاہ دست ہو یا فرائض میں تو چابک دست

ہو مگر علم و اوصاف میں پسماندہ ہو۔ یہ تمام کیفیات نامطلوب ہیں۔

۴۔ بعض درجات میں پختگی کے لیے اساس کے طور پر حلقوں کا تذکرہ الگ جدول میں

موجود ہے۔

۵۔ پہلے درجہ کے دستور العمل میں ایمان کا خاص طور سے تذکرہ ہے۔ اگر کسی فرد میں فکری ثولیدگی، اشتباہ یا تشکیک کے جراثیم موجود ہوں تو اسے پہلے ایمان کامل کے حصول کی فکر کرنی چاہیے۔ اسے عقائد پر پختہ ایمان رکھنا چاہیے۔ اس لیے قرآن اور حدیث کا مطالعہ لازم ہے اسی لیے وہ قلبی سکون کے لیے ذکر کا سہارا لے۔

۶۔ دوسرا درجہ عملی و تحفیذی ہے۔ اس کی نشانی استاذ البنا نے بتائی ہے کہ یہ خالص صوفیانہ اور خالص سپاہیانہ ہے۔ اس میں غایت درجہ کی ڈسپلن اور سمیع و طاعت ضروری ہے۔ اس کے لیے متعدد حلقوں کا اہتمام ضروری ہے: روحانی حلقہ تاکہ کارکن عبادت گزار بنے، امر بالمعروف و نہی عن المنکر حلقہ تاکہ یہ فریضہ اس کے اخلاق کا جزو بن جائے، جسمانی اور ورزشی حلقہ تاکہ اس کا جسم تومند اور مضبوط رہے۔ روحانی حلقہ میں پروفیسر سعید حوئی کی کتاب 'تربیتنا الروحية' مفید رہے گی۔

۷۔ تیسرا درجہ ہی صف اول اور تنظیم کے درمیان واسطہ فراہم کرتا ہے اسی طرح براہ راست کام کرنے والے افراد کی ٹیم بھی یہیں سے فراہم ہوتی ہے۔

۸۔ چوتھا درجہ مکمل وراثت کا درجہ ہے۔ یہاں کوئی حد بندی نہیں ہے۔ اسے تمام خصوصیات کا جامع اور فرائض کا نگہبان ہونا چاہیے۔ وہ تنظیم پر عقاب بنی نگاہ رکھتا ہوتا کہ دھڑے بندی اور اندرونی تفرقہ سے جماعت محفوظ رہے۔

رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ

الاخوان المسلمون کے اس تربیتی نظام نے تحریک اسلامی کے ایسے کارکنوں کی پرورش کی جو رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ کی مکمل تصویر تھے۔ شیخ حسن البنا ہفتہ وار اجتماع یوم الثلاثاء میں گفتگو کا آغاز محبت و اخوت کے رشتہ میں منسلک ہونے اور یک جان دو قالب بن جانے کے تربیتی کلمات سے کرتے اور اسے وہ 'محبة یوم الثلاثاء' کا نام دیتے تھے۔ اخوانیوں کے باہمی تعلقات میں اس

گرم جوشی اور وارننگی کو دیکھ کر کسی صحافی نے تبصرہ کیا تھا:

”یہ وہ جماعت ہے جس کے کسی کارکن کو اسکندر یہ میں چھینک آجائے تو اسوان سے

يَرْحَمَك اللّٰہ کی صدائیں سنی جاتی ہیں۔“

۱۹۴۸ء میں فلسطین میں یہودیوں کے خلاف مسلح جدوجہد اور جنگ میں اخوانی دستوں نے

جو مخیر العقول کارنامے انجام دیے وہ اسی نظام تربیت کا ثمرہ تھا۔ طنطا کے ایک اخوانی عبدالوہاب البنانونی کو جہاد کا شوق دامن گیر ہوا تو اس کی راتوں کی نیند حرام ہو گئی۔ جذب و شوق کی اس مستی کی راہ میں دور کاوٹیں تھیں۔ ماں جو باپ کی موت کے بعد اس سے ٹوٹ کر پیار کرتی تھی اور اس کی جدائی برداشت کرنے کو تیار نہ تھی، دوسری رکاوٹ اس کی کم سنی تھی کہ ہائی اسکول کے طلبہ کو جہاد پر جانے کی اخوان نے اجازت نہ دی تھی۔ عبدالوہاب کے شدید اضطراب اور نشہ جہاد کے سامنے اخوان کے ذمہ داران نے گھٹنے ٹیک دیے۔ وہ اس کی بوڑھی ماں کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جہاد کی فضیلت اور مجاہدین کے مقام و مرتبہ پر اس سے طویل گفتگو کی۔ مسلم سو ماؤں کے قصے سنائے اور اُن کی ماؤں کے صبر و ضبط کے واقعات اور نمونے دل نشین انداز میں بیان کیے یہاں تک کہ بوڑھی ماں نے پیار کے آنسو بہاتے ہوئے اسے جہاد میں شرکت کی اجازت دے دی۔ پھر علامہ یوسف القرضاوی، احمد عسّال اور محمد صفطاوی طنطا سے قاہرہ پہنچے اور مرشد عام کی خدمت میں ساری روداد کہہ سنائی اور اسے جہاد میں شرکت کی اجازت دینے پر مصر رہے تا آنکہ شیخ حسن البنا نے منظوری دے دی۔ جہاد میں عبدالوہاب البنانونی شریک ہوا۔ اس نے ہتھیاروں کے ایک یہودی ذخیرہ کو ڈائنامیٹ سے اڑایا اور اس آپریشن میں خود بھی شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوا۔

أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ

استاذ کامل الشریف نے جہاد فلسطین کے بڑے عبرت آموز واقعات بیان کیے ہیں۔

انہوں نے لکھا ہے کہ ایک نوجوان مجاہد عبد الحمید خطاب کی ڈیوٹی معرکہ دیرالعلم میں یہ لگائی گئی کہ وہ فوجی کمپ کی حفاظت کرے اور میدان جنگ سے دور رہے۔ یہ سنتے ہی وہ بھڑک اٹھا، شدت جذبات سے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ وہ پیہم اصرار کرتا رہا کہ معرکہ میں شامل ہونے کی اسے اجازت دی جائے۔ مجبور ہو کر اسے اجازت دے دی گئی۔ اس کی تمنا برآئی اور شہادت کی خلعت زریں اسے نصیب ہوئی۔^{۴۲}

علامہ یوسف القرضاوی کا بیان ہے کہ اخوانی مجاہدین غسل کر کے اور وضو بنا کر میدان کارزار میں جاتے، دلوں میں ایمان کی گرمی ہوتی، جیبوں میں قرآن پاک کا نسخہ ہوتا اور ہاتھوں میں بندوقیں اور توپیں ہوتیں۔ ان میں سے کسی کو گولی لگتی تو وہ اللہ اکبر کہتا، کلمہ شہادت ادا کرتا اور پکار اٹھتا:

عَجَلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضَى^{۴۳}

(اے میرے رب، میں تیری بارگاہ میں جلدی پہنچ آیا تاکہ تو خوش ہو جائے!) کسی اخوانی کی پنڈلی پر توپ کے کچھ ذرات پڑے اور پنڈلی کٹ گئی۔ اس کے ساتھی رونے لگے۔ اُس کا اپنا حال یہ تھا کہ وہ مطمئن اور فرحان و شاداں اپنی کٹی ہوئی پنڈلی کو دیکھ رہا تھا اور صحابی ضعیف کا شعر اس کی زبان پر تھا:

وَلَسْتُ أَبَالِي حِينَ أُقْتَلُ مُسْلِمًا عَلَى أَى جَنْبٍ كَانَ فِي اللَّهِ مَصْرَعٌ
وَذَلِكَ فِي ذَاتِ الْإِلَهِ وَإِنْ يَشَاءُ يَبَارِكْ عَلَىٰ أَوْصَالِ شَلْوٍ مَمْرَعٌ
(مجھے کوئی پروا نہیں اگر میں اسلام کی حالت میں قتل کیا جاؤں، کہ اللہ کی راہ میں مجھے کس پہلو پچھاڑا جاتا ہے یہ سب کچھ اللہ کی راہ میں ہے اگر وہ چاہے تو ان ٹکڑے ٹکڑے اعضاء میں برکت اور بالیدگی پیدا کر دے!)^{۴۴}

اس بحث کے آخر میں بطور خلاصہ دو باتیں گوش گزار کرنا ضروری ہیں:

۱۔ تحریکات اسلامی نے اپنی اپنی ضروریات و وسائل کے مطابق اپنا تربیتی نظام تشکیل

دیا جس سے اسلام کے فریفتہ، اقامت دین کے شیدائی اور دفاع شریعت و وطن کے عاشق نو جوان تربیت پا کر نکلے اور دور جدید میں اسلامی نظام کی ترجمانی کی اور اپنا خون دے کر شجر دین کی آبیاری کی مگر یہ بات ذہن سے اوجھل نہ ہونی چاہیے کہ تحریکیں عروج کے دور میں داخل ہوتی ہیں، ان کی شہرت و مقبولیت میں اضافہ ہوتا ہے تو مال و زر کے بندے، دنیا طلب انسان اور خام عناصر بھی اس میں داخل ہو جاتے ہیں جو زبان سے تو اقرار کرتے ہیں لیکن ان کے دل ایمان سے محروم ہوتے ہیں۔ یہ تاریخ کا فیصلہ ہے۔^{۵۴} اس لیے یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ ان تحریکوں کے تمام افراد مطلوبہ معیار تربیت پر پورا اترتے تھے۔

۲۔ تحریکات کے تجربوں سے واضح ہوتا ہے اور اسلامی تحریکوں کا سبق بھی یہی ہے کہ ایمان کے صحیح معنی قلب میں بیٹھ جائیں اور منزل واضح و روشن ہو تو ہمہ آن پر امن جدوجہد اور کُفُوا أَيْدِيَكُمْ^{۵۶} کی تعلیم و تلقین کے باوجود وقت آنے پر یہ ایمان خدا کے اذن سے پیچھے نہ رہے گا اور ایمان کے معنی محدود ہوں یا منزل کا شعور نہ ہو تو لاکھوں کا مجمع بھی کلمہ کے ورد کے باوجود، جہاد و شہادت کے فضائل سننے اور پڑھنے کے باوجود، ان مراحل سے آشنا نہ ہوگا۔^{۵۷} اصل بحران فکر اور عقیدہ کا بحران ہے۔ فکر و نظر میں کجی اور قرآن و سنت سے براہ راست رہنمائی حاصل نہ کرنا اصل بیماری ہے جس میں آج مسلم امت مبتلا ہے اس بحران سے ملت اسلامیہ کو نکالنا تحریک اسلامی کی ذمہ داری ہے۔^{۵۸}

حواشی و تعلیقات

- ۱۔ صحیح مسلم، سنن ابو دائود، سنن الترمذی، سنن الدارمی، سنن ابن ماجہ، سنن النسائی، ڈاکٹر ہشام الطالب نے اس سے استدلال کیا ہے کہ تحریک اسلامی کا کارکن اتنی ترقی حاصل کرنے کا پابند ہے کہ ہر کام صحیح طریقہ سے اور ہر فریضہ عمدگی سے انجام دے سکے اور یہی اسلامی تربیت کا مدعا اور مقصود ہے۔ (اسلامی کارکنوں کے لیے تربیتی گائیڈ، ٹریننگ گائیڈ فار اسلامک ورکرز اردو ترجمہ ڈاکٹر عبید اللہ فہد الفلاحی کے قلم سے، قاضی پبلی کیشنز، دہلی، ۱۹۹۸ء، ص ۲۷)
- ۲۔ مولانا خلیل احمد حامدی (انتخاب و ترتیب) تحریک اور کارکن، تالیف مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، دارالعروبة، منصورہ، لاہور، ۱۹۷۹ء، پیش لفظ، ص ۳
- ۳۔ البھی الخولی، تذکرة الدعاة، اردو ترجمہ، عبید اللہ فہد الفلاحی، الإتحاد الإسلامی العالمی للمنظمات الطلابیة، دار القرآن الکریم للعناویة بطبعہ و نشر علومہ، بیروت، ۱۹۸۳ء، ص ۶۸
- ۴۔ قرآن کریم، انفال: ۲۹
- ۵۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب نے ترجمہ کیا ہے اگر تم ڈرتے رہو۔ گے اللہ سے تو کر دے گا تم میں فیصلہ، علامہ شبیر احمد عثمانی نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ خدا تمہارے اور مخالفوں کے درمیان فیصلہ کر دے گا۔ دوسرا مفہوم انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ حق تعالیٰ تمہارے دل میں ایک نور ڈال دے گا جس سے تم ذوقاً و وجداناً حق و باطل اور نیک و بد کا فیصلہ کر سکو گے۔ القرآن الکریم و ترجمۃ معانیہ و تفسیرہ الی اللغة الأردیة، شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلکس، المملكة العربیة السعدیة، مدینہ منورہ، ۱۹۸۹ء، ص ۲۳۹۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے فرقان کا ترجمہ کسوٹی سے کیا ہے جو کھرے اور کھوٹے کے امتیاز کو نمایاں کرتی ہے۔ یعنی اللہ تمہارے اندر وہ قوت تمیز پیدا کر دے گا جس سے قدم قدم پر تمہیں خود یہ معلوم ہوتا رہے گا کہ کون سا رویہ

صحیح ہے اور کون سا غلط۔ ترجمہ قرآن مجید مع مختصر حواشی، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی، ۱۹۸۲ء، ص ۴۷۵۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ فرقان اُس چیز کو کہتے ہیں جو حق و باطل کے درمیان امتیاز کر دے۔ یہ امتیاز پیدا کرنے والی شئی داخلی بھی ہو سکتی ہے خارجی بھی، علمی اور عقلی بھی ہو سکتی ہے اور عملی اور واقعاتی بھی۔ تدبر قرآن، جلد سوم، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۴۶۵-۴۶۶، علامہ یوسف علی نے فرقان کا ترجمہ (Criterion) سے کیا ہے۔

The Holy Quran, Text Translation and Commentary, Amana Corp.,

U.S.A. 1983, . 422.

- ۶۔ انہی الخولی، تذکرۃ الذعاع، حوالہ بالا، ص ۳۴۹-۳۵۰
- ۷۔ تفصیل کے لیے دیکھیے *The Oxford Encyclopedia of the Modern Islamic World* جلد ۴، مقالہ بر التفسیر والہجرۃ، ص ۱۷۹-۱۸۰، نیز جلد ۳، مقالہ بر مصطفیٰ شکر، ص ۲۱۱
- ۸۔ القيادة فی العمل الاسلامی، مصطفیٰ محمد طحان، اردو ترجمہ، محمد مسیح اختر، عالمی تحریکات اسلامی کی چند انقلابی شخصیات، ہلال پہلی کیشنز، سنگاپور، ۱۹۸۸ء، ص ۲۴۵-۲۵۱
- ۹۔ تحریک اور کارکن، حوالہ بالا، ص ۱۱۰
- ۱۰۔ ترکی رانج عمارہ، الشیخ عبدالحمید بن بادلیس رائد الاصلاح والتربیۃ فی الجزائر، ص ۲۴۰
- ۱۱۔ تفسیر ابن بادلیس، بحوالہ القيادة فی العمل الاسلامی، مصطفیٰ محمد طحان، حوالہ بالا، ص ۱۳۹-۱۴۰
- ۱۲۔ علامہ انور الجندی، الفکر والثقافة فی شمال افریقیا، ص ۵۴
- ۱۳۔ مولانا سید احمد قادری نے تصوف اسلامی پر باضابطہ کتاب تصنیف کی اور اس کی مروجہ اصطلاحات کی قرآن و سنت اور صوفیانہ ادبیات کی روشنی میں تشریح و توضیح کی مگر مولانا مودودی ہمیشہ تصوف اور اصطلاحات و مسائل تصوف سے کنارہ کش رہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی تو تصوف سے اتنے بیزار اور متنفر تھے کہ عشق کی اصطلاح سے انہیں ایک طرح کی آوارگی کی بو آتی تھی

- ۱۴۔ تحریک اور کارکن، حوالہ بالا، ص ۱۸۱-۲۴۴
- ۱۵۔ پروفیسر سعید حوی، فسی آفاق التعالیم، اردو ترجمہ عبید اللہ فہد فلاحی، اخوان المسلمون: مقصد، مراحل طریقہ کار، ادارہ مطبوعات طلبہ، لاہور، ۱۹۸۳ء (بار دوم)، ص ۱۶۶
- ۱۶۔ نفس مصدر، ص ۲۵۴-۳۰۶
- ۱۷۔ القيادة فی العمل الإسلامی، حوالہ بالا، ص ۱۰۲-۱۰۳
- ۱۸۔ نفس مصدر، ص ۱۰۷
- ۱۹۔ سید اسعد گیلانی، تاریخ جماعت اسلامی ۱۹۲۷ء تا ۱۹۴۷ء، المنار بک سنٹر، منصورہ، لاہور، ۱۹۸۲ء، ص ۲۰۵
- ۲۰۔ نفس مصدر، ص ۲۰۴
- ۲۱۔ صدق لکھنؤ، یکم ستمبر ۱۹۴۱ء، مضمون 'مولانا مودودی اور ان کے عقائد و خیالات کی صحیح تعبیر'
- ۲۲۔ اقبال، کلیات اقبال، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی، ۱۹۹۴ء، ص ۲۲۵
- ۲۳۔ قرآن کریم، عیس: ۳۹
- ۲۴۔ سلیم منصور خالد، البدر، ادارہ مطبوعات طلبہ، لاہور، طبع ہفتم، جنوری، ۱۹۸۸ء، ص ۴۵۹-۴۶۰
- ۲۵۔ ترکی رانج عمارہ، حوالہ بالا، ص ۱۰۱
- ۲۶۔ حمید الدین فراہی، تفسیر نظام القرآن، ترجمہ امین احسن اصلاحی، دائرہ حمید یہ اعظم گڑھ، ۱۹۹۰ء، ص ۱۹-۲۰
- ۲۷۔ محمد مصطفیٰ طحان، القيادة فی العمل الاسلامی، حوالہ بالا، ص ۶۳-۶۴
- ۲۸۔ انور الجندی، الفكر و الثقافة المعاصرة فی شمال افريقيا، حوالہ بالا، ص ۱۵۷
- ۲۹۔ حوالہ بالا، ص ۱۵۲
- ۳۰۔ ترکی رانج عمارہ، حوالہ بالا، ص ۱۲
- ۳۱۔ مثال کے طور پر دیکھیے پروفیسر مسعود الرحمن خاں ندوی کا مضمون، عبد الحمید بن بادیس - الجزائر میں

مسلم اصلاحی تحریک کے پیش رو، سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، جلد ۱۶، شمارہ ۴، اکتوبر-دسمبر ۱۹۹۷ء، ص ۷۳-۷۹

۳۲۔ علامہ یوسف القرضاوی، التربية الإسلامية ومدرسة حسن البناء، اردو ترجمہ، عبید اللہ فہد فلاحی، اخوان المسلمون کا تربیتی نظام، ادارہ مطبوعات طلبہ، لاہور، ۱۹۸۲ء، ص ۳۶-۳۷ اس کتاب المآثورات کا اردو ترجمہ 'تزکیہ نفس اوراد و وظائف کے ذریعہ' کے نام سے مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور سے شائع ہو چکا ہے

۳۳۔ علامہ یوسف القرضاوی، التربية الإسلامية ومدرسة حسن البناء، حوالہ بالا، ص ۳۷

۳۴۔ نفس مصدر، ص ۱۲۲

۳۵۔ نفس مصدر، ص ۱۵۲ و ما بعد

۳۶۔ نفس مصدر، ص ۱۵۹

۳۷۔ نفس مصدر، ص ۱۶۰

۳۸۔ نفس مصدر، ص ۱۶۱

۳۹۔ نفس مصدر، ص ۱۶۲-۱۶۴

۴۰۔ علامہ یوسف القرضاوی، التربية الإسلامية ومدرسة حسن البناء، حوالہ بالا، ص ۱۶۲

۴۱۔ نفس مصدر، ص ۷۳

۴۲۔ نفس مصدر، ص ۷۶

۴۳۔ قرآن کریم، ط: ۸۴

۴۴۔ علامہ یوسف القرضاوی، التربية الإسلامية ومدرسة حسن البناء، حوالہ بالا، ص ۷۷

۴۵۔ نفس مصدر، ص ۱۶۹-۱۷۰

۴۶۔ قرآن کریم، نساء: ۷۷، اس کا ترجمہ ہے: "اپنے ہاتھوں کو روک رکھو"

۴۷۔ خرم مراد، خُم زندگی، سلیم منصور خالد کی کتاب البدن، حوالہ بالا، کے آخر میں شامل، ص ۴۶۲

۳۸۔ فکر اسلامی کے بحران اور اس کے مسائل پر مطالعہ کیجیے، أزمة العقل الاسلامی، ڈاکٹر عبد الحمید احمد ابو سلیمان (سابق وائس چانسلر، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، ملیشیا)، المعهد العالمی للفکر الاسلامی، ہیرنٹن، ورجینیا، ۱۹۹۱ء، اس کتاب کا اردو ترجمہ عبید اللہ فہد فلاحی کے قلم سے 'فکر اسلامی کا بحران' کے نام سے ادارہ معارف اسلامی لاہور سے ۲۰۰۲ء میں شائع ہو چکا ہے



اُس کی ادا دل فریب، اُس کی نگہ پاک باز
 قلبی طہارت اور باہمی اخوت
 کے
 ناقابل یقین مظاہرے

(علامہ یوسف القرضاوی کی ایمان افروز تحریر کا ترجمہ)

ایمان اقرار و عمل کا نام ہے

ربانیت یا ایمان اسلامی تربیت کا، جیسا کہ اخوان المسلمون نے سمجھا ہے، سب سے اہم عنصر ہے۔ یہ سب سے زیادہ لائق توجہ اور دور رس اثرات کا حامل ہے اس لیے کہ اسلامی تربیت و تزکیہ کا اولین مقصد ایک مومن انسان کی تعمیر ہے۔

اسلام میں ایمان محض زبانی دعوے کا نام نہیں ہے۔ کسی شخص کا زبان سے یہ اعلان کر دینا کہ وہ مومن ہے اسے مومن نہیں بنا دیتا بلکہ یہ ایک ایسی روحانی و اخلاقی حقیقت ہے جو انسان کے دل و دماغ کی گہرائیوں تک اپنا اثر و نفوذ رکھتی ہے اس کی شعاعیں جذبات تک پہنچتی ہیں تو ان میں ہلچل پیدا کر دیتی ہیں اور جب عزم و ادارہ پر اس کی کرنیں پڑتی ہیں تو ان میں حرکت و عمل جاگ اٹھتا ہے۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

ما وقرنی القلب وصدقہ العمل

”ایمان وہ ہے جو دل میں سرایت کر جائے اور عمل اس کی تصدیق کر دے۔“

(حدیث)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ۔ (الحجرات: ۱۵)

”حقیقت میں تو مومن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر انہوں نے

کوئی شک نہیں کیا اور اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔“

مشکلمین اور فلاسفہ کی ذہنی و دماغی معرفت کو ایمان نہیں کہا جاسکتا۔ نہ ارباب تصوف کی

روحانی لذت یا بی کو ایمان کا نام دیا جاسکتا ہے اور نہ مجرد سلوک و عبادت کو ایمان کا درجہ دیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ زاہدوں کا شیوہ ہے۔ ایمان ان تمام کا مجموعہ ہے جو افراط و تفریط کے نقائص سے محفوظ ہے جس کے پیش نظر اس سرزمین پر حق و انصاف کی آباد کاری خیر و صلاح کی بڑھوتری اور رشد و ہدایت کی طرف انسان کی رہنمائی ہے۔

اسی طرح مومنوں کے ایمان سے ملتے جلتے اعمال اختیار کرتے رہنے کو بھی ایمان سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ دجل و فریب کے علمبردار نیک اعمال کو شعار بنا کر ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلے ہیں ایسے لوگوں کا دل صلاح و خیر سے یکسر خالی ہوتا ہے۔

اخوان المسلمون نے اپنے طریقہ تربیت میں اس بات کی کوشش کی کہ متکلمین، فقہاء اور صوفیاء نے ایمان کے جو صحیح مراتب قائم کیے ہیں انہیں یکجا کیا جائے۔ دور اخیر میں مسلمانوں نے جن چیزوں کو چھوڑ دیا تھا اور جس کی وجہ سے وہ شکست و ریخت سے دوچار ہوئے انہیں از سر نو اختیار کیا جائے۔ اس کے لیے اخوان نے ایمان کے شفاف و شیریں چشموں کی طرف رجوع کیا یعنی کتاب اور سنت و نبوی ﷺ پر مضبوط ایمان، جس میں وہ ستر سے زائد شعبے بھی شامل ہیں جن کی طرف حضور پاک ﷺ نے اپنی مشہور حدیث میں اشارہ فرمایا ہے۔

چنانچہ صحابہ کرام تابعین عظام اور سلف صالحین کے حالات پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ایمان ان کے دلوں میں جاگزیں ہو گیا تھا۔ قلب کے اعتقاد اور زبان کے اقرار کے ساتھ ان کے اعضاء و جوارح بھی اس کی تائید کرتے تھے۔ ان کی پوری زندگی پر ایمان کی گہری چھاپ تھی۔ مسجدوں، مدرسوں، گھروں اور سوسائٹیوں میں، خلوت و جلوت میں شب و روز کی مصروفیات میں آخرت کے کاموں اور خالص دنیاوی کاروبار میں ہر جگہ ان کے ایمان کی جھلک موجود تھی۔ اسی پھیلاؤ اور گہرائی کی وجہ سے اخوان کا ایمان ممتاز و منفرد تھا۔ نیز زندگی، زبردست قوت اور فعال حرکت اس ایمان کی نمایاں خصوصیات تھیں۔ ایمان ایک شعلہ ہے جو دلوں کو دہکا دیتا ہے، ایک آندھی ہے جو خس و خاشاک کو اڑالے جاتی ہے ایک نور ہے جو فشاں اور خس و خاشاک باطل کو بھسم کر دینے والی آگ!

ایمان کی تابناکی دل زندہ پر منحصر ہے

اس ایمانی تربیت کا دار و مدار اس دل زندہ پر ہے جو اللہ سے مضبوط تعلق رکھتا ہو، اس سے ملاقات اور حساب کتاب پر کامل یقین ہو، اس کی رحمتوں کا طلبگار اور اس کی سزاؤں سے خائف ہو۔ درحقیقت انسان اس کے مادی وجود، اس کے اعضاء و جوارح اور ہڈیوں کا نام نہیں ہے بلکہ اس ایمانی لطافت کا نام ہے جو اس مادی وجود کو ساکن و متحرک کرتی رہتی ہے اور اگر اس میں خرابی آجائے تو پورا جسم فساد کا شکار ہو جاتا ہے، اور وہ دل ہے جسے روح وفودا جس نام سے چاہیے پکار لیجیے۔ یہی وہ باشعور حصہ ہے جو انسان کو زندگی کی حقیقتوں سے جوڑتا اور اسے عالم وجود کے اسرار و رموز سے واقف کراتا ہے۔ اسے عالم ہست و بود سے آسمان کی طرف لے جاتا ہے کائنات سے اس کی خالق کے طرف منتقل کرتا اور عالم فنا سے عالم خلود تک پہنچا دیتا ہے۔

یہی دل زندہ تجلیات ربانی کا مشاہدہ کرتا ہے۔ یہی چیز اللہ کی نگاہ میں قابل اعتماد اور لائق توجہ ہے مشہور حدیث ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَّا صُورَكُمْ وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ۔

”اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں پر نگاہیں رکھتا ہے۔“

سورہ شعراء میں اللہ نے فرمایا:

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ۔ إِلَّا مَنْ آتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ۔ (۸۸-۸۹)

”جبکہ نہ کوئی مال فائدہ دے گا نہ اولاد، بجز اس کے کہ کوئی شخص قلب سلیم لیے ہوئے

اللہ کے حضور حاضر ہو۔“

اخلاص کا سرمایہ

اگر دل میں ایمان کی انگلیٹھی نہ دھک رہی ہو یقین کے شعلے نہ گرم ہوں تو وہ دل مردہ ہے جس میں زندگی کی کوئی رمق نہیں:

أَوْ مَنْ كَانَ مَيِّتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا۔ (انعام: ۱۲۲)

”کیا وہ شخص جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندگی بخشی اور اس کو وہ روشنی عطا کی جس کے اجالے میں وہ لوگوں کے درمیان زندگی کی راہ طے کرتا ہے اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو تارکیوں میں پڑا ہوا ہو اور کسی طرح ان سے نہ نکلتا ہو۔“

اسی وجہ سے اخوان المسلمون نے تربیت و اصلاح کا سارا زور دلوں کو زندہ کرنے پر صرف کیا کہ ان پر سے مردنی ختم ہو سکے، ان کی آباد کاری کا انتظام کیا تا کہ خانہ خالی رادیومی گیر دے مصداق غیر اللہ کی یادیں اپنا آشیانہ نہ بنا سکیں۔ ان میں سوز و گداز پیدا کیا تا کہ قساوت و سنگدلی کا خاتمہ ہو سکے اسی لیے دلوں کی قساوت اور آنکھوں کا جمود اللہ کی جانب سے سزا تصور کی جاتی ہے جس کے شر سے ہمیشہ اللہ سے پناہ مانگنی چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ بنی اسرائیل کی بد اعمالیوں پر اللہ نے ان کے دل سخت کر دیے:

فِيمَا نَفَضْنَاهُمْ مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً۔ (مائده: ۱۳)

”پھر ان کا اپنے عہد کو توڑ ڈالنا تھا جس کی وجہ سے ہم نے ان کو اپنی رحمت سے دور پھینک دیا اور ان کے دل سخت کر دیے۔“

ایک دوسری جگہ انہیں یوں ملامت کی:

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً۔ (بقرہ: ۷۴)

”پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے پتھروں کی طرح سخت، بلکہ سختی میں کچھ ان سے بھی بڑھے ہوئے۔“

سورہ حدید میں اللہ نے اہل ایمان کو ان الفاظ میں جھنجھوڑا:

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ

وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ
قُلُوبُهُمْ۔ (الحمد: ۱۶)

”کیا ایمان لانے والوں کے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر سے پکھلیں اور اس کے نازل کردہ حق کے آگے جھکیں اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں پہلے کتاب دی گئی تھی پھر ایک لمبی مدت ان پر گزری تو ان کے دل سخت ہو گئے۔“

حضور کریم ﷺ اپنی دعاؤں میں غیر نافع علم اور نہ پکھلنے والے دل سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ حسن البنا شہیدؒ کے رسائل، مقالات، گفتگو، عوامی میٹنگوں میں ان کی تقریریں کنبوں، گھرانوں اور قوم کے لوگوں میں ان کی باتیں سب کا مرکز و محور انسانی دل ہوتے تھے۔ وہ اپنی پوری توجہ اس بات پر صرف کرتے تھے کہ دلوں میں اللہ کی معرفت جڑ پکڑے۔ وہ اپنے رب کی رحمتوں سے متوقع اس کی انعامات کا امیدوار اور اس کے غضب اور اس کی سزاؤں سے خائف رہے اس کا دست سوال اسی کی طرف اٹھے۔ بھروسہ اسی پر کرے۔ محبت ہو تو اسی سے۔ خوشنودی کی طلب ہو تو صرف اس کی۔ اسی کے قرب سے سکون و طمانیت حاصل کرے۔ اسی کی یاد میں اسے لذت و فرحت کا احساس ہو:

أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ۔ (الرعد: ۲۸)

”خبردار رہو! اللہ کی یاد ہی وہ چیز ہے جس سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوا کرتا ہے۔“

درحقیقت اللہ کی یاد ہی وہ چیز ہے جو سنگدلی کو رقت و نرم دلی سے، زندگی کے جام تند و تلخ کو شیرینی و حلاوت سے، مشکلات و مصائب کو وصال یار کی لذتوں اور فی سبیل اللہ کے سرور سے بدل دیتی ہے۔ جیسے کوئی عاشق معشوق تک پہنچنے کے لیے سفر کی زحمتوں اور کلفتوں کو ہنسی خوشی برداشت کرتا ہے اور اپنی بھوک پیاس بھول جاتا ہے اگر اسے حبیب سے ملاقات کی آرزو ہوتی ہے جیسا کہ ابن قیمؒ نے کہا ہے:

لَهَا أَحَادِيثُ مِنْ ذِكْرِكَ تَشْغُلُهَا

عَنِ الطَّعَامِ وَتُلْهِيَهَا عَنِ الزَّادِ

”تمہارے ذکر سے اس کی زبان تر رہتی ہے، اسے کھانے پینے کا بھی ہوش نہیں رہتا اور زاد راہ سے غافل ہو جاتی ہے۔“

ایسا شخص زبان حال سے کہتا ہے:

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں

اک جان کا زیاں ہے سوا یسا زیاں نہیں

انسانی جسم کی طرح صالح دل کو بھی تین چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے:

۱۔ مکمل حفاظت

۲۔ زندہ رہنے کے لیے روحانی غذا

۳۔ بیماریوں سے بچانے کے لیے علاج

دلوں کو مادہ پرستی سے بچائیے!

سب سے پہلی چیز جس سے قلب سلیم کو بچانا ضروری ہے، دنیا کی بے جا محبت ہے۔ یہی تمام برائیوں کی جڑ اور فتنہ و فساد کا سرچشمہ ہے۔ دولت کی بے جا ہوس، اقتدار کی ناجائز بھوک اور کرسیوں کی بڑھتی ہوئی طلب نے ساری دنیا کو جہنم کا نمونہ بنا کر رکھ دیا ہے اور اس کا توڑ صرف آخرت پر یقین پیدا کرنے اور اخروی انعامات کو ذہنوں میں بٹھانے سے ہی ہو سکتا ہے ضرورت ہے کہ دنیوی وسائل کی ناپائیداری اور اخروی نعمتوں کی ابدیت اور ہمیشگی ذہنوں میں بٹھائی جائے:

مَاعِنْدُكُمْ يَنْفَدُ مَاعِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ۔

”جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جانے والا ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہی

باقی رہنے والا ہے۔“

ایک مومن کی تربیت کے لیے وہ قرآنی آیات کافی ہیں جن میں دنیوی و اخروی نعمتوں کا تقابل پیش کیا گیا ہے۔ سورہ آل عمران میں دیکھیے :

زَيْنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ
الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَلِكَ مَتَاعُ
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَاَبِ۔ قُلْ أَوْ نَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذَلِكَ
لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا
وَأَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ۔ (۱۴-۱۵)

”لوگوں کے لیے مرغوبات نفس، عورتیں، اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر، چیدہ گھوڑے، مویشی اور زرعی زمینیں، بڑی خوش آئند بنا دی گئی ہیں مگر یہ سب دنیا کی چند روزہ زندگی کے سامان ہیں حقیقت میں جو بہتر ٹھکانہ ہے وہ تو اللہ کے پاس ہے۔ کہو! میں تمہیں بتاؤں ان سے زیادہ اچھی چیز کیا ہے؟ جو لوگ تقویٰ کی روش اختیار کریں ان کے لیے ان کے رب کے پاس باغ ہیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، وہاں انہیں بیٹگی کی زندگی حاصل ہوگی۔ پاکیزہ بیویاں ان کی رفیق ہوں گی اور اللہ کی رضا سے وہ سرفراز ہوں گے وہ اپنے بندوں کے رویے پر گہری نظر رکھتا ہے۔“

ان مادی مرغوبات بطن و فرج کی پکار اور مال اور اولاد کی اندھی محبت سے کہیں زیادہ پرخطر اور مہلک دل کے شہوات اور اس کی ناجائز خواہشات ہیں۔ ہوائے نفس بدترین خدا ہے جس کی اس سرزمین پر عبادت کی جا رہی ہے:

وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللَّهِ۔ (قصص: ۵۰)

”اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جو خدائی ہدایت کے بغیر بس اپنی خواہشات کی پیروی کرے؟“

جاہ و اقتدار کی ہوس، بندگانِ خدا پر اپنی خدائی جتانے کی حرص، نام و نمود اور شوکت و دبدبہ

کے لیے دوڑ دھوپ، کمزوروں کو دبانے اور چودھریوں کی خوشامد کرنے کے لیے چلت پھرت اور اس نوعیت کی دیگر کوششیں دل کو اندھا بہر اور گونگا کر دیتی ہیں۔ اسے زندگی سے محروم کر دیتی اور تباہ و برباد کر دیتی ہیں، ان ہی چیزوں کو امام غزالی نے اِحیاء علوم الدین میں 'مہلکات' (تباہ کن چیزوں) سے تعبیر کیا ہے، حضور کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

ثَلَاثٌ مُّهْلِكَاتٌ شُحٌّ مَطَاعٌ وَهَوًى مَتَّبِعٌ وَاعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهِ۔ (حدیث)

”تین چیزیں بڑی تباہ کن ہیں، بخل جو قابل اطاعت، بن جائے، خواہش جس کی

اندھی تقلید کی جائے اور آدمی کا گھمنڈ“

بڑے افسوس کی بات ہے کہ انسانوں کی ایک کثیر تعداد ان مہلکات سے بے خبر ہے، وہ اپنی تمام تر طاقت اور توجہ ظاہری مہلکات مثلاً چوری، زنا، شراب وغیرہ کو ختم کرنے پر صرف کرتے ہیں بلاشبہ ان کی ہلاکت خیزی مسلم ہے لیکن اوپر کی معنوں مہلکات کے مقابلے میں ان کا نقصان کم اور خطرہ معمولی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان تمام محسوس کی جانے والی تباہ کن چیزوں کے پیچھے نفسیاتی بیماری کام کر رہی ہے جسے اہل نظر خوب جانتے ہیں اسی وجہ سے دعوت اسلامی نے آغاز کار سے ہی دلوں کو تمام دنیوی مرغوبات سے کاٹ کر اللہ کی طرف موڑنے کا اہتمام کیا اور ہر قسم کے فائدہ اور لالچ سے، جو اللہ کے یہاں کچھ بھی نفع بخش نہیں ہوگا نفوس کو پھیرنے کا انتظام کیا۔ اپنی پوری طاقت کے ساتھ دعوت نے اپنا رخ خدا پرستی کی طرف رکھا۔ اسی کے لیے فضا ہموار کی اور وسائل مہیا کیے اور افکار و احساسات کو اسی کے سائے میں پروان چڑھایا۔

انقلابی ایمان کا یہ پہلو اخوان کے تربیتی پروگرام میں بڑی اہمیت رکھتا ہے اور اس کا نہایت درجہ اہتمام کیا جاتا ہے۔ اس لیے دعوت، سب سے پہلے خدا پرستی اور ایمان کی دعوت ہے اور ایمان کی دعوت اللہ وحدہ لا شریک کو ہی اپنا منزل مقصود بناتی ہے اسی کی خوشنودی اس کی تمام سرگرمیوں کا اصل مرکز ہوتی ہے۔

کیا غم ہے جو ہے ساری خدائی بھی مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لیے ہے

اسلام کے گناہ جیالے

اللہ تعالیٰ شکلوں اور صورتوں کو نہیں دیکھا۔ دلوں کا اعتبار کرتا ہے اور ظاہری افعال کے حجم کے لحاظ سے جزا نہیں دیتا بلکہ ان اعمال کی تہ میں کام کرنے والے اخلاص کا بدلہ دیتا ہے اس کی بارگاہ میں وہی عمل مقبول ہے جو خالص اسی کے لیے انجام دیا گیا ہو۔ وہ شرک سے تمام بے نیازوں سے زیادہ بے نیاز ہے اور ریا اور نمود کو شرک خفی کہا گیا گیا ہے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ مشرکانہ اعمال اور مشرک دل سے ذرا بھی لگاؤ نہیں رکھتا۔ مشرک اعمال کو قبول نہیں کرتا نہ ہی مشرک دل کی طرف متوجہ ہوتا ہے:

”فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ
أَحَدًا۔ (کہف: ۱۱۰)“

”پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور
بندگی میں اپنے رب کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرے۔“

اسی وجہ سے یہ بات باعث تعجب نہیں کہ اخوانیوں نے اپنا شعار اللہ اکبر ولله الحمد کو
بنایا اور اپنا اذین نعرہ جس کی وہ اپنے پیروکاروں کو تلقین کرتے اور جس کا مقصد و مفہوم ان کی
عقلوں اور دماغوں میں اتارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ غایتنا (اللہ ہی مقصود ہے) کو بنایا۔
رسالة التعالیم میں حسن البنا شہید نے ”فہم“ کے بیس اسلامی اصولوں کا تذکرہ کرنے کے
بعد بیعت کا دوسرا رکن، اخلاص، ہی کو قرار دیا ہے۔ اس کی تشریح یوں کی ہے:

”اخلاص سے مراد یہ ہے کہ ہمارے مسلم بھائی کے قول و عمل اور اس کی ساری
سرگرمیوں کا مقصد بس خدا کی خوشنودی، رب کی رضا جوئی اور آخرت کی کامرانی ہو۔

وہ کسی مال غنیمت کا حریص نہ ہو، وہ کسی اقتدار یا جاہ و منصب کا بھوکا نہ ہو وہ کسی طرح کے خطابات و القاب کا امیدوار نہ ہو۔ نیز وہ اپنی کوششوں کی کامیابی یا ناکامی کی طرف سے بالکل بے پروا ہو کہ بس اسی صورت میں وہ اغراض و منفعت سے بلند ہو کر عقیدہ و نظریہ کا بے باک سپاہی بن سکے گا۔“

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ۔ (انعام: ۱۶۲-۱۶۳)

”کہو، میری نماز، میرے تمام مراسم عبودیت، میرا جینا اور میرا مرنا، سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے جس کا کوئی شریک نہیں، اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔“

دلوں کے امراض اور نفوس کی بیماریوں کے عارفین جانتے ہیں کہ دعوت اسلامی کے مردانِ کار کے لیے سب سے بڑا خطرہ شہرت و ناموری کی خواہش، آگے بڑھنے اور لیڈری چکانے کا فتنہ ہے۔ اسی وجہ سے رسول کریم ﷺ نے جاہ و مال کی محبت اور شرک خفی یعنی ریا و نمود کی خواہش سے ہوشیار کیا ہے اور قرآن و سنت نے ان مخلص کارکنوں کی ہمت افزائی کی ہے جو اپنی تمام سرگرمیوں کو محض اللہ کی رضا کے لیے انجام دیتے ہیں اور کسی سے بدلہ لینے اور شکریہ وصول کرنے کی امید نہیں رکھتے۔ رسول کریم ﷺ نے اس خاموش تعمیر پسند مسلمان کو شاباشی دی ہے جو لوگوں کی نگاہوں سے بچ کر اپنے فرائض بجالاتا ہے اور اسے کوئی لائق توجہ نہیں سمجھتا، فرمایا:

رَبِّ اشْعَثْ أَغْبَرِزِي طَمَرِينَ لَا يُؤْبَهُ لَهُ لَوْ اقْسَمَ عَلَى اللَّهِ لِأَبْرَةٍ۔ (حدیث)

”کتنے ہی افراد ہیں گرد و غبار میں اٹے ہوئے، بوسیدہ کپڑوں میں ملبوس، جن کی طرف کسی کی نگاہ نہیں جاتی لیکن اگر وہ قسم کھالیں تو اسے اللہ پورا کر دے۔“

ایک حدیث میں ہے:

”خوش نصیب ہے وہ مجاہد، جو اللہ کی راہ میں گھوڑے کی لگام پکڑتا ہے اس کے سر کے بال ٹولیدہ اور قدم غبار آلود ہوتے ہیں اگر اسے محافظوں میں شامل کر دیا جائے تو

اسے کوئی بہت زیادہ خوشی نہیں ہوتی اور اگر اسے فوج کے پچھلے دستے میں رکھ دیا جائے تو اسے کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔“

خدا رحم کرے خالد سیف اللہ رضی اللہ عنہ پر جنہوں نے فوجوں کی قیادت کی تو پوری ذمہ داری کا ثبوت دیا اور ایک عام فوجی کی حیثیت سے جنگ میں شریک ہوئے تو کسی کوتاہی کا مظاہرہ نہ ہونے دیا۔

اخوان المسلمون نے اپنی تربیت و تزکیہ میں ان تمام چیزوں کا سختی سے اہتمام کیا اور قیادت کی لالچ سے ہر ممکن طریقے سے بچنے کی کوشش کی جو اکثر ترقی کے دروازے بند کر دیتی ہے۔ اسی تربیت کا نتیجہ تھا کہ جماعت میں ”گننام فوجیوں“ کی ایک کثیر تعداد ابھری یا جنہیں حدیث میں ان صفات سے پکارا گیا ہے۔

الأبرار الاتقياء الاخفياء الذين إن غابوا لم يفتقدوا وإن حضر والم يعرفوا۔
 ”نیک، متقی اور چھپ کر رہنے والے لوگ، جو غائب ہو جائیں تو ان کی تلاش نہ ہو اور اگر موجود ہوں تو پہچانے نہ جائیں۔“

اور اسی تربیت کا کرشمہ تھا کہ ہم نے ان میں انصار مدینہ کی یہ صفت دیکھی:

يَكْتُمُونَ عَنِ الْفَرْعِ وَيَقْلُونَ عَنِ الطَّمْعِ
 ”جنگ کے وقت بھاری تعداد میں موجود ہوتے ہیں اور مال و غنیمت کے وقت کم تعداد میں۔“

کتنے ہی ایسے افراد تھے جنہوں نے اپنی دولت اور اپنی جانیں قربان کر دیں حالانکہ ان کا نام بھی نہیں لیا جاتا یا ان کی شخصیتوں کا ڈھنڈورا نہیں پیٹا جاتا، اور کتنے ہی ایسے نوجوان تھے جنہوں نے فلسطین اور نہرویز کے محاذوں پر جنگ کی اور سو ماؤں کے درخشاں کارنامے انجام دیے حالانکہ انہیں کسی شاباشی یا زندہ باد کی ادنیٰ خواہش بھی نہ تھی، انہوں نے اپنی بہادری کا چرچا کیا نہ اپنے کمالات شمار کرائے۔ محض اس ڈر سے کہ مبادا غرور یا تکبر کی وجہ سے ان کے اعمال خدا کے

ہاں اکارت ہو جائیں۔

قربِ الہی کے حصول کی فکر

اس کے بعد تحریک کی ذمہ داری ہے کہ وہ دلوں کو اس مرضِ مزمن سے بچانے کے بعد اس کی روحانی غذا کا بندوبست کرے اور یہ چیز اللہ تعالیٰ سے مضبوط و پائیدار تعلق کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ اس کے ذکر و شکر کی انجام دہی اور اس کی بہترین عبادت کرنے سے ہی روحانی غذا مل سکتی ہے۔ اسی وجہ سے اخوان کی ایمانی تربیت کی اساسی بنیاد اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔ انسانوں کی تخلیق کا اولین مقصد یہی ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔ (ذاریات: ۵۶)

”میں نے جن اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔“

عبادت اپنے عام معنوں میں ان تمام اقوال و اعمال پر مشتمل ہے جو اللہ کو محبوب اور پسندیدہ ہیں، لیکن یہاں عبادت سے میری مراد اس کا خاص مفہوم ہے یعنی اس کے شعائر کی اقامت اور ذکر و شکر کے ذریعہ اس کا قرب حاصل کرنا اور مراسمِ عبودیت بجالانا۔

عبادت کے سلسلے میں اخوان نے جن بنیادی عناصر کو اختیار کیا ہے وہ یہ ہیں:

۱۔ سنت کا التزام اور بدعت سے اجتناب، اس لیے کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ اس موضوع پر برادر محترم سید سابق نے اپنی کتاب، فقہ السنہ، لکھی ہے جس کا مقدمہ حسن البنا شہیدؒ نے لکھا ہے اور اس کی تعریف کی ہے اس سے پہلے کے کچھ حصے اخوان کے ہفتہ وار مجلہ میں چھپ چکے ہیں۔ زیر بحث کتاب نے شرعی دلائل کا سہارا لیا ہے اور اخوان کے فقہی مسلک کی بہترین نمائندگی کی ہے۔

۲۔ فرائض کا اہتمام، اللہ تعالیٰ نوافل کو قبول نہیں کرتا جب تک فرائض کی ادائیگی نہ ہو اور امام

بخاری کی روایت ہے کہ حدیث قدسی میں اللہ نے فرمایا: ”میرے بندے کے لیے مجھ سے قریب ہونے کا فرائض کی ادائیگی سے زیادہ محبوب طریقہ اور کوئی نہیں ہے۔“ اس لیے فرض کی تکمیل میں کسی طرح کی سستی یا کاہلی کی گنجائش نہیں ہے۔

۳۔ نماز باجماعت کی ترغیب، جو اختلاف مسالک کے مطابق یا تو فرض عین ہے یا فرض کفایہ ہے یا سنت موکدہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اخوان جب طور کے جیل خانہ میں پہنچے تو انہوں نے فوراً ہریک میں مسجد قائم کی جس میں پنج وقتہ نمازوں کے لیے وہ حاضر ہوتے اور نماز جمعہ بھی وہیں ادا کرتے۔ مجھے شیخ محمد غزالی کی دعائیں اب تک یاد ہیں جو ہر نماز میں ہماری امامت کرتے تھے اور آخری رکعت میں دُعاے قنوت یوں پڑھتے تھے:

”اے اللہ! ہماری بیڑیوں کو اپنی طاقت سے توڑ دے، اور اپنی رحمت خاص سے ہمارے زخموں پر رحم رکھ دے اور اپنی عنایت سے ہمارے معاملے کی نگہداشت کر، اے اللہ تو ہماری کمزوریوں پر پردہ ڈال دے اور ہر قسم کی دھمکیوں سے ہمیں محفوظ رکھ۔“

۴۔ نوافل کی تشویق، اوپر جو حدیث قدسی گزر چکی ہے اس میں ہے کہ ”میرا بندہ نوافل کے ذریعہ مجھ تک قریب ہونے کی کوشش کرتا ہے یہاں تک کہ میں اسے محبوب بنا لیتا ہوں۔“ اس دعوت کے محاذ پر کتنے ہی ایسے نوجوان تیار ہوئے جو روزہ رکھنے والے اور مستقل قیام کرنے والے تھے:

تَتَحَفَّى جُثُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا۔ (سجدہ: ۱۶)
 ”ان کی پٹھیں بستروں سے الگ رہتی ہیں، اپنے رب کو خوف اور طمع کے ساتھ پکارتے ہیں۔“

رات کے راہب

اخوان کو وہی خطاب دیا گیا جو اس سے پہلے صحابہ کرام اور تابعین عظام کو دیا گیا تھا یعنی یہ کہ

وہ رات کے راہب اور دن کے مجاہد ہیں۔ ان کے ایک شاعر نے اپنے ایک عربی ترانے میں ان کی خصوصیات ان ہی کی زبان میں یوں بیان کیں:

”شریف لوگ ہیں جب رات کی تاریکی ہم کو ڈھانپ لیتی ہے
تو ہم محرابوں سے چٹ چٹ کر روتے اور آنسو بہاتے ہیں!!
اور ہم سخت دل فوجی ہیں اگر کوئی ہمیں کسی جنگ
کے لیے ابھارتا ہے تو ہم وہ شیر ہوتے ہیں جو کمزوری نہیں دکھاتا“

اسی سلسلہ میں مرشد شہیدؒ نے رسالہ ”مناجات“ تحریر کیا جس میں تہجد اور رات کے پچھلے پہر کی نمازوں کی فضیلت، دعا و استغفار کی اہمیت اور اس سلسلہ کی آیات و احادیث اور آثار کا تذکرہ کیا ہے۔ خود مرشدؒ رات کی تاریکیوں میں جب لوگ نیند کے مزے لے رہے ہوتے ہیں، تہجد، عبادت گزاری اور قیام کا لطف اٹھاتے تھے، دن کے اجالے میں جب کہ لوگ لہو و لعب میں غرق ہوتے ہیں، خدا کی اطاعت میں مست رہتے تھے، اور اللہ کے ڈر سے نیک بندوں کی طرح رو پڑتے تھے جبکہ خطا کار مذاق اڑاتے ہیں۔ وہ اپنے رب سے دعا و مناجات میں عربی شاعر کے اس شعر کے ہم آواز تھے:

وہ آنکھ جو تیری خوشنودی کے سوا دوسرے مقصود کی خاطر جاگے بیکار ہے
اور تجھ کو چھوڑ کر کسی اور کے کھوجانے پر اس کے آنسو ضائع و برباد ہیں

ایک دوسرا شاعر کہتا ہے:

وہ دل جس میں تیری یاد بسی ہو اسے کسی چراغ کی ضرورت نہیں رہتی
تیری متوقع رضا ہماری سب سے بڑی دلیل ہوگی جس دن لوگ دلائل کے انبار لائیں گے؟

ان باتوں نے اخوان کی عقلوں اور ان کے دلوں پر گہرے اثرات چھوڑے۔ چنانچہ ایک ایسی خدا پرست نسل پروان چڑھی جو محض اللہ کے لیے اپنی راتیں جاگتی تھی اور اس کی خاطر دن کو بھوک پیاس برداشت کرتی تھی۔ ٹھنڈک کی شدت اسے قیام سے روک سکتی تھی نہ چلچلاتی دھوپ

اور آفتاب کی تمازت اسے روزہ رکھنے سے منع کر سکتی تھی۔ اس لیے کہ اسے اپنے رب کی عبادت میں مزہ آتا تھا، اس کی اطاعت میں لذت ملتی تھی اور اس کے حضور کھڑا ہونا اپنی خوش نصیبی سمجھتی تھی۔ اس صورت حال کی بہترین تعبیر کسی مرد بزرگ کے اس قول میں ہے کہ ”اگر بادشاہوں کو اس لذت و سعادت کا پتہ چل جائے تو اس جرم میں وہ ہماری گردنیں ناپ دیں۔“

مجھے جیل خانہ طور کے تہجد گزاروں کی صفیں ہمیشہ یاد رہیں گی۔ جہاں رات کے تہائی حصہ میں کوئی اخوانی موثر آواز میں یوں صدا لگاتا:

يَا نَائِمًا مُسْتَغْرَ قَافِي الْمَنَامِ قُمْ فَادْكُرِ الْحَيَّ الَّذِي لَا نَبَامَ
مولاك يدعوك الى ذكره وَاَنْتَ مَشْغُولٌ بِطِيبِ الْمَنَامِ

”اے سونے والے، نیند میں ڈوبے ہوئے شخص! اٹھ جا، اسی زندہ ہستی کو یاد کر جو سوتا نہیں ہے۔ تیرا آقا تجھے اپنے ذکر کی طرف بلا رہا ہے اور تو ہے کہ خراب خرگوش کے مزے لے رہا ہے۔“

چنانچہ سونے والا بیدار ہو جاتا۔ بوجھل فرد ہلکا ہو جاتا اور ست طبیعت کا آدمی اٹھ بیٹھتا تا کہ رات کی اس مبارک گھڑی میں اللہ کی پاکیزہ خوشبو پا سکے اس توقع کے ساتھ کہ اسے بھی ”سحر میں مغفرت چاہنے والوں“ کی برکت میسر آجائے۔

یہ شبینہ اسکول۔ جس میں نماز، دُعا، قرآن کی تلاوت اور تریل کا انتظام تھا۔ جس میں روح کو غذا اور قلوب کو توشہ فراہم ہوتا تھا۔ ہی ایسے مسلم پیدا کرتا ہے جو رسالت کے بوجھ اور نبوت کی وراثت کو قوت اور امانت داری کے ساتھ سہار سکے، جس طرح نبی کریم ﷺ نے اس بوجھ کو اٹھایا تھا جنہیں مکی دور کے آغاز دعوت ہی میں کہا گیا تھا:

يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ - قُمْ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا - نِصْفَهُ أَوْ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا - أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا - إِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا - (مزل: ۵-۱)

”اے اوڑھ لپیٹ کر سونے والے! رات کو نماز میں کھڑے رہا کرو مگر کم، آدھی رات

یا اس سے کچھ کم، یا اس سے کچھ زیادہ بڑھا دو اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو، ہم تم پر ایک بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں۔“

اس مدرسہ شہینہ سے ایسے نوجوان فارغ ہو کر نکلے جو سچے خدا پرست تھے، جنہوں نے از سر نو اسلاف کے زندہ نمونے ہمارے سامنے رکھ دیے۔ ہم نے ان ربانی نوجوانوں میں ایسے لوگوں کو بھی پایا جنہوں نے اپنی پوری زندگی سوموار اور جمعرات کو پابندی سے روزہ رکھنے کا اہتمام کیا۔ اللہ ہمیں ان کے ذریعہ فائدہ پہنچائے! اور ایسے نوجوان بھی کثیر تعداد میں تیار ہو کر نکلے جنہوں نے نبی ﷺ کے اس قول پر عمل کرتے ہوئے میدان جہاد میں بھی اس سنت کی پابندی کی:

من صام يوماً فسی سبیل اللہ باعد اللہ بذالک الیوم وجهہ عن النار
سبعین خریفا۔ (بخاری)

”جس نے اللہ کی راہ میں ایک دن کا روزہ رکھا تو اس کے بدلے اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو جہنم کی آگ سے ستر سال تک دور رکھے گا۔“

انہیں مجاہد بھائیوں میں سے کوئی ایک بار روزے کی حالت میں زخمی ہوا اور عالم نزع میں اس کے پاس پانی کے چند قطرے لائے گئے کہ اس کی پیاس بجھ جائے تو اس نے کہا: ”رہنے دہ، میں اپنے رب سے روزہ داروں کی حالت میں ملنا چاہتا ہوں۔“

۵۔ ذکر الہی پر ابھارنا۔ اللہ تعالیٰ کہتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا۔ وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا
(احزاب: ۴۱-۴۲)

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! اللہ کو کثرت سے یاد کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہو۔“

سب سے بہترین ذکر اللہ کے کلام کی تلاوت ہے۔ اس کے ایک حرف کے بدلے دس نیکیاں ملتی ہیں۔ ہر اخوانی کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ روزانہ کتاب اللہ کا متعین حصہ تلاوت کرتا رہے

اور احکام تجوید کے ذریعہ حسن تلاوت کی مشق کرے اور ٹھہر ٹھہر کر غور و تدبیر کے ساتھ پڑھے۔ اگر کسی کتاب میں یہ اثر ہوتا کہ اس کے پڑھنے سے شیر ہل اٹھیں، زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے یا اس سے مردے زندہ ہو جائیں تو یہ قرآن عظیم ہوتا۔

ذکر کی قسمیں اور اس کی شکلیں بہت ہیں مثلاً تسبیح، حمد، تکبیر، تہلیل، دعاء، استغفار، اور رد و سلام وغیرہ۔

اور ادواؤ کا کار کا اہتمام

اخوان کے تربیتی نظام میں مذکورہ اذکار و اوراد میں مسنون دعاؤں کا ہی اہتمام کیا گیا جس کی وجہیں بہت سی ہیں:

- ۱۔ مسنون دعائیں اپنا ثانی نہیں رکھتیں نہ تو مضمون میں نہ اسلوب میں۔ یہ دعائیں جامعیت بلاغت، وضاحت اور قوت تاثیر میں اللہ کی نشانیوں میں شمار ہوتی ہیں اور یہ نبوت کی برکت کا نتیجہ ہے۔
- ۲۔ غیر معصوم کلام میں مبالغہ آمیزی یا تفصیر و تفریط کے داخل ہونے کا امکان پایا جاتا ہے اس لیے عام انسانی کلام میں قیل و قال کی گنجائش ہوتی ہے لہذا مشتبہ و مشکوک چیزوں کو چھوڑ کر غیر مشتبہ چیزوں کو اختیار کرو۔

- ۳۔ مسنون ذکر میں دو ہر اجر ہے ایک تو ذکر کا دوسرے اتباع نبی ﷺ کا۔ اس لیے کسی عقلمند کے لیے یہ کیسے مناسب ہو سکتا ہے کہ وہ مفت میں ملنے والے اتباع کا اجر ضائع ہونے دے۔ یہی وجہ ہے کہ مسنون دعاؤں اور اوراد و وظائف پر مشتمل امام شہیدؒ نے ایک مجموعہ ”الماثورات“ کے نام سے تیار کیا جس میں امام نوویؒ کی تصنیف ”الاذکار“ اور ابن تیمیہؒ کی کتاب ”الکلم الطیب“ سے منتخب حصے شامل ہیں۔

کوئی اخوان ایسا نہ ہوگا جس کے پاس یہ رسالہ نہ ہو اور شاید ہی کوئی ایسا نکل آئے جسے یہ دعائیں یاد نہ ہوں اور وہ انہیں صبح و شام دوہراتا نہ ہو۔ ہمارے بہت سے بھائیوں نے موقع کی مناسبت سے ان دعاؤں کے یاد آ جانے کا بہترین انتظام بھی کر رکھا ہے۔ کمرہ شب خوابی میں

سونے اور جاگنے کی دعائیں تختی پر آویزاں ہیں تو ڈانٹنگ ہال میں کھانے پینے کی دعائیں اور ان کے آداب لٹکار رکھے ہیں۔ دروازے پر گھر میں داخل ہونے اور نکلنے کی دعائیں ہر آنے جانے والے کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہیں۔: سواری گاڑیوں میں سوار ہونے کی دعا انسان کو اس کی ذمہ داریاں یاد دلاتی ہے وغیرہ۔

دینی شعور کی بیداری، ذاتی و انفرادی احساسات کی ترقی اور نفس اتارہ پر نفس لوّامہ کو غالب کرنے کے لیے جو وسائل اخوان نے اپنا رکھے ہیں ان میں ایک ”محاسبہ چارٹ“ بھی ہے۔ جس میں انسان کی روزمرہ کی زندگی سے متعلق سوالات درج ہوتے ہیں۔ وہ ان سوالات کو اپنے آپ سے پوچھے اور ”ہاں“ یا ”نہیں“ میں اس کا جواب دے تاکہ اسے معلوم ہو سکے کہ اس نے ان اصولوں کی حفاظت اور پابندی کی ہے یا اس سے کوتاہی سرزد ہوئی ہے۔ محاسبہ کا یہ عمل اس وقت ہوگا جب وہ سونے کے لیے بستر پر چلا جائے تاکہ دن بھر کارناموں کا جائزہ لے سکے۔ یہ محاسبہ اس فرد کے اور اس کے نفس کے درمیان ہوگا جس کا نگران صرف اللہ ہوگا۔

چند سوالات یہ ہیں:

کیا آج تم نے تمام نمازیں ان کی صحیح اوقات میں ادا کی ہیں؟

کیا آج جماعت سے انہیں ادا کی ہیں؟

کیا آج قرآن سے اپنے متعین کردہ حصے کی تلاوت کی ہے؟

کیا آج مسنون دعائیں تم نے پڑھی ہیں؟

کیا آج اپنے کسی بھائی سے محض اللہ کے لیے ملاقات کی ہے؟ وغیرہ وغیرہ

اس ربانی و ایمانی تربیت کا نتیجہ ہے کہ اخوانیوں نے اپنے ملک و وطن اور اپنی دعوت کی راہ میں بیش بہا قربانیاں دیں اور کسی پر احسان نہ جتایا بلکہ ان کا یہ احساس تھا کہ اللہ نے انہیں ایمان کی ہدایت سے نواز کر ان پر زبردست احسان کیا ہے۔ گرچہ شہنشاہیت کے دور میں پھر ناصر کے زمانے میں (۱۹۳۸ء، ۱۹۵۴ء، ۱۹۶۵ء) پے در پے انہیں آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا اور ان پر

عذاب کے کوڑے برسائے گئے لیکن اللہ کی راہ میں پیش آنے والی یہ مصیبتیں ان کے عزم و ہمت کو چیلنج نہ کر سکیں وہ سست نہ پڑے، کمزور ثابت نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ ان میں سے کتنوں کو کتوں نے نوچا، کتنے ایسے تھے جن کی پٹھیں سرخ سلاخوں سے داغ دی گئیں، بہتیروں کے بدن کرین سے پھاڑ دیے گئے۔ بہت سے عہد انقلاب میں مکمل بیس سال تک جیلوں میں پڑے رہے اور بہت سے ساتھی علی الاعلان گولیوں سے بھون دیے گئے جیسا کہ لیمان طرہ کے ”بوچڑ خانے“ میں ہوا۔ ایسے افراد بھی کم نہ تھے جنہیں کوڑوں کی مار سے ختم کر دیا گیا اور ایسے مظلوم افراد کئی دہائی کی تعداد میں ہیں ضروری ہے کہ ان پر سے پردہ ہٹایا جائے اور تاریخ انہیں جان لے۔ ایسے بھائی بھی ہیں جنہیں ناحق پھانسی پر لٹکایا گیا حالانکہ اسلام لانے کے بعد وہ کفر کی طرف نہ پلٹے تھے۔ عفت و پاکدامنی کی لذت حاصل کرنے کے بعد زنا کو منہ نہ لگایا تھا اور ناحق کسی کی جان نہ لی تھی۔ ان کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ اللہ کو اپنا رب اور قرآن کو اپنا دستور مانتے تھے۔

تعب اس پر نہیں ہے کہ انسان گناہ کر بیٹھے بلکہ حیرت اس پر ہے کہ وہ گناہوں میں لت پت رہے اور اسے توبہ کی توفیق نہ ہو۔ گناہ تو آدم علیہ السلام سے بھی ہوا تھا لیکن اللہ نے ان کی توبہ سن لی اور انہیں بخش دیا:

وَعَصَى آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَىٰ۔ (طہ: ۱۲۱، ۱۲۲)

”آدم علیہ السلام نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور راہِ راست سے بھٹک گیا پھر اس

کے رب نے اسے برگزیدہ کیا اور اس کی توبہ قبول کر لی اور اسے ہدایت بخشی۔“

لیکن ابلیس نے گناہ کیا تو اس کی بخشش نہیں ہوئی اس لیے کہ اس نے توبہ نہیں کیا اور اپنے رب سے معذرت نہیں چاہی بلکہ انکار کیا اور اس پر اڑا رہا۔ اس نے کہا: ”میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے“ جبکہ آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی نے یوں دعا کی:

رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ

الْخَاسِرِينَ۔ (اعراف: ۲۳)

”اے ہمارے رب! ہم نے اپنے اوپر ستم کیا، اب اگر تو نے ہم سے درگزر نہ فرمایا اور رحم نہ کیا تو یقیناً ہم تباہ ہو جائیں گے۔“

آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی سے سرزد ہونے والا گناہ ایک عارضی غفلت کا نتیجہ تھا جس کے بعد انہوں نے سچی توبہ کی تو اللہ نے اسے قبول کر لی اور اپنی رحمت و مغفرت کا مستحق قرار دیا، اور ابلیس کا گناہ اللہ کے خلاف سرکشی اس کے احکام کے انکار اور اس کی اطاعت سے انحراف کے نتیجہ میں سرزد ہوا چنانچہ قیامت تک کے لیے اسے ملعون و مردود قرار دے دیا گیا۔

توبہ نصوح کی فکر

اخوان بھی آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اس لیے یہ امر باعث حیرت نہیں کہ ہمیں ان میں سے کچھ خطا کار مل جائیں جو احکام و اوامر کی خلاف ورزی کرتے ہوں اور منہیات کا ارتکاب کرتے ہوں لیکن بہترین خطا کار ہیں وہ لوگ جو خطا ہونے کے بعد سچے دل سے توبہ کریں اور اپنے رب سے مغفرت چاہیں، اور یہی وہ علاج ہے جس سے دلوں کو بیماریوں سے نجات دلایا جاسکتا ہے۔ توبہ بالکل سچی ہونی چاہیے، استغفار صادق ہو اور یہ اس وقت ممکن ہے جب کہ گناہ کا احساس ہو۔ رب کی سزاؤں کا ڈر ہو اور سچے جذبہ عبودیت کے ساتھ اس کے سامنے گریہ و زاری ہو اور اعتراف کی انکساری بھی۔

ان تمام باتوں کے باوجود اخوان نے تمام مصیبتیں صرف اللہ کے لیے برداشت کیں اور اس کی خاطر قربانیاں دیں۔ انہوں نے اپنی جانوں اور مالوں کو اللہ کے لیے بیچ دیا اور اللہ نے جنت کے عوض انہیں خرید لیا اور انہوں نے اس معاہدہ کو فتح نہ کیا نہ اس سے پھرے اور انشاء اللہ آئندہ بھی ایسا نہیں کریں گے۔ جنت کے بدلے میں انہیں کوئی چیز گوارا نہ ہوگی۔

صبر و تسلیم کے ہمالہ

یہی وجہ ہے کہ جن ظالموں نے انہیں قید خانے کی تاریک کوٹھریوں میں محبوس کیا، انہیں ہر

طرح کے عذاب میں مبتلا کیا، ان کے اموال لوٹے، ان کے بال بچوں کو بھوک سے تڑپایا اور ان میں سے بہترے قتل کر ڈالے گئے لیکن ان سے انتقام لینے کا خیال تک اخوان کے دل و دماغ میں نہ آیا۔ کسی نے نہیں سنا کہ انہوں نے کسی جلاد پر حملہ کیا ہو اور اس کی دائیں یا بائیں آنکھ میں گولی چلائی ہو حالانکہ اگر وہ چاہتے تو ایسا کر سکتے تھے۔ ان میں ایسے تربیت یافتہ فوجی بھی تھے جنہوں نے یہودیوں کی ناک میں دم کر دیا تھا اور انگریزوں کی نیندیں حرام کیے ہوئے تھے لیکن ان کی ایمانی تربیت نے اس طرح کے کسی اقدام کی اجازت ہرگز نہ دی۔ بلکہ اپنے دشمنوں کا معاملہ انہوں نے اللہ کے حوالے کر دیا۔ اللہ نے ان میں سے ہر ایک سے یکے بعد دیگرے انتقام لیا آخرت سے پہلے اس دنیا میں ان کی پکڑ کی اور قیامت کے دن ان کا جو انجام ہوگا وہ تصور سے باہر ہے۔

خدا کے غضب کو دعوت دی گئی تھی چنانچہ اخوان نے اپنی آنکھوں سے بہت سے جلادوں کا حشر اسی دنیا میں دیکھ لیا کہ وہ کس طرح ذلت و رسوائی سے دوچار ہوئے، کوڑھی اور پاگل ہو گئے یا قتل کر دیے گئے اور اپنے انجام بد کو پہنچے حتیٰ کہ استاذ الہیعی نے اپنی زندگی ہی میں دیکھا کہ جن لوگوں نے انہیں جیل میں ڈالا تھا وہ خود استاذ مرحوم اور ان کے دوستوں کے ساتھ جیلوں میں ڈھکیلے جا رہے تھے اور داخل ہوتے وقت بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے جب کہ اخوان نے جیل کا استقبال بچوں کی معصوم مسکراہٹ سے کیا۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اخوان تمام کے تمام ایمان کے اس بلند مقام پر فائز ہیں بلکہ سچی بات یہ ہے کہ ایمان کی روشن چھاپ ان کے اوپر گہری ہے اور ان میں سے اکثریت کی محافظ ہے۔ اطاعت اور فرمانبرداری ان کی عام روش ہے جب کہ معصیت کا وجود شاذ ہے۔ شہوات دنیا سے بے نیاز ہو کر اور چند روزہ فوائد کو نظر انداز کر کے انہوں نے آخرت کا توشہ جمع کرنے کی کوشش کی۔ اور ذاتی منفعت سے بلند ہو کر عوامی مسائل کو اپنے سامنے رکھا۔ اب ان میں سے جس کو شیطان نے بہکایا تو اس کے قدم پھسل گئے لیکن جلد ہی اس کا ضمیر بے دار ہو جاتا ہے اور اس کا دل ہوش میں آ جاتا ہے اور وہ رونے لگتا ہے۔ ندامت کے ساتھ اپنے رب کی

مغفرت کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔

مجھے ایک نوجوان کی پریشانی اب تک یاد ہے وہ آغاز جوانی کی عمر میں تھا اس پر چند لمحوں کے لیے غفلت طاری ہو گئی اور نفس امارہ غالب آ گیا تو وہ معصیت میں مبتلا ہو گیا پھر یک بیک اسے ہوش آیا تو دیکھا کہ وہ گندگی میں لت پت ہو چکا ہے اور صراطِ مستقیم سے ہٹ کر گمراہی کے راستے پر جا پڑا ہے اور اسے گناہ کی تلخی کا احساس ہوا جبکہ وہ اطاعت کی حلاوت کا مزہ چکھ چکا تھا۔ اس کا یہ احساس اس قدر بڑھا کہ وہ اپنے گھر میں چھپ گیا بہت دنوں تک روتا اور فرش پر لوٹا رہا، زمین اپنی وسعت کے باوجود اس پر تنگ ہو گئی خود اس کا دل اس کے لیے تنگ ہو گیا۔ چنانچہ اس نے احباب سے ملنا جلنا چھوڑ دیا، اور اپنے رب سے شرم کی وجہ سے، اپنی ندامت اور اپنے ساتھیوں سے فرار اختیار کرنے کے لیے گھر سے نکلنا بند کر دیا تھا حالانکہ اس کے احباب میں سے کسی کو اس حادثہ کی اطلاع نہ تھی، اگر میں نے اس کے پاس نہ لکھ بھیجا ہوتا کہ وہ توبہ اور استغفار کے ذریعہ اپنے رب کی رحمت کے دروازے کھٹکھٹائے۔ میں نے اسے رسول کریم ﷺ کی حدیث یاد دلائی کہ ”جس کو اس کی نیکیاں خوش کر دیں اور اس کی برائیاں اس کو مغموم کر دیں وہیں مومن ہے۔“ اور یہ قول بھی کہ ”وہ برائی جو تجھے مغموم کر دے اس نیکی سے اچھی ہے جو تجھے گھمند میں مبتلا کر دے۔“ ابنِ عطاء اللہ کے اس قول کا بھی تذکرہ کیا کہ ”بسا اوقات تمہارے لیے اطاعت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے لیکن قبولیت کا دروازہ نہیں کھولا جاتا اور کبھی کبھی تم سے گناہ سرزد ہو جاتا ہے جو خدا تک پہنچنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ وہ گناہ جس کے نتیجے میں پستی و انکساری پیدا ہو اس اطاعت سے بہتر ہے جو تکبر اور غرور کے ابھرنے کا سبب بنے۔“

اسلامی اخوت کے ترجمان

وہ بنیادی صفات، جن کی بنیاد پر اخوان کی تعمیر و تربیت ہوئی، ان میں سے ایک اہم صفت اللہ کے لیے محبت اور بھائی چارگی ہے۔ خود اس تحریک کا نام اسی مفہوم پر مشتمل ہے۔ یعنی الاخوان

المسلمون (مسلم بھائی) امام حسن البنا نے اخوت اور بھائی چارہ کو بیعت کا ایک اہم رکن قرار دیا۔ اس کی تشریح وہ کرتے ہیں:

”بھائی چارہ سے مراد یہ ہے کہ ہم محض رشتہ و عقیدہ کی بنیاد پر باہم یک جان دو قالب ہو جائیں کیوں کہ عقیدہ ہی سب سے زیادہ قوی اور قیمتی رشتہ ہے اور اخوت ایمان کا لازمہ اور افتراق و عداوت کفر کا خاصہ ہے۔ علاوہ ازیں سب سے اولین قوت وحدت کی قوت ہے اور محبت کے بغیر وحدت کہاں؟ یہاں یہ بھی ذہن میں رہے کہ محبت کا سب سے کم تر درجہ دل کا کدورت سے پاک ہونا ہے جبکہ اس کا سب سے بلند درجہ ایثار کرنا اور اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دینا ہے۔“

وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ (تغابن: ۱۶)

”جو اپنے دل کی تنگی سے بچا لیے گئے، بس وہی فلاح پانے والے ہیں۔“

”ہمارے ہر مخلص بھائی کو سمجھنا چاہیے کہ اس کے اوپر دوسرے بھائیوں کا خود اس کی اپنی ذات سے زیادہ حق ہے کیوں کہ اگر وہ اس کا نہ ہو سکا تو کسی اور کا کیا ہوگا؟ اسی طرح اور بھائی اگر اس کے اپنے ہو گئے تو پھر دوسروں کے بھی ہو سکیں گے۔ بھیڑ یا ہمیشہ اس بکری کو کھاتا ہے جو گلہ سے دور ہو، یہی حال مؤمنین کا ہے۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی عمارت ہو کہ ایک حصہ دوسرے کو مضبوط رکھتا ہے۔“

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ۔ (التوبہ: ۱۷)

”مومن مرد اور مومن عورتیں، یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔“

ہمارا فرض ہے کہ ہم بھی اسی طرح رہیں اور اپنے عمل سے بالکل اسی انداز کا نمونہ پیش کریں۔

میں نے امام شہید کو ایک بار کہتے سنا:

”ہماری دعوت تین بنیادوں پر قائم ہے۔ گہرے فہم، مضبوط ایمان اور پائیدار محبت پر۔“

امام تحریک کے مرکز میں اپنی ہفتہ وار گفتگو ”مجلس سہ شنبہ“ میں تقریر کا آغاز ترغیبی کلمات سے کرتے تاکہ تحریک کے کارکنان محبت و اخوت کے بندھن میں بندھ جائیں اور یک جان دو قالب ہو جائیں۔ مرحوم اس سلسلہ میں نصوص اور سلف صالح کے واقعات سے بھی مدد لیتے تھے جسے وہ ”محبت سہ شنبہ“ کا نام دیتے۔

دور و نزدیک کا ہر فرد جانتا تھا کہ اخوانی کارکنان میں کس قدر باہمی محبت اور مضبوط رشتہ ہے اور وہ حدیث نبوی ﷺ کی منشا کے کس قدر مشابہ ہیں۔

مؤمن دوسرے مؤمن کے لیے عمارت کی حیثیت رکھتا ہے جس کا ایک حصہ دوسرے کو تقویت پہنچاتا ہے۔ یہ کارکنان باہمی الفت، بھائی چارہ اور اخوت میں ایک ہی خاندان کے متعدد افراد سے کس قدر مشابہ ہیں بلکہ ان سب کی حیثیت ایک جسم کی سی ہے جس کے کسی عضو میں تکلیف ہو جائے تو پورا بدن اس کا کرب محسوس کرتا ہے۔

محبتوں کے متوالے

اخوان نے قومیت، وطنیت، لسانیت اور طبقہ و فرقہ واریت کے سارے بتوں کو پاش پاش کر دیا۔ انہوں نے انسانی تعلقات کے درمیان حائل تمام رکاوٹوں کو ختم کر دیا، انسانوں کو ایک دوسرے سے دور رکھنے والے تمام امتیازات مٹا ڈالے، صرف اسلام کی اخوت باقی رہی۔ اسلام کا رشتہ بچا رہا جو دوسرے تمام رشتوں پر چھا گیا۔

ابی الاسلام لا اب لی سواہ اذا افتخروا بقیس او تمیم۔

”میرا باپ اسلام ہے اور اس کے سوا میرا کوئی باپ نہیں۔ حالانکہ لوگ قیس اور تمیم کے رشتے پر فخر کرتے ہیں۔“

اخوان کے دور میں انجینئر و مزدور، ڈاکٹر و مریض، مدرس اور کسان، شہری و دیہاتی، بزرگ و جوان، خور و کلاں غرضیکہ معاشرے کے سارے طبقے اور ہر عمر کے لوگ شانہ بشانہ کام کرتے نظر

آتے ہیں۔ ان کے درمیان صرف دینی محبت و اخوت کا رشتہ تھا جو اس سے پہلے اصحاب رسول ﷺ میں جنس و نسل اور طبقہ و قوم کے اختلاف کے باوجود پایا جاتا تھا۔ سچ کہا ہے اللہ نے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ۔

”مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔“

قاہرہ میں اخوان کا عوامی مرکز ایک عالمی گھرانہ تھا جس میں جنس و وطن کے سارے بھید بھاؤ ختم ہو جاتے تھے۔ صرف ایک رشتہ کی وہاں گنجائش تھی جو سب سے پائیدار اور مضبوط رشتہ ہے اور وہ رشتہ ہے تقویٰ کا، اسلام کا، خدا پرستی اور خدا ترستی کا۔

اس مرکز میں عربی بھی آتے تھے اور عجمی بھی، افریقی بھی، ایشیائی بھی، شامی بھی اور مغربی بھی۔ کالے بھی اس سے فائدہ اٹھاتے تھے اور گورے بھی، سرخ بھی، زرد بھی، یہ سب مختلف ملکوں سے آتے تھے، مختلف جنس و نسل کے مالک تھے اور متنوع زبانوں کے حامل تھے بلکہ بسا اوقات ان کے ممالک آپس میں باہم دست و گریباں ہوتے تھے لیکن یہاں اس ”گھرانہ“ میں اتحاد اسلامی کے رمز و نشان، ”دار الاخوان“ میں سب بھائی بھائی بن جاتے تھے اور یہ اخوت و اخیات رہتی تھی۔ ان میں بہت سے مصری اخوانی بھائیوں میں مدغم ہو کر ان کا ایک فرد بن گئے تھے اگرچہ جنسیت کے لحاظ سے وہ افغانی، عراقی، ہندوستانی یا کسی اور ملک سے تعلق رکھتے تھے۔

ان فاضل بھائیوں میں عبداللہ عقیل، ہارون المجد دی اور محمد مصطفیٰ اعظمی کا نام مجھے ابھی تک یاد ہے۔ مؤخر الذکر دونوں بھائی ۱۹۵۴ء میں اپنے مصری بھائیوں کے ساتھ جنگی قید خانے میں بھی گئے اور وہاں کی سزاؤں اور تکلیفوں کا مزہ چکھا اور ناصری ظلم و طغیان کے سامنے ان کی جنسیت کا اختلاف بھی انہیں خاموش تماشائی کی حیثیت سے رہنے پر مطمئن نہ کر سکا۔

عظیم داعی اسلام ڈاکٹر مصطفیٰ السباعیؒ نے مجھ سے ایک واقعہ بیان کیا کہ ”اپنی زندگی کے آخری برسوں میں مجھ پر فالج کا حملہ ہوا تو اس کے علاج کے لیے مجھے یورپ جانا پڑا۔ میں ہوائی جہاز سے جس شہر میں بھی اترتا وہاں مختلف الاجناس نوجوانوں کو اپنے انتظار میں پاتا۔ وہ میری

ضروریات اور پسند کی تمام چیزیں اور انتظامات مہیا رکھتے۔“ وہ یہ واقعہ بیان کر رہے تھے، ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی اور وہ کہہ رہے تھے۔ ”بخدا میں ان میں سے کسی کو پہنچا نہ تھا، کسی سے میری ملاقات بھی نہ تھی لیکن عقیدہ کی اخوت اور دعوت کا رشتہ جس کی برکتوں سے اللہ تعالیٰ کبھی ہمیں محروم نہ کرے، ایسا مضبوط تھا جس نے مجھے یہ احساس کرنے پر مجبور کر دیا کہ گویا میں برسوں سے ان کا دوست رہا ہوں اور وہ میرے پرانے شناسا رہے ہیں۔“

اخوت، خدا کی عظیم نعمت

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کے لیے دوستی اور محبت کی نعمت اور اس کے دین کا رشتہ ان تمام احسانات سے بڑھ کر ہے جو خدائے تعالیٰ نے اپنے بندوں پر کیے ہیں اور یہ تعلقات ایمان کا نتیجہ اور ثمرہ ہیں۔ مدینہ میں مومنین کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلْفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ
فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ اِخْوَانًا۔ (آل عمران: ۱۰۳)

”اور اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جو اس نے تم پر کیا ہے، تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اس نے تمہارے دل جوڑ دیے اور اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے۔“

اور اپنے رسول ﷺ پر احسان جتاتے ہوئے کہتا ہے:

هُوَ الَّذِي اَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ۔ وَاَلْفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي
الْاَرْضِ جَمِيعًا مَا اَلْفَتْ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ اَلَفَ بَيْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِيزٌ
حَكِيمٌ۔ (الانفال: ۶۲-۶۳)

”وہی تو ہے جس نے اپنی مدد سے اور مسلمانوں کے ذریعہ سے تمہاری تائید کی اور مسلمانوں کے دل ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیے۔ تم روئے زمین کی ساری دولت بھی خرچ کر ڈالتے تو ان لوگوں کے دل نہ جوڑ سکتے تھے مگر وہ اللہ ہے جس نے

ان لوگوں کے دل جوڑے۔ یقیناً وہ بڑا زبردست اور دانا ہے۔“

دنیا نے ایسے افراد اور جماعتوں کو دیکھا جو آپس میں تعلق اور الفت کا مظاہرہ کرتی تھیں لیکن ان کی یہ محبت دنیا طلبی کے لیے تھی اس لیے اسے دوام حاصل نہ ہو سکا۔ یہ افراد کسی محسوس شہوت یا مادی منفعت کے گرد جمع ہوئے تھے۔ جب انہوں نے شہوت کی تکمیل کر لی، فائدہ حاصل کر لیا یا ان سے یکسر مایوس ہو گئے تو ان کی جمعیت منتشر ہو گئی اور ان کا اتحاد پارہ پارہ ہو گیا بلکہ بسا اوقات ان کی نام نہاد محبت خصومت و عداوت میں تبدیل ہو گئی لیکن جو محبت اللہ کے لیے ہوتی ہے اور اس کی رضا کی راہ میں ہوتی ہے وہ اس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات باقی رہے گی، یعنی ابد الابد تک۔ اسی لیے مشہور جملہ ہے: ”جو محبت اللہ کے لیے ہوگی اسے دوام و استحکام ملے گا اور جو غیر اللہ کے لیے ہوگی وہ ختم ہو جائے گی، ٹوٹ جائے گی۔“

محبت سلاخوں کے پیچھے

یہ مخلصانہ محبت اور سچی اخوت آزمائش کی گھڑیوں اور سختی و تنگی کے حالات میں اور زیادہ پائیدار اور مستحکم ہو جاتی ہے۔ ان حالات میں تعلقات کی نوعیت کا اندازہ ہو جاتا ہے اور مخلص دوستوں اور چاچا پلوں مکاروں کے درمیان فرق نمایاں ہو جاتا ہے۔ شاعر کا یہ شعر کتنا صحیح ہے:

جزی اللہ الشدائد کل خیر

عرفت بها عدوی من صدیقی

”اللہ تعالیٰ ان سختیوں کا بھلا کرے جن کے ذریعہ میں نے اپنے دشمنوں اور دوستوں

کو پہچان لیا۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے یہ اشعار کتنے مبنی بر حقیقت ہیں:

ولا خیر فی ودامری متلون

إذا الریح مالت مال حیث تمیل

”ایسے بے رنگ شخص کی دوستی میں کوئی بھلائی نہیں جو ہوا کے رخ پر بہہ جاتا ہے۔“

جواد اذا استغنی عن أخذ مالہ

وعند زوال المال عنک بخیل

”جب تمہیں اس کے مال کی ضرورت نہیں رہتی تو سخی بنتا ہے اور جب تمہارا مال ختم ہو جاتا ہے تو کج بھائی دکھاتا ہے۔“

فما اکثر الأخوان حین تعدہم

ولکنہم فی النایبات قلیل

”اگر مہمان نوازی ہو تو دوستوں کی کثرت رہتی ہے لیکن مصیبتوں میں وہ تمہارے پاس سے چھٹ جاتے ہیں۔“

اخوان پر کمر توڑ آزمائشیں آئیں تو ان کی دوستی اور محبت نے بڑے عجیب و غریب کرشمے دکھائے۔ کتنے ہی افراد ایسے تھے جن کے گوشتوں سے کوڑے شکم سیر ہوئے۔ ان کے گرم گرم خون نے انہیں سیراب کر دیا لیکن وہ خاموش رہے، اپنے کسی بھائی سے کوئی فریاد نہ کی۔ بسا اوقات ان کی خاموشی اتنی طویل ہوئی کہ جیل کی کال کوٹھریوں میں ان کی روچیں چل بسیں اس حال میں کہ ان کے دل مطمئن تھے لیکن اپنے بھائیوں سے کوئی بات نہ کی، مبادا انہیں بھی پاداش میں تکلیف پہنچائی جائے۔

کتنے ہی نو جوانوں نے اپنی طاقت و استقامت سے بڑھ کر جیلوں کے عذاب برداشت کیے، صرف اس لے کہ جو بھائی کثیر العیال ہیں یا برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، انہیں اس المناک عذاب سے نجات ملی رہے۔

بہترے ایسے نو جوان تھے جو جیلوں سے باہر امداد رسی کا کام کرتے تھے، جنہیں کوئی نہ جانتا تھا لیکن انہیں کی دارو گیر کے بعد ان کے بے سہارا بچے ان سے دیکھے نہ گئے۔ ان کی محبت و حمیت نے جوش مارا اور انہوں نے تعاون اور چندے جمع کرنے کے لیے ایک انجمن بنائی تاکہ یہ

گھرانے جن کے شوہر دوسرے پرست چھین لیے گئے ہیں، مالداروں کی بے نیازی کے بعد انہیں محتاج و بے آسرا بنادیا گیا ہے، عزت و ناموری کے بعد انہیں ذلیل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، ان کی مالی امداد کی جاسکی اور اس کا رخیہ کے نتیجے میں وہ اقتدار کی نظروں میں چڑھ گئے، ان کی گرفتاریاں عمل میں آئیں، انہیں تعذیب و تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ پھر عدالت سے ان کے خلاف فیصلہ ہو گیا۔ تاحیات جیلوں میں انہیں دھکیل دیا گیا اور محنت و مشقت کے کام لیے گئے۔

لیکن ان لوگوں کی گرفتاری بعد والوں کے لیے رکاوٹ نہ ثابت ہو سکی کیوں کہ ان کے یہاں اس بات کی گنجائش بہر حال نہیں تھی کہ اپنے بھائی کی کسی آزمائش کے وقت کوئی بھائی ان کے بچوں کو بے یار و مددگار چھوڑ دے اور ان کی خبر گیری نہ کرے چنانچہ وہی ہوا جو ہونا چاہیے تھا۔ جیل کی کوٹھریوں نے باہمی تعاون اور ایثار کے وہ کارنامے دیکھے جن کے لکھنے میں صفحات کی تنگ دامانی مانع ہے۔ کھانے اور کپڑے کسی قیدی بھائی کے حصے کے آتے تھے تو انہیں اپنے دوستوں میں تقسیم کر دیتا تھا اور خود دوسروں کے بقدر ہی لیتا تھا اور کبھی کبھی تو وہ بھی دوسروں کے حوالے کر دیتا۔ اس اخوت کی نعمت اور جذبہ کی قیمت وہی لوگ جان سکتے ہیں جو یہ جانتے ہیں کہ جیلوں کی زندگی کیا ہے اور وہاں دوسرے قیدی کس طرح اپنے شب و روز گزارتے ہیں۔

مجھے یاد ہے کہ ۱۹۴۹ء میں جب میں 'ہائیکسٹب' کے قید خانے میں تھا تو ہمارے پڑوس میں کمیونسٹوں کا ایک گروپ بھی رہتا تھا۔ وہ آپس میں معمولی معمولی باتوں پر لڑ پڑتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک اپنی ذات کا غلام اور اپنی منفعت کا پجاری تھا۔ کھانے پینے کا جو سامان آتا وہ اس کا اپنا ہوتا۔ جس کمرے وہ رہتے تھے اسے سینٹی میٹر سے ناپ کر بانٹ لیا تھا اور ہر ایک بس اپنے حصے کی زمین پر جھاڑو لگاتا، نہ اس میں کمی کرتا اور نہ اضافہ۔ وہ ہمیشہ دھینگا مشتی کرتے اور باہم برس پر یکا نظر آتے۔

اشاریہ

- الف**
- آئیڈیل داعی: ۱۰۴، ۱۰۳
- آدم علیہ السلام: ۲۶۹، ۲۶۸
- آرڈیننس پارلیمانی انتخابات ۲۰۰۰ء: ۶۳
- آزاد افسروں کی سوسائٹی: ۱۱
- آفندی امین: ۱۱۴
- آفندی فضیلہ: ۱۱۴
- آفندی نصیر حجازی: ۱۱۴
- ابراہیم آفندی مدکور: ۱۱۴
- ابراہیم بک ذکی: ۱۸
- ابراہیم خلیل اللہ: ۲۲۸
- ابراہیم شرف: ۴۸
- ابراہیم الطیب: ۵۷، ۱۶
- ابراہیم الغرباوی: ۱۷۹
- ابراہیم قطب: ۱۵۵
- ابن تیمیہ: ۱۷۸، ۱۹۴، ۲۳۳، ۲۶۶
- ابن الجوزی: ۱۸۱
- ابن حزم ظاہری: ۱۹۰، ۱۹۴
- ابن الحسنی: ۱۹۳
- ابن خلدون: ۱۶۴
- ابن رشد: ۱۷۸
- ابن قیم الجوزیہ: ۱۹۳، ۲۵۴
- ابو ابراہیم کبیر: ۲۲۵
- ابوالاعلیٰ مودودی: ۸۴، ۹۴، ۱۹۰، ۲۱۶، ۲۱۷،
- ۲۳۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹
- ابوالحسن علی ندوی: ۱۹۰
- ابوالحسین: ۲۲۹
- ابوداؤد طیالسی: ۸
- ابوسلیم عبدالحی: ۲۱۷
- ابوالفتوح الشرقاوی: ۱۹۹
- ابوسعود اظہر ندوی: ۲۱۵
- ابوالوفا افغانی: ۱۹۰
- ابوغریب جیل: ۵۹
- الابیاض (ڈاکٹر): ۵۷

- الاتحاد السلامى العالمى للمنظمات
الطلابية: ۱۶۰
- احمد الشوقى: ۱۳۰، ۱۱۶، ۷۹، ۲۵
- احمد الشيبانى: ۸
- الاتحاد النسائى التهذيبى: ۲۰۳
- احمد عبدالرحمن البنا: ۸
- الاتحاد النسائى العربى: ۲۰۴
- احمد العسال: ۲۴۱
- الاتحاد النسائى المصرى: ۲۰۴
- احمد بن على آل ثانى: ۱۸۷
- اجتماعى اخلاقيات: ۲۲۷
- احمد عبدالوهاب ابوالمعز: ۸۰
- اجتهاد كادائرة كار: ۶۴، ۵۵، ۵۴
- احمد الكردى: ۱۸۹
- اجمل فاروقى: ۱
- احمد الحلاوى: ۲۲
- احسان كالمعاشرتى مفهوم: ۲۱۰
- احمد منصور: ۳۸، ۳۷، ۳۶
- احكام القرآن: ۴۲
- احياء شريعت: ۲۱۸، ۷
- احمد آفندى السكرى: ۱۱۶
- احياء علوم الدين / احياء العلوم: ۱۱۳، ۱۸۱،
۲۵۷
- احمد ابوالفتح: ۱۶
- الاخبار (مجلة): ۱۶۰
- احمد تيمور پاشا: ۱۱۴
- الاخوات المسلمات: ۱۱۵، ۱۷۵، ۱۷۶
- احمد حسن زيات: ۱۰۷، ۱۵۶
- الاخوان المسلمون (مجلة): ۹، ۱۵، ۴۵،
۱۵۶، ۱۰۸
- احمد المصرى: ۱۱۵
- اخوان اور تشدد: ۵۵-۵۶، ۶۹، ۷۰، ۷۱،
۹۴-۹۵، ۱۰۵
- احمد بن حنبل: ۸
- اخوان اور جماعت اسلامى: ۹۴
- احمد شهبه پاشا: ۱۰۸
- اخوان كالتظريه ساز: ۱۵۵
- احمد رائف: ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۶
- اخوان ميں دھڑے بندى: ۴۶، ۴۸
- احمد الرفاعى: ۱۸
- احمد الزرقا: ۱۸۹
- احمد السكرى: ۹

- ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی: ۴
- ادیب صالح: ۲۳۵
- إذاعة صوت المجاهدين: ۱۶۷
- ارتقی حکومت: ۱۶۵
- ارویٰ رمضان: ۱۷۰
- الأزهر (مجله): ۷۷
- استحصالی ذہنیت: ۶۶
- اشان فورڈ یونیورسٹی: ۱۵۶
- استنبول یونیورسٹی: ۱۶۰
- اسحق موسیٰ الحسینی: ۱۰۷
- اسد علی: ۱۸۹
- اسرائیلی ریاست: ۲۴
- اسکاؤٹنگ کی تربیت: ۱۱۵
- اسلام اور اشتراکیت: ۱۸۲، ۱۸۵
- اسلام پسند بوگا مبو: ۶۴
- الإسلام وأصول الحكم: ۷، ۳، ۷۳، ۹۶، ۲۰۵
- Islamic Educational, Scientific and Cultural Organization: ۱۶۳
- اسلامک سنٹر (جنیوا): ۱۷۱
- اسلامی بنیاد پرستی: ۳۱
- اسلامی انتہا پسندی: ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۲۰، ۳۱
- اسلامی متبادل: ۶۳، ۶۴
- اسلامی مزاحمت: ۳۲
- اسلامی فقہ اکیڈمی (جدہ): ۱۶۲
- اسمائے حسنیٰ: ۱۳۳
- اسماعیل راجی الفاروقی: ۱۶۲
- اسماعیل عز: ۱۱۵
- Association of Muslim Social Scientists: ۱۶۶
- اشتراکیت (مصر میں): ۱۸۲، ۱۶۷
- اشتراکیۃ الاسلام: ۱۸۴
- أشداء على الكفار: ۲۴۱
- اعجاز القرآن: ۷۵
- افغانستان میں امریکی ظلم: ۵۹
- افغانستان میں مسلم دھڑے بندی: ۲۱۲
- إفک کا واقعہ: ۱۲۲
- اقامت دین: ۷، ۸، ۲۴۳
- اقصیٰ مسجد: ۲۲۵
- اقلیتوں پر ظلم: ۶۲
- اقوام متحدہ کی قرارداد: ۳۳
- الہام شدہ روح: ۲۱۲
- الوہی توفیق: ۷۲

- امان اللہ فہد: ۱۰
 امجد الزہاوی: ۱۹۵
 ام کلثوم کے گانے: ۱۳۱، ۱۳۰، ۲۵
 امریکہ اور دہشت گردی: ۵۳
 امریکی مداخلت: ۳۳، ۳۲
 امریکی جارحیت: ۶۰، ۵۹، ۵۲
 امیر حمزہؑ: ۲۲۸
 امیر عبدالقادر اسلامک یونیورسٹی الجزائر: ۱۷۸
 امین احسن اصلاحی: ۲۲۶، ۲۱۶
 امینہ قطب: ۱۱۸، ۱۶
 امین عثمانی: ۱۵۱
 انٹرنیٹ کا اخوانی استعمال: ۵۴
 انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس: ۶۰
 انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی (میلشیا): ۱۶۶
 انجمن اخلاق حسنہ: ۹۷
 انجمن اطباء مصر: ۲۸
 انجمن شباب محمد: ۱۸۴
 انصاف و ترقی پارٹی (ترکی): ۵۰
 انطون جمیل: ۸۰
 انعام الرحمن خان: ۲۱۶
 افتتاح (مصر): ۲۱
 انگریزوں کا انخلا: ۹
 انور الجندی: ۲۱۹
 انور السادات: ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۵۸، ۱۲۸،
 ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۷۵، ۱۷۶،
 الأهرام اخبار: ۲۷، ۲۰۵
 اہل سنت علماء: ۱۳
 ایڈورٹائزنگ کمپنی (اخوانی): ۱۱۰
 ایران میں غیر ملکی مداخلت: ۶۱
 ایریل شارون: ۵۱
 ایسوسی ایشن آف مسلم سوشل سائنسٹس: ۱۶۶
 ایشیا ہفت روزہ: ۴
 ائیمین (ڈاکٹر): ۱۷۰
 اینگلو مصری پیکٹ: ۱۵۷
ب
 الباقوری (استاذ): ۷۷
 بحران (اسلامی تحریکوں کا): ۱۶۸
 بحرین میں اسلام پسند: ۴۹
 البدر (مشرقی پاکستان): ۱، ۲۲۸
 بدیع الزماں سعید نوری: ۲۱۳
 برتھ کنٹرول کی حمایت: ۲۰۵
 برطانوی استعمار: ۵۸، ۱۸۴

- بعثیت (عراق و شام میں): ۱۶۷
- بغداد یونیورسٹی: ۱۶۳
- بلال رمضان: ۱۷۰
- الہی الخولی: ۲۱۹، ۲۱۱، ۲۱۴
- بیت المقدس المیہ: ۱۹۶۷ء:
- بین الاقوامی تعلقات اور اسلام: ۱۶۵
- پ**
- پارلیمانی انتخابات (۱۹۹۵ء) کا مقاطعہ: ۲۶
- پارلیمانی انتخابات ۲۰۰۵ء: ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵
- پاکستان میں اسلام پسند: ۴۹
- پرسترایکا: ۱۶۹
- پروٹوکولز (صہیونی): ۲۳۷
- پستول کے ساتھ مرشد عام: ۵۸
- پنسلوانیا یونیورسٹی: ۱۶۵
- ت**
- تاج الدین السبکی: ۱۹۳
- تاتاریوں کے خلاف مزاحمت: ۱۶۵
- تجدد: ۷۰، ۹۶
- تجدید و احیائے دین: ۱۵۴، ۱۶۶
- تحریر المرأة: ۷۰، ۷۴، ۹۶
- تحریک بے حجابی (مصر میں): ۲۰۴
- تحریک مزاحمت: ۵۹، ۶۰
- تحریک نسواں اور الحاد: ۲۰۳-۲۰۴، ۲۰۵
- تذکرہ قرآن (تفسیر): ۲۲۶
- ترجمان القرآن لاہور: ۴۱، ۴۵، ۲۱۶
- ترکی میں اسلامی تحریک: ۵۶
- ترکی میں الحاد: ۹۶
- ترکیہ بمقابلہ سیاست: ۴۱
- تشدد (اسلام میں): ۱۱
- تشدد اور سید قطب: ۷۰
- التشریع الجنائی الاسلامی: ۱۵۸
- التعارف (ہفت روزہ): ۹، ۱۰۸
- تقیم عوامی خدمات: ۱۸۴
- تفہیم القرآن: ۲۲۶
- تکافل اجتماعی: ۱۸۴-۱۸۵
- تکفیر اور اخوان: ۱۱، ۱۲، ۱۴، ۳۹، ۷۰، ۱۵۴
- تکمیلی اوصاف تربیت: ۲۲۰
- تلپیس ابلیس: ۱۸۱
- تنفیخ معاہدہ سویز: ۱۱
- تہافت التہافت: ۱۷۸
- تہافت الفلاسفہ: ۱۷۸
- ث**

- ۲۳۴، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۵۴، ۲۵۸، ۲۶۱، ۲۶۳، خدمت خلق اور تربیت: ۲۲۶
- ۲۷۲، ۲۶۶ خرم مراد: ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۷
- حسن عبدالحمید: ۱۱۴ خروج (ملت سے): ۱۵، ۱۴
- حسن مامون: ۱۳۶ خضری بک: ۱۱۳
- حسن ہویدی: ۱۹۱ خلافت اسلامی کا تصور: ۷۵
- حسین سری پاشا: ۱۵۱، ۹۰ خلافت راشدہ: ۵۵
- حسین عمارہ (الحاج): ۲۲۴ خلافت عثمانیہ: ۱۸۹، ۹۶
- حصافہ طریقہ: ۱۱۴، ۲۲۱، ۲۳۳ خلق قرآن کا مسئلہ: ۱۹۳
- حضارۃ الاسلام: ۱۸۵ خلیجی بحران: ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۷
- حماس فلسطین: ۵۰ خلیل احمد الحامدی: ۱۱۰، ۱۱۱، ۲۱۶
- حمزہ سیونی: ۱۴۴ خلیل محمد عیسیٰ: ۲۲۵
- حمید الدین فراہی: ۲۳۰ خواتین کی پُر تشدد شرکت: ۲۰۳
- حمیدہ قطب: ۱۱۸، ۱۶ خواتین پر ظلم: ۶۲
- حیدر رفقہ: ۱۸۷ خواتین اور جنگ آزادی: ۲۰۳-۲۰۴
- خورشید احمد: ۴۲، ۴۴
- و
- خالد اسلامبولی: ۷۹ دار التعاون الإصلاحی: ۲۰۴
- خالد سیف اللہ: ۲۶۰ دار المصنفین (اعظم گڑھ): ۳
- خالد محمد خالد: ۱۸۲، ۱۸۳ داعی یاداروغہ: ۱۱، ۱۲، ۷۰
- خالد محمد خالد کی سوانح: ۲۰۵ دانشوائے واقعہ: ۱۹۰۶، ۱۵۱
- خانقاہی نظام تربیت: ۲۲۶ الدستور روزنامہ: ۷۶
- حُبیب بن عدی: ۲۴۲

زینب الغزالی: ۱۳۷-۱۳۶، ۱۳۶-۱۳۷، ۱۳۷-۱۳۸

س

ساجد الرحمن صدیقی: ۲۱۵

السادات کی تحسین: ۱۲۹-۱۳۰

سامراجی منصوبے (اسلام کے خلاف): ۱۹۷

سامی جوہر: ۱۳۲

ستمبر ۱۱/۲۰۰۱ء حادثہ: ۵۲

ستر شعبے (ایمان کے): ۲۵۱

السخاوی (الحافظ): ۱۹۳

سطوت ریحانہ: ۷۴

سعید علی: ۲۱۳، ۲۳۸، ۲۳۹

سعید رمضان: ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱

سقوط خلافت: ۱۷۹

سلطان احمد اصلاحی: ۲۱۴

سلفی دعوت: ۸۷، ۹۸

سلیم منصور خالد: ۲۳۶، ۱

سنت یوسفی: ۱۹، ۳۵

سنٹر فار پالیٹکل اینڈ سٹراٹیجک اسٹڈیز: ۲۷

سنی مسلک: ۸۷، ۹۸

سوڈان کا المیہ: ۶۱

سوزان: ۷۳

دعاء لأقضاة: ۱۲، ۷۰، ۱۲۷، ۱۵۴

الدعوة (ہفت روزہ): ۲۱، ۱۰۸، ۱۲۹، ۱۷۶

دمشق یونیورسٹی میں خدا کا جنازہ: ۹۶

و

ذکی الغربی: ۱۱۵

الذہبی (الحافظ): ۱۹۳

ر

رابطہ ادب اسلامی (لکھنؤ): ۲

رابطۃ العالم الاسلامی: ۱۶۲، ۱۷۱، ۱۸۶

راغب الطباخ: ۱۸۹

ربانیت کا تصور: ۲۵۰

رُحماءُ بینہم: ۴، ۲۴۰

رسالة التعالیم: ۹۹، ۲۱۳، ۲۵۸

رشید رضا: ۷، ۷۵، ۱۱۴

روحانیت اور ڈاکٹو: ۲۱۱

روس کی غلامی: ۱۳۵

روکس معکرون: ۱۳۲

روگن (امریکی): ۷۰

ز

الزبیدی (الحافظ): ۱۹۳

الزہراء (مجلہ): ۷۷

سوویت یونین کا زوال: ۱۶۷

سویز نہر اور عالمی سیاست: ۵۸، ۱۶، ۱۱

سمیل بشیر کار: ۴

السیارة الحبيب کیس: ۳۵

السیاسة (ہفت روزہ): ۹۶

سیاسی اصلاحات: ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹

سید احمد قادری: ۲۳۵

سید اسعد گیلانی: ۲۳۶

سید حامد علی: ۲۱۶، ۲۱۷

سید سابق: ۲۶۱

سید الشہداء: ۲۲۸

سید قطب: ۱۶، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۸۴، ۸۸، ۱۱۸، ۱۲۰

۱۲۵، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۷۲، ۲۱۴، ۲۲۶

سید قطب کا دفاع: ۷۰

السيدات المسلمات: ۱۳۷، ۱۴۰، ۱۴۲

۱۷۵، ۱۷۷

سینا کا جزیرہ نما: ۲۱

ش

شام میں غیر ملکی مداخلت: ۶۱

شاہ فاروق: ۱۰، ۱۱، ۲۶، ۳۶، ۱۵۷

شاہ فیصل شہید: ۱۹۶

شُبَّان المسلمین: ۱۰

شبیر احمد عثمانی: ۲۳۳

الشرق الأوسط: ۷۸، ۱۲۴، ۲۰۵

شرک خفی: ۲۵۸، ۲۵۹

شرکت پارچہ بانی اخوانی (۱۹۴۸ء): ۱۰۹

شرکت تجارت و اعمال ہندسہ (اخوانی): ۱۰۹

شرکت تجارتیہ (اخوانی): ۱۱۰

شرکت جریہ یومیہ (اخوانی): ۱۰۹

شرکت عربی اخوانی: ۱۰۹

شرکت معاملات اسلامیہ (اخوانی): ۱۰۹

شرکت مطبعہ اسلامیہ (اخوانی): ۱۰۹

شریف کامل: ۱

الشعاع (ہفت روزہ): ۹، ۱۰۸

شکری احمد مصطفیٰ: ۷۸، ۲۱۳

شکلب ارسلان: ۲۰۶

شمس بدران: ۱۳۵

الشہاب (ہفت روزہ): ۸، ۱۰۸، ۱۷۰

شہاب الدین شافعی قسطلانی: ۱۱۳

شہادت کے وقت شاعری: ۱۴۶، ۲۳۲

شہدائے اسلام: ۱۵۴

شہید القدس: ۱۹۶

الشوریٰ جریدہ: ۱۳۲

شوریٰ اور مغربی پارلیمان: ۲۰۵

شورائی نظام: ۳۲، ۲۷

الشوقیات: ۸۰

شیطانی آیات: ۱۶۱

ص

صالح ابورقیق: ۷۷

صالح عثمانوی: ۷۷

صدّام حسین: ۳۲، ۳۳

صدر الدین اصلاحی: ۲۱۷

صفوت الروبی: ۱۴۴

صلاح الدین یونیورسٹی (اردنیل): ۱۶۳

صلیبیوں کے خلاف مزاحمت: ۱۶۵

صوفیانہ ادبیات: ۲۳۵

صومعہ کی نفی: ۱۰۷

صہیونیت اور تشدد: ۳۲، ۳۳، ۵۹، ۶۰

ط

طارق رمضان: ۱۷۰

طاہوت کا قصہ: ۹۳

طہ جابر العلوانی: ۱۶۱، ۱۶۲

طہ حسین: ۷۷، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۹۶، ۱۵۶

ظ

الظاہرۃ القرآنیۃ: ۲۰۶

ظفر اللہ تھانوی: ۱۹۳

الظلّ الأسود: ۱۹۹

ع

عاجلانہ اقدام اور تحریک اسلامی: ۲۲۵

عادل کمال: ۵۷

العاصمۃ (جریدہ): ۷۷

عبّاس محمود العقّاد: ۱۵۶

عبدالباطن: ۲۲۹

عبدالباقی سرور: ۱۱۵

عبدالبدیع صقر: ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۲۱۵

عبدالحفیظ احمد: ۱۵۰

عبدالحق بیوپاری: ۲۲۹

عبدالحکیم عابدین: ۷۷

عبدالخلیم محمود: ۱۸۹

عبدالخلیم ندوی: ۳

عبدالحمید (شیخ): ۱۱۶

عبدالحمید احمد ابوسلیمان: ۱۶۵، ۱۶۶، ۲۳۸

عبدالحمید بن بادیس: ۲۰۶، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۳۰،

۲۳۱، ۲۳۲

- عبد الحمید خطاب: ۲۳۲
عبد الرحمن البنا: ۷۷
عبد الرحمن حسب اللہ: ۱۱۵
عبد الرحمن سندى: ۱۷
عبد السلام عارف: ۱۵۷
عبد العزیز (ملک): ۲۰۸
عبد العزیز بلال: ۱۷۹
عبد العزیز پاشا: ۱۱۴
عبد العزیز خولی: ۱۱۴
عبد العزیز عطیہ: ۱۳۰، ۱۳۱
عبد العزیز القلماوی: ۱۸
عبد العظیم الزرقانی: ۱۷۹
عبد العظیم المظعنی: ۲۳
عبد الغفار حسن رحمانی: ۲۱۷
عبد الغفار عزیز: ۸۲
عبد الفتاح ابو غده: ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳
عبد الفتاح اسماعیل: ۱۷۶، ۱۸۰
عبد الفتاح کیر شاہ: ۱۱۴
عبد القادر عوده: ۱۶، ۱۵۸، ۱۵۹
عبد الکریم زیدان: ۲۱۴
عبد الکریم قاسم: ۱۹۵
عبد اللہ الصدیق الغماری: ۱۸۹
عبد اللہ العقیل: ۱۸۶، ۲۷۶
عبد اللہ گل: ۵۰
عبد اللہ النعمه: ۱۹۴
عبد اللطیف: ۱۶
عبد الماجد العیسیٰ: ۵۷
عبد المتین منیری: ۴
عبد المجید احمد حسن: ۵۷
عبد المجید دراز: ۱۸۹
عبد المععم عبد الفتاح: ۲۶
عبد الوہاب: ۲۲۹
عبد الوہاب الجانونی: ۲۴۱
عبد الہادی پاشا: ۱۰
عبید اللہ فہد فلاحی: ۳، ۸۲، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۳۷، ۲۳۸
عدالت استغاثہ مصر: ۴۳
عتیق الرحمن عثمانی: ۱۹۰
عثمانی جلادت: ۲۲۴
عدالت استغاثہ مصر: ۴۳
عدالتی کمیشن کے قیام کا مطالعہ: ۶۱
عذر اء جا کرتا: ۱۹۹

- عراق پر امریکی حملہ: ۵۹، ۵۲، ۵۱، ۳۳
- عراق - کویت جنگ: ۳۲
- عراقی جارحیت: ۳۲
- عراقی مزاحمت: ۶۰، ۶۷
- عراقی میزائل (اسرائیل پر): ۳۳
- عرب - اسرائیل جنگ ۱۹۶۷ء: ۱۵۱
- عرب اسلامی اتحاد: ۲۰۸
- عرب چوٹی کانفرنس: ۲۰۸
- عرب قومیت: ۹۶
- عرب لیگ: ۹
- عربیت اور اسلام: ۲۳۲
- عروبہ: ۲۳۱، ۲۳۲
- العروۃ الوثقیٰ: ۷۴، ۷۵
- عز الدین ابوشادی: ۵۷
- عز الدین القسام: ۲۲۴، ۲۲۵
- عزیز صدیقی: ۶۸
- عسکری مزاحمت: ۲۱۹، ۲۲۲
- ’عشق‘ کی مخالفت: ۲۳۵
- عصام العریان: ۴۶
- عصام الحطّار: ۱۸۵
- عصام الغازی: ۱۲۴
- عصمت انبیاء: ۱۷
- عطاء الرحمن: ۲۲۹
- علی بن ابی طالبؑ: ۲۷
- علی ابوالنصر: ۲۵
- علی شعراوی: ۲۰۳
- علی عبدالرازق: ۷، ۳۷، ۹۶
- علی بن عبداللہ آل ثانی: ۱۸۷
- علی قاری (امام): ۱۹۳
- علی ماہر پاشا: ۵۸
- عماد الدین خلیل: ۱۶۳-۱۶۵
- عمالقہ الشمال: ۱۹۹
- عمر تلمسانی: ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۳۵
- ۳۷، ۴۱، ۴۲، ۴۵، ۴۷، ۷۱، ۱۲۲-۱۳۱، ۱۵۲
- عمر طاسین: ۱۰۸
- عمر عبدالرحمن: ۲۲، ۲۳
- عمر بن عبدالعزیزؒ: ۱۶۵
- عوامی شراکت: ۱۱
- عوامی مینڈیٹ: ۶۵
- عیسیٰ البانونی: ۱۸۹
- عیسائی - مسلم فسادات: ۲۳، ۲۴

غ

الغزالیؒ (امام): ۱۱۳، ۱۸۷، ۱۸۱، ۲۵۷
غزوات بدر و حنین: ۲۲۸

ف

فاتحین سلاسل: ۱۵۴
فاسد بینداری کے نقصانات: ۱۷۹-۱۸۰
الفتح (مجلہ): ۷۷، ۱۱۵
فتحی کین: ۱۶۶-۱۶۹، ۲۱۴، ۲۱۵
فخر الدین رازی: ۱۶۲
فرانس سوار اخبار: ۱۵۹
فرانسیسی استعمار: ۱۸۳، ۲۱۸
فرحات سلیم: ۱۱۴
فرعون: ۶۶، ۶۸
فرعونی تہذیب: ۹۶

‘فرقان’ کا قرآنی تصور: ۲۱۲، ۲۴۴-۲۴۵
فرقة الرحلات: ۱۱۵

فرید بک: ۱۱۷

فرید عبدالحق: ۷۷، ۷۸

فضل الرحمن فریدی: ۴

فکری انحراف: ۳۹

فکری انحراف کے عوامل: ۴۰-۴۱

فقہ کونسل آف نارتھ امریکہ: ۱۶۲

فلسطين کا جہاد: ۳۸، ۴۵، ۵۱، ۶۰، ۶۷

۱۰۶، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۹۶، ۲۲۵

فکار اور اخلاق عالیہ: ۲۵، ۱۳۱

فوائد الاول انعام: ۱۵۸

فوائد ابراہیم: ۱۱۵

فوبیا (اخوان کا): ۶۵، ۶۶

فی الشعر الجاهلی: ۷۷، ۷۸، ۹۶

فی ظلال القرآن: ۱۵۷، ۲۲۶، ۲۳۵

فیصل بن حسین: ۹۲

فیصل (شاہ) کی سوانح: ۲۰۸

فیصل بن عبدالعزیز: ۱۹۶

فیصل بن مساعد: ۲۰۸

ق

قاسم امین: ۷۷، ۷۸، ۹۶

القاعدة: ۶۹

قطبی عیسائی اور اخوان: ۳۴، ۳۷

القبلة (جریدہ): ۷۷

القدس (جریدہ): ۱۹۸

قرآن اور تلوار: ۵۶، ۸۷، ۱۰۷

قرآنی حکومت: ۱۶، ۱۷، ۶۶

ل

لبرل اسلام پسند: ۱۷۰

لواء الإسلام: ۱۷۶

لیالی ترکستان: ۱۹۹

لومونڈ (فرانسیسی اخبار): ۳۰

م

مالک بن انس: ۲۳۰

مالک بن نبی: ۱۸۳

مالک بن نبی کی سوانح: ۲۰۵-۲۰۶

المباحث (ہفت روزہ): ۱۰۸

مباہیت کا اجتماعی تصور: ۱۸۴

متصادم تکثیریت (لبنان میں): ۱۶۸

متصوفانہ اصطلاحات: ۲۱۹

مجاہد الصوف: ۱۹۶

المجتمع (کویت): ۲۰، ۳۹، ۳۰، ۳۱،

۸۲، ۵۸، ۳۶

مجلس سہ شنبہ: ۲۷۳

المجلہ میگزین: ۶۳

محب الدین الخطیب: ۷، ۶، ۷، ۸، ۱۱، ۱۱۵،

محب سہ شنبہ: ۲۷۳

محبة يوم الثلاثاء: ۲۴۰

قطبی (تشدّد): ۷۱، ۶۹

قطریہ یونیورسٹی: ۱۷۸

قومیت و وطنیت: ۹۶، ۱۰۶، ۱۶۰، ۱۶۷

۲۷۳، ۲۳۲، ۱۸۲

ک

کامل الشریف: ۲۴۱

کراچی یونیورسٹی: ۱۶۷

کرداسہ المیہ: ۱۳۳-۱۳۶

کفر بالطاغوت: ۱۳

کفایہ تحریک: ۶۵

کلید انقلاب (تزکیہ): ۱۸۶

کمال آفندی لبنان: ۱۱۴

کمال الدین حسین: ۱۳۲

کولون یونیورسٹی (جرمنی): ۱۷۱

کولوریڈوز ٹیچرز کالج: ۱۵۶

کیپ ڈیوڈ معاہدہ: ۲۱، ۲۲، ۲۴، ۱۵۰

گ

گانڈھی جی، ۲۰۶

گوانتانامو بے: ۵۹

گوریلا تربیت: ۲۲۴

محمد رفیعی الاسلام ندوی: ۲۱۵، ۴	مُحَرَّرُ الْمَرْأَةِ: ۷۴
محمد زاہد الکوثری: ۱۸۹	محمد آفندی شرنوبی: ۱۱۴
محمد سالم سالم: ۱۴۲، ۱۴۱، ۱۴۰	محمد بن ادريس الشافعي: ۸
محمد سعد: ۱۱۵	محمد ادريس كاندهلوی: ۱۹۰
محمد سعيد العريان: ۷۶	محمد اشرف علی: ۲۰۳
محمد سلام مدکور: ۷۴	محمد اقبال: ۱۹۹
محمد سليم عطيه: ۱۱۴	محمد الیاس (مشرقی پاکستان): ۲۲۹
محمد سمیع اختر: ۲۴۵	محمد البدیع: ۱۵۵، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶
محمد شفیع (مفتی): ۱۹۰	محمد بشر: ۱۱۴
محمد صفطاوی: ۲۴۱	محمد بک امین: ۷۴
محمد صلاح الدین عمری: ۲۰۳، ۲۰۲	محمد پاشا مخزومی: ۷۴
محمد عبداللہ: ۴۵	محمد حامد ابوالنصر: ۳۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱
محمد عبدالمالک: ۲۲۸	۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱
محمد عبده: ۷۷، ۷۶، ۷۵	۱۵۴، ۷۱
محمد العدوی: ۱۱۴	محمد حبیب: ۷۱
محمد علی: ۲۲۹	محمد حسنی مبارک: ۲۴، ۲۷، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳
محمد علی بدیر: ۱۱۸	محمد حسین الذہبی: ۷۸
محمد علی توفیق: ۱۰۸	محمد الحکم: ۱۸۹
محمد بن شعر اوی: ۲۰۳	محمد الخضر حسین: ۱۱۴، ۱۸۹
محمد علی الظاہر: ۱۳۲	محمد خورشید: ۸۰
محمد عنایت اللہ سبحانی: ۲۱۳، ۱۱۰	محمد ذکریا کاندھلوی: ۱۹۰

- مسجد الشہداء، سویر: ۲۲
- مسعود الرحمن خاں ندوی: ۲۳۶
- مسلم سجاد: ۲، ۱، ۲، ۴
- المسلمون (ہفت روزہ): ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶
- ۲۰۵، ۱۸۵
- مشرق وسطیٰ میں جمہوریت: ۶۱
- المصری اخبار: ۱۵
- مصری انٹلی جنس کی حیرانی: ۱۸۷-۱۸۸
- مصری بغاوت ۱۹۱۹ء: ۱۱۷
- مصری دستور، دفعہ ۲: ۶۳
- المصريّة (ماہنامہ): ۲۰۴
- المصوّر جریدہ: ۲۰۵
- مصطفیٰ الزرقا: ۱۸۹
- مصطفیٰ السباعی: ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۲۱۵، ۲۷۲
- مصطفیٰ شوکت عمران: ۲۲۸
- مصطفیٰ صادق رافعی: ۷، ۵۷
- مصطفیٰ صبری: ۱۸۹
- مصطفیٰ کامل: ۱۵۵
- مصطفیٰ کمال: ۲۲۹
- مصطفیٰ محمد الطحان: ۱، ۸۰، ۱۵۹، ۱۶۰
- مصطفیٰ المراغی کی سوانح: ۲۰۷-۲۰۸
- مصطفیٰ المراغی: ۱۹۴
- مصطفیٰ مشہور: ۲، ۲۳، ۳۴، ۳۶، ۳۷، ۳۸
- ۳۹، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۸، ۷۱، ۱۵۵
- مصطفیٰ نحاس پاشا: ۱۰، ۱۴۱
- معاشرتی تشدد: ۶۲
- معاشرتی روحانیت: ۲۱۱-۲۱۲
- معادہ اخلاء (برطانیہ سے): ۱۵
- معروف شاہ شیرازی: ۱۳۸
- المعهد العالمی للفکر الاسلامی: ۱۶۲،
- ۱۶۶، ۱۶۵
- معین الدین: ۲۲۹
- مغرب پرستی و اباحت: ۹۶
- مفتاح التحویل: ۱۸۶
- المقطم (اخبار): ۱۸
- ملوکیشن: ۱۱۷
- ملی سلامت پارٹی: ۲۱۳
- المنار تفسیر: ۷۵
- المنار رسالہ: ۹، ۷۵، ۱۰۸، ۱۸۵
- المندری (الحافظ): ۱۹۳
- منصور حسن (سید): ۲۳

- منظمة المؤتمر الاسلامی: ۱۲۲، ۱۲۱، ۱۲۰
منیر الدّٰہ: ۷۷
المؤتمر العالمی للتجمّعات الاسلامیة: ۱۶۰
موروثی اقتدار: ۶۶
موروثی بادشاہت: ۶۶، ۱۵۸
موسیٰ الحسینی: ۱
الموصل یونیورسٹی (عراق): ۱۶۳
المؤید: ۷۶
مہلکات: ۲۵۷
ن
نائن الیون: ۵۱
ناجی البوزید: ۲۲۵
ناصرزم: ۱۶۷
ناوابستہ ممالک کانفرنس (مصر): ۲۰۸
نجداء، ڈاکٹر: ۲۳۷
نجم الدین اربکان: ۲۱۳
نجیب سراج الدین: ۱۸۹
نجیب الکلیلانی: ۱۹۷-۲۰۰
نحاس پاشا: ۱۰۸
النذیر (ہفت روزہ): ۱۰۸
نسیم بنت کعب المازنی: ۱۷۴

نظام خاص (اخوانی): ۳۸، ۳۹
نعم صدیقی: ۲۱۶، ۲۱۷
نقراشی پاشا: ۱۰
نمر سعدی: ۲۲۲
نور محمد فلاحی: ۴
نور الہدیٰ سلطان: ۲۰۳
النهضة العربیة: ۷۶
نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی: ۶۱
و
الوجدیات، ہفت روزہ: ۷۶
ورلڈ آرڈر: ۵۰
الوصایا العشر: ۲۳۴
الوطن العربی اخبار: ۲۰
الوفد اخبار: ۶۲، ۲۰۵
وفد پارٹی / حزب الوفد: ۱۰، ۷۷
الوقائع المصریة: ۷۴
وکر ہیوگو: ۱۳۱
ہ
ہارون المجددی: ۲۷۴
'ہالی ووڈ کی صحافت': ۱۰۸
ہانی (ڈاکٹر): ۱۷۰

- ہجرت: ۱۳، ۲۱۳
 ہدیٰ شعراوی: ۱۷۴
 ہدیٰ شعراوی کی سوانح: ۲۰۳-۲۰۴
 ہشام یحییٰ الطالب: ۲۱۵
 ہنداوی دویرائیڈ وکیٹ: ۱۶
 ہیئتہ التحریر: ۱۵
 ہیومنزم: ۶۷
 ی
 یاسر رمضان: ۱۷۰
 یحییٰ بن شرف نووی: ۲۳۳، ۲۳۵، ۲۶۶
 یوسف ابن اسماعیل النہبانی: ۱۱۳
 یوسف آفندی لبان: ۱۱۴
 یوسف الد جوی: ۸۵، ۱۱۴، ۱۱۵
 یوسف طلعت: ۱۶
 یوسف العظم: ۱، ۱۴۸
 یوسف علی: ۱۳۵
 یوسف القرضاوی: ۱، ۳، ۴، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۴۱
 ۲۳۲، ۲۳۹
 یہود کے خلاف جہاد: ۹، ۱۰، ۳۱، ۳۸، ۵۸، ۲۴۱
 ☆☆☆



تحریر و تصانیف: مولانا محمد امجد علی شاہ

یادداشت

یادداشت

یادداشت

8

یادداشت

A series of horizontal dashed lines spanning the width of the page, intended as a guide for handwriting practice.

انحوائی اسلام کے بانی شیخ حسن البنا شہید (1906-1949) کے بصیرت افروز تعارفی کلمات

— ”تحریر ایک انحوائی ایک سلفی دہمت ہے۔ کیونکہ اسلام کا اس کے خالص سرچشمے کتاب و سنت کی طرف لوٹانے کی دعائی ہے۔

— وہ ایک سنی مسلک بھی ہے۔ کیونکہ وہ تمام چیزوں میں بالخصوص عقائد و عبادات میں سنت رسول پر گامزن ہے۔

— وہ تصوف کا ایک طائفہ بھی ہے کیونکہ وہ خیر کی اساس، دل کی طہارت، نفس کی پاکیزگی، عمل پر مداومت، مخلوق سے درگزر، اللہ کے لیے محبت اور نیکی کے لیے یگانگت کو ضروری سمجھتی ہے۔

— وہ ایک سیاسی تنظیم بھی ہے۔ کیونکہ اس کا مطالبہ ہے کہ حکومت کی اصلاح کی جائے اس کی خارجہ پالیسی میں ترمیم کی جائے۔ رعایا کے اندر عزت و کرامت کی روح بھونکی جائے آخری حد تک ان کی قومیت کی حفاظت کی جائے۔

— وہ ایک ورزشی ٹیم بھی ہے کیونکہ وہ تندرستی و صحت کا خیال رکھتی ہے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ طاقت و مؤمن، کمزور مؤمن سے بہتر ہے۔

— وہ ایک علمی و ثقافتی ادارہ بھی ہے۔ یہ انحوائی انجمنیں حقیقت میں علم و ثقافت کی درس گاہیں اور جسم و روح کی تربیت گاہیں ہیں کیونکہ اسلام کے نزدیک حصول علم ہر مسلم مرد و عورت پر فرض ہے۔

— وہ ایک معاشی کمپنی بھی ہے کیونکہ اسلام صحیح رخ سے مال کمانے کی بھی ترغیب دیتا ہے۔ وہ ایک معاشی اسکیم بھی ہے کیونکہ وہ معاشرۂ اسلامی کی بیماریوں پر دھیان دیتی، ان کا علاج دریافت کرتی اور امت کو صحت مند رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ (اسی کتاب سے صفحہ 87-88)

”جب بھی ہمیں اسلام کی میانہ رو اور مبنی بر اعتدال دعوت پہیلانے سے روکا گیا تو یہاں ہر جانب مخالفین و مخالفین آگ آئیں اور مسرین وشت گردی نے جنم لیا۔ ہم آج بھی حکمرانوں کو خبردار کر رہے ہیں کہ اگر وہ اسی طرح شخصی اقتدار پر اصرار کرتے رہے اور کسی اور صرے کی نصیحت پر کان نہ دھرنے کی پالیسی چھوڑ دیتے تو مسر ایک ایسے بندہ کرے جس بدل جانے کا کہ جس جس گیس بھری ہوئی بوتل سے گیس نکلتی ہو اس کی طرح اس بھی جب کچھ جسم کر کے گھونٹا ہے۔“ (اسی کتاب سے صفحہ 76)

— **محمد عامر مدنی**

Distributed by

URDU BOOK REVIEW

NEW DELHI-2

Phone : 011-23266347 Mob. : +919953630788